اسلام کے

دو مکاتب فکر

کا تقابلی جائزہ

حصہ اول

تالیف

علامہ سید مرتضیٰ عسکری دام ظلہ

تلخیص و ترجمہ

شیخ محمد علی توحیدی

البلاغ المبین

اسلامی تحقیقاتی و اشاعتی ادارہ

پوسٹ آفس بکس نمبر: 469

اسلام آباد۔ پاکستان

فون: 051- 4434167

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم وسعت نظر کا باعث ہے۔

یہ کتاب ہم ان حضرات کی خدمت میں، جو ہم سے عقیدے میں اختلاف رکھتے ہیں، اس لئے پیش نہیں کر رہے کہ وہ ہمارا عقیدہ اختیار کریں

بلکہ

اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ آپ کے علم میں آجائے کہ ہم بھی اپنے عقیدے پر قرآن وسنت کی ٹھوس دلیل رکھتے ہیں

تاکہ

بہتان تراشیوں کی وجہ سے امت کی وحدت میں حائل رکاوٹ دور ہو جائے

چونکہ

علم وسعت نظر کا باعث ہے۔

(ادارہ)

نام کتاب: دو مکاتب فکر کا تقابلی جائزہ۔ حصہ اول

تالیف: علامہ سید مرتضٰی عسکری دام ظلہ

تلخیص وترجمہ: شیخ محمد علی توحیدی

تاریخ طبع: اگست ۲۰۰۴ء / رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

ناشر: البلاغ المبین ۔ اسلامی تحقیقاتی واشاعتی ادارہ

ای میل: info@al-balagh.org

ویب: www.al-balagh.org

ہدیہ:

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیك یا امام العصر و رحمة الله و برکاته

اے میرے آقا! اے فرزند رسول(ص) امام آخر الزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف میں آپ کے حضور اپنی اس ناچیز کوشش کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

یَاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ (سورۃ یوسف آیت ۸۸)

اے عزیز! ہم اور ہمارے اہل وعیال سخت تکلیف میں ہیں اور ہم نہایت ناچیز پونجی لے کر آئے ہیں، پس آپ ہمیں پورا غلہ دیجیے اور ہمیں خیرات (بھی) دیجیے۔ اللہ خیرات دینے والوں کو یقیناً اجر عطا فرماتا ہے۔

اے صاحب جود وکرم مولا!

اللہ کے ہاں ہماری سفارش کیجئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے نیز ہم اور ہماری ملت کو مشکلات سے نجات دے۔ بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

آپ کا خادم
مرتضٰی عسکری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَبَشِّرْ عِبَادِ O الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ O

(سورۃ الزمر آیت ۱۷، ۱۸)

پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اس بحث میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مکتب امامت اور مکتب خلافت کے درمیان اختلاف کا سرچشمہ کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب ہذا کے مباحث دو حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

پہلی قسم

یہاں اس بات سے بحث کی گئی ہے کہ دونوں مکاتب فکر کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے ماخذ و منابع اور ان تک رسائی کے طریقے کیا کیا ہیں۔ یاد رہے کہ اسلامی عقائد و احکام کا دارومدار انہی امور پر ہے۔ یہ امور درج ذیل پانچ بحثوں کو شامل ہیں۔

الف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت اور آپ کے اصحاب کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات۔

ب۔ امامت و خلافت کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات۔ یہ دونوں اسلامی شریعت تک رسائی اور اسلام کی صحیح شناخت کے ذرائع میں سے ہیں۔

ج۔ اسلامی شریعت کے ماخذ و منابع کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات اور یہ کہ مکتب خلفاء نے قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صف میں ذاتی اجتہاد اور رائے کو شریعت اسلامیہ کے مآخذ میں کیونکر شامل کیا ہے۔ یہاں مکتب خلفاء کے نزدیک اسلامی شریعت کے مآخذ اور ان تک رسائی کے راستوں کے متعلق تفصیلی بحث ہوگی۔

د۔ ذاتی اجتہاد اور رائے پر عمل کے نتیجے میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو انحراف پیدا ہوا؛ اس کے مقابلے میں سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام۔

ہ۔قیام امام حسین (ع) کے بعد معاشرے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی سیرت کو دوبارہ زندہ کرنے اور اس کی ترویج میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی کامیابی۔ اسی تسلسل کے ساتھ مکتب اہل بیتؑ کے ہاں اسلامی شریعت کے ماخذ اور ان تک رسائی کے طریقوں پر بحث تمام ہو جائے گی۔ یوں دونوں مکاتب فکر کی نظریاتی بنیادیں نکھر کر سامنے آجائیں گی۔

دوسری قسم

دونوں مکاتب فکر کے پیروکاروں کی فکری، سیاسی اور اجتماعی جدوجہد سے بحث کی گئی ہے۔ یہ قسم درج ذیل ابواب کو شامل ہے۔

الف۔ ایران میں مکتب خلافت کے نظریات کے ترویج اور اس ملک میں اس مکتب فکر کے پیروکاروں کی حکومتوں کا قیام۔

ب۔ اسلامی دنیا پر منگولوں کا حملہ اور ان کے ہاتھوں بغداد کے عباسی خلفاء کا خاتمہ۔

ج۔عراق کے شہر کوفہ کے تابع ایرانی علاقوں میں مکتب اہل بیت (ع) کی ترویج اور اس کو پھیلانے میں وہاں کے لوگوں کی جدوجہد اور اس خطے میں شیعہ حکومتوں کا قیام۔

د۔مکتب اہل بیتؑ پر کئے گئے بے بنیاد الزامات۔

.......☆.......

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے رب ہونے کے ناطے انسان کے لئے ایک ایسا دین عطا کیا جو اس کی زندگی (کے امور) کو نظم و ضبط دے، اس کی خوش بختی کا سامان کرے اور اسے کمال انسانیت کے مرتبے پر فائز کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے انسان کو اپنی طرف ہدایت دی اور اس دین کا نام اسلام رکھا۔ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔[1]

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

فرمایا

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ۔[2]

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح خداوند عالم نے اپنی دیگر تمام مخلوقات کے لئے بھی ایسے ایسے نظام عطا کئے جو ان کی فطرت سے ہم آہنگ ہوں اور ان کو اپنے کمال وجودی تک پہنچائیں۔ اللہ رب العزت نے ان مخلوقات کو ان نظاموں کے مطابق چلنے کے لئے الہامی یا فطری وقہری ہدایت سے نوازا۔ ارشاد ہوتا ہے:

ا۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ○[3]

(اے نبی!) اپنے پروردگار اعلیٰ کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے پیدا کیا اور توازن قائم کیا۔ اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ

---

۱ سورہ آل عمران آیت ۱۹ ۲ حوالہ سابق آیت ۸۵

۳ سورۃ الاعلیٰ آیت ۱ تا ۵

دکھائی۔ اور جس نے چارہ اُگایا۔ پھر (کچھ دیر بعد) اسے سیاہ خاشاک کر دیا۔

۲۔ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔[1]

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی۔

۳۔ وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ۔[2]

آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں گھر (چھتے) بنائے۔

فرمایا:

۴۔ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِہٖ[3]

اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے تابع فرمان ہیں۔

جب بھی کسی انسانی معاشرے سے وہاں کا نبی رحلت فرما جاتا تو اس معاشرے کے صاحبان اقتدار اور با اثر لوگ اپنے نبی کی ان تعلیمات کو جو ان لوگوں کی نفسانی خواہشات سے متصادم ہوتیں فوراً ان میں ردوبدل کرتے یا ان کو چھپادیتے تھے۔ پھر یہ لوگ اپنی طرف سے تحریف شدہ شریعت کو اللہ اور رسول سے منسوب کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَاِنَّ مِنۡھُمۡ لَفَرِیۡقًا یَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَھُمۡ بِالۡکِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَمَا ھُوَ مِنَ الۡکِتٰبِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ ھُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَمَا ھُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَھُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ۔[4]

اور (اہل کتاب میں) یقیناً کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو اس طرح پھیرتے ہیں کہ تمہیں یہ خیال گزرے کہ یہ خود کتاب کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب سے متعلق نہیں اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی جانب سے ہے

---

۱ سورۃ طٰہٰ آیت ۵۰
۲ سورۃ النحل آیت ۶۸
۳ سورۃ الاعراف آیت ۵۴
۴ سورۃ آل عمران آیت ۷۸

حالانکہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں ہوتی اور وہ جان بوجھ کر اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں۔

۲۔ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡھُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡہُ وَھُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ۔[1]

کیا تم اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ (ان سب باتوں کے باوجود یہودی) تمہارے دین پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا رہا ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے پھر اسے سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ نبی بھیج کر دین اسلام کو زندہ کرتا رہا۔ ہر نبی تحریف شدہ تعلیمات اور رسوم کو باطل قرار دیتا تھا۔ پھر جب اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مبعوث کیا تو اس کتاب میں اسلامی عقائد و احکام کی بنیادی باتوں کو آیات محکمات کے ذریعے بیان کیا۔ بعد ازاں آپ(ص) کو قرآن حکیم میں بیان کی گئی باتوں کی تفصیل سے آگاہ کیا تاکہ آپ(ص) لوگوں کو ان باتوں کی حقیقت بتا دیں جو ان کے واسطے نازل ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ وَلَعَلَّھُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ۔[2]

اور (اے رسول) آپ پر بھی ہم نے ذکر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتا دیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور شاید وہ (ان میں) غور کریں۔

یوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرتے ہوئے لوگوں کو سکھایا کہ نماز کی رکعتیں کتنی ہیں اور ان کو کس طرح بجا لانا ہے۔ روزے میں کن چیزوں سے بچنا چاہیے اور اس کی شرائط کیا ہیں۔ آپ(ص) نے طواف، طواف کے چکروں اور اس کی ابتدا اور انتہا کے بارے میں بتایا۔ ان کے علاوہ دیگر واجب، مستحب اور حرام امور کے احکام سکھائے۔ یہ تعلیمات احادیث

---

۱ سورۃ بقرۃ آیت ۷۵۔ مزید تفصیل کے لئے سورۃ بقرۃ آیات ۴۲، ۱۴۶، ۱۵۹، ۱۷۴، سورۃ آل عمران آیت ۱۸۷، سورۃ النساء آیت ۴۶، سورۃ المائدہ آیات ۱۳، ۱۵، ۴۱، ۵۹، ۶۱ کو ملاحظہ فرمائیں۔
۲۔ سورۃ النحل آیت ۴۴

نبوی (ص) کی شکل میں مسلمانوں کے ہاں منصۂ شہود پر آگئیں۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے آئینے میں مجسم کیا اور لوگوں کو سیرت رسول (ص) کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1]

بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول (ص) میں بہترین نمونہ ہے۔

سیرت نبوی (ص) اور احادیث نبوی (ص) دونوں کو مجموعی طور پر اسلامی شریعت میں ''سنت'' کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سنت رسول (ص) کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں حکم فرمایا ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[2]

اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و سنت کے ذریعے ہمارے لئے دین اسلام کی تبلیغ کے عمل کو مکمل کیا۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے لیکن آپ (ص) نے اپنی رحلت سے پہلے امت کو بتا دیا اور خبردار کیا کہ اس امت کو بھی ان تمام مسائل سے اسی طرح ہو بہو اور حرف بحرف روبرو ہونا پڑے گا جن سے سابقہ امتوں کو واسطہ پڑا تھا۔ آپ فرما گئے تھے کہ اگر سابقہ امتوں کا کوئی فرد کسی گوہ کے بل میں گھسا ہو تو اس امت کا کوئی نہ کوئی فرد بھی ضرور بہ ضرور کسی گوہ کے بل میں داخل ہو کر رہے گا۔[3]

☆☆☆☆☆

آخری امت اور تحریف کے حوالے سے یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[4]

اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

نیز فرمایا:

---

[1] سورۃ الاحزاب۔ ۲۱ [2] سورۃ الحشر آیت ۷

[3] اکمال الدین للشیخ صدوق صفحہ نمبر ۵۷۶، بحار الانوار زیر آیت لتر کبن طبقاً عن طبق ج۸ صفحہ۳، صحیح بخاری باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ج۲ صفحہ۱۰۹، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۹۹۴، مسند امام احمد ح۲ صفحہ ۳۲۷، ۳۶۷، ۴۵، مجمع الزوائد ج۷ صفحہ ۲۶۱، کنز العمال ح۱۱ صفحہ ۱۲۳ [4] سورۃ الحجر آیت ۹

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ[1]

باطل نہ اس کے سامنے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

رہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک اور ارشادات سے متعلق روایت شدہ سنت جس کا تذکرہ روایات کثیرہ میں ہوا ہے تو خدا نے ان کو تحریف سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری نہیں لی۔ چنانچہ اس حقیقت کا مشاہدہ ان احادیث نبویہؐ کے درمیان موجود اختلاف و تعارض سے ہوتا ہے جو آج تمام مسلمانوں کے سامنے ہے۔

احادیث کے درمیان اختلاف کی بات یہاں تک پہنچی کہ بعض علماء نے اس اختلاف کو حل کرنے کی ٹھانی اور اس مقصد کے تحت کتابیں لکھیں مثال کے طور پر حسب ذیل کتب:

۱۔ ''تاویل مختلف الحدیث'' تالیف ابن قتیبہ عبداللہ بن مسلم (متوفی ۲۸۰ھ یا ۲۷۶ھ)

۲۔ ''بیان مشکل الحدیث'' تالیف ابن فورک محمد بن حسن (متوفی ۴۰۶ھ)

۳۔ ''مشکل الآثار'' تالیف حافظ ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی (متوفی ۳۲۱ھ)

احادیث و روایات میں اختلاف کے نتیجے میں امت اسلامیہ قرآن مجید کو سمجھنے میں بھی اختلاف آراء کا شکار ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لئے بٹ کر رہ گئی ہے۔ علاوہ بریں ماحول کے اختلاف نیز دیگر اقوام و ملل اور اجنبی مکاتب فکر کے ساتھ مسلمانوں کی معاشرت نے اسلام کے بارے میں ان (مسلمانوں) کے نقطہ نظر کو پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ بعض مسلمان تو اسلام کے بارے میں قرآنی آیات و صحیح احادیث کی تشریح و تاویل اپنی ذاتی رائے اور سوچ کے مطابق کرنے لگ گئے ہیں بالآخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان آپس میں فرقوں میں بٹ گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی آراء کو سننا چھوڑ دیا اور وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دینے لگ گئے۔ اس کے بعد اسلام دشمن قوتوں نے انتہائی تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ عالم اسلام پر اپنے حملے شروع کر دئے۔ اور اپنے درآمد شدہ نظریات کے ذریعے اسلام کا مقابلہ کیا۔ ان نظریات و افکار کو مستشرقین کے روپ میں کام کرنے والے یہودی و عیسائی مبلغین نے تیار کیا اور نظریات کے حامیوں نے ''عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ترقی یافتہ اسلام'' کے نام سے عالم اسلام میں ان کی خوب ترویج کی۔ اسلام کے خلاف برسر پیکار ان کافروں نے ہماری سرزمین میں مشرق شناسی کے تعلیمی اداروں سے فارغ ہونے والوں کی ترویج و تشہیر کی اور ان کو بدقسمتی سے نام نہاد مسلمان مصلحین، روشن فکر رہنماؤں اور ترقی پسندوں کے نام سے میدان عمل میں لا کھڑا کیا۔ چنانچہ مصر میں نوجوان نسل کے (نام نہاد) مربی احمد لطفی اور عورتوں کی آزادی کے طرفدار قاسم امین اور عراق میں سوشیالوجی کے

---

[1] سورۃ حم السجدہ آیت ۴۲

استادعلی دردی کا شمار اسی قبیل کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی اسی قسم کے افراد ملتے ہیں۔ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے ان لوگوں کے ہاتھوں میں سب سے تباہ کن ہتھیار یہ تھا کہ انہوں نے اسلام اور اسلامی شخصیات کا تعارف اپنے ڈھنگ سے کرانا شروع کیا۔ یاد رہے کہ ان حضرات اور ان کے مستشرق اساتذہ کی ساری کوششوں کا محور اور ہدف ایک چیز تھی اور وہ یہ کہ ان میں سے کسی کے بقول ''دین کا خاتمہ دین کی تلوار کے بغیر ممکن نہیں'' اس مقصد کے حصول کے لئے یہ لوگ قرآن کی تفسیریں، احادیث کی شرحیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر کتابیں لکھتے ہیں اور ہر قدم پر یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کو عالم غیب سے لاتعلق قرار دیں اور انہیں فقط فطرت انسانی کے تقاضوں کی صورت میں پیش کریں۔ پھر یہ لوگ گاہے اشارے کنائے سے اور کبھی واضح طور پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تمام ہستیاں اور اسلام کی ساری تعلیمات اپنے اپنے دور سے متناسب تھیں اور اپنے دور میں ترقی پسندی کی علمبردار تھیں اور اس دور کے انسانوں کے لئے مفید بھی۔ لیکن آج ہمیں جدید اور ترقی یافتہ اسلام کی ضرورت ہے تاکہ وہ دور حاضر کے تقاضوں اور موجودہ انسانوں کی ضروریات سے ہم آہنگ ہو۔

یہ وہ اسلحہ ہے جس کے خطرے سے بہت سارے لوگ آگاہ نہیں۔ اس اسلحے سے مسلح مزکورہ افراد مسلمانوں اور خود اسلام کے لئے ان سیاستدانوں سے زیادہ خطرناک ہیں جو عالم اسلام میں کافر حملہ آوروں کے ایجنٹ ہیں اور اسلامی ممالک کے حکمران بنے بیٹھے ہیں۔ یہ حکمرانی انہیں نظریاتی وفکری جنگ میں گاہے اسلام کا تعارف کرانے کے نام سے اور کبھی عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ترقی یافتہ اسلام کو پیش کرنے کے بہانے اسلام کی حقیقت کو مسخ کرنے کے عوض حاصل ہوئی ہے۔ ہماری ان تمام معروضات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام پر ہونے والے ان فکری حملوں کے بعد آج مسلمانوں کو اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ مختلف اسلامی فرقوں کے نظریات و اقوال کا وسیع اور تحقیقی مطالعہ عمل میں لائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کا سنجیدہ طبقہ اس کے برعکس یہ خیال کرتا ہے کہ ان تمام باتوں سے چشم پوشی ہی مسلمانوں کی وحدت کو محفوظ رکھنے کے لئے بہتر ہے۔

جبکہ مسلمانوں کی اکثریت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اہل بیتؑ اور دیگر آئمہ، مسلمین کی قبور مبارکہ کی زیارت کرنے، ان سے تبرک حاصل کرنے، خدا کے ہاں ان ہستیوں سے شفاعت طلب کرنے اور متوسل ہونے کے مشتاق نظر آتے ہیں اور دوسری طرف سے ایک گروہ ان سارے امور کو شرک، اسلام کے خلاف بغاوت، بدعت اور حرام قرار دیتا ہے یوں ان کی نظر میں تیسری صدی ہجری سے لے کر اب تک کے سارے مسلمان مشرک ہیں۔ اس گروہ نے

غار حرا کے راستے میں اور دوسرے متبرک مقامات پر تعمیر شدہ مساجد کو منہدم کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے آئمہ، امہات المومنین، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، فرزند رسول(ص)، صحابہ رسول(ص) اور شہداء احد کی قبریں بھی مسمار کر ڈالیں۔ یہ گروہ یہودیوں اور ان کی توراۃ نیز عیسائیوں، ان کے گرجا گھروں، عبادت گاہوں، ان میں موجود صلیبوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی مورتیوں کے ساتھ مذکورہ سلوک روانہیں رکھتا جبکہ عیسائی ببانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ(ع) ان کا خدا ہے اور نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہے بلکہ ان کے ساتھ تو معاہدے اور عہد و پیمان کرتے ہیں۔ یہ گروہ ان کو مشرک نہیں کہتا۔

مذکورہ مسائل اور اس طرح کے دیگر مسائل مسلمانوں کے انفرادی امور مثلاً نماز ہاتھ کھول کر پڑھنا جو مکتب اہل بیت اور مالکیوں کے نزدیک درست ہے لیکن حنفیوں اور حنبلیوں کے ہاں ہاتھ باندھنا ضروری ہے یا وضو میں پاؤں دھونے یا ان پر مسح کرنے میں اختلاف وغیرہ ایسے مسائل کے بارے میں ہر مسلمان اجتہاد یا تقلید کی رو سے اپنے ہاں ثابت شدہ حکم کے مطابق عمل کرسکتا ہے اور اختلاف رائے کے باوجود تمام مسلمان باہمی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک اسلامی معاشرے میں اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ وہ مسائل ہیں جن پر انسانی معاشرہ قائم ہے اور لوگوں کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ ان میں سے ایک نظریئے کو چھوڑ کر دوسرے نظریئے کو اپنائیں یا دوسرے نظریئے کو چھوڑ کر پہلے نظریئے کو اپنائیں۔

مذکورہ اختلافات خالص سیاسی مسائل نہیں ہیں جن سے اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر چشم پوشی ممکن ہو۔ اصل اور جعلی ناموں سے ''وجاء دور المجوس'' جیسی کتابوں کے کئی ملین نسخوں کو منظر عام پر لانا اور بعض حکومتوں کی طرف سے اس قسم کے کاموں پر دولت صرف کرکے مسلمانوں کے ایک عظیم حصے کو خارج از اسلام قرار دینا علاوہ ازیں دنیا کے تمام حصوں میں اپنے باطل نظریات کو پھیلانے کے لئے ہزاروں مراکز، مساجد اور مدارس پر کروڑوں اربوں کا خرچ برداشت کر کے یہ بتانا کہ ان کے سوا دیگر تمام مسلمان مشرک و کافر ہیں اور دنیا کے کونے کونے میں ہزاروں وفود بھیج کر اپنے بے بنیاد نظریات کی ترویج کرنا وغیرہ کسی غیر دینی سیاسی مقصد کے پیش نظر نہیں ہیں۔

پھر ایسا بھی نہیں کہ یہ مسائل مسلمانوں میں افتراق ڈالنے کے لئے استعمار کے پیدا کردہ ہوں جو ان سے چشم پوشی مستحسن قرار پائے بلکہ یہ مسائل حنبلیوں کے امام احمد (متوفی ۲۴۰ھ) اور ان کے نظریاتی شاگرد شیخ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کے دور سے بلکہ اس سے بھی کہیں پہلے سے لے کر آج تک موجود اور رائج رہے ہیں۔ متعدد ادوار میں مختلف مقامات پر لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام

اور ان کے کتب خانوں کو نذر آتش کرنے کے واقعات ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہیں۔ اگر ہم ان مسائل کا حل تلاش نہ کریں گے اس وقت تک مختلف حکومتیں اور استعماری طاقتیں اپنی منشاء کے مطابق ان سے غلط سیاسی فائدہ حاصل کرتی رہیں گی۔

میں اپنے دعوےٰ کی مزید وضاحت اور اس پر دلیل قائم کرنے کی غرض سے آئندہ صفحات میں امت اسلامیہ کے درمیان معمولی اختلاف کے باعث ظاہر ہونے والے بعض افسوسناک نتائج کے بارے میں اپنے مشاہدات کا تذکرہ کروں گا۔

----☆----

افتراق امت اسلامیہ کے
بعض آثار جن کا میں نے مشاہدہ کیا

پہلے سفر کا واقعہ

ملک عبدالعزیز آل سعود کے عہد میں میں نے پہلی بار حج کا سفر کیا۔ جب ہمارا (عراقی حاجیوں کا) قافلہ سعودی عرب کے شہر رماح پہنچا تو ہم نے وہاں چوبیس گھنٹے توقف کیا اور سب نے وہاں کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ جب روانہ ہونے کا وقت قریب آیا تو اس شہر کے کچھ لوگ روانگی کا منظر دیکھنے کے لئے ہمارے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس مجمع سے ایک شخص آگے بڑھا جس کی ظاہری وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان کے دانشمند افراد میں سے ایک ہے۔ اس نے حاجیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان لوگوں سے کہا:

''یہ لوگ مشرک ہیں''۔ نیز یہ بھی کہا ''یہ لوگ حسنؑ اور حسینؑ پر روتے ہیں''۔

میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا:

یہ ان کا رضا کار کارکن ہے۔ اگر یہ میرے ہاتھ لگ جائے تو اسے قتل کر دوں گا اور اس کا خون پی جاؤں گا۔

یہ سن کر ایک حاجی بول اٹھا:

ہم کس لئے مشرک ہیں؟ ہم نے بیت اللہ کا حج کیا اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ وہ برس پڑا اور منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے کہا:

اشرکت لو یحیی ابو ابو سعود ما یحامی عنك ویش محمد محمد رجالاً مثلی۔

تم مشرک ہو۔ بادشاہ اور اس کا دادا سعود بھی تجھے میرے ہاتھوں سے نجات نہیں دے سکتا۔ محمد کون ہوتا ہے؟ محمد تو میری طرح کا ایک آدمی تھا۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

عراقی حاجی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس نے کہا:
میں کیا کہوں؟ میں کیا کہوں؟''
وہ بولا:
کہو وہ ضرر نہیں پہنچا سکتا صرف خدا ہی ضرر پہنچا سکتا ہے۔ وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا فائدہ پہنچانے والا تو بس خدا ہے۔
عراقی حاجی نے اس کے پڑھائے ہوئے کلمات دہرائے۔ یہ دیکھ کر ایک اور عراقی حاجی آگے بڑھا اور اس سے یوں مخاطب ہوا:
کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری طرح کے آدمی تھے؟
اس نے اپنی سابقہ بات کی تاکید کرتے ہوئے کہا:
محمد (ص) میری طرح کے آدمی تھے جو مر گئے۔
عراقی نے اس سے کہا:
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو قرآن نازل ہوا تھا۔ کیا تمہارے اوپر بھی قرآن نازل ہوتا ہے؟
اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ اس کے بعد ہم گاڑیوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔
ہمارے قافلے میں ایک سعودی حاجی بھی تھا جو سعودی پاسپورٹ پر سفر کر رہا تھا اور عراق میں رہتا تھا۔ ہم جب بارڈر پر پہنچے تو سعودی امیگریشن کے مسئول نے اسے جھڑکا اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے نفرت آمیز انداز میں کہا:
اسلامی سرزمین کو چھوڑ کر بلاد شرک میں رہتے ہو؟
سعودی حاجی نے ذلت وخواری کے ساتھ اسے دعائیں دیتے ہوئے اپنا پاسپورٹ مانگنا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے پاسپورٹ واپس کر دیا۔

دوسرے سفر کی روداد

ان دنوں عراقی علماء معاشرے میں اسلامی احکام کو دوبارہ جاری و ساری کرنے کے لئے کوشاں تھے اور مسلمان عوام کو مساجد، جلسوں اور تقریبات کے ذریعے اس مطالبے کی خاطر بیدار کرنے نیز حکومت کی طرف سے بنائے جانے والے غیر اسلامی قوانین کے خلاف جدوجہد کرنے میں مصروف تھے۔ ہمیں جہاں کہیں سے اس سلسلے میں مسلمانوں کی جدوجہد کی خبریں ملتی تھیں ہم

انہیں سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ ہم فرانس کے خلاف الجزائری مسلمانوں کے انقلاب کی حمایت کرتے تھے اور اپنی تمام تر قوت کے ساتھ فلسطینی انقلاب کی تقویت کا سامان فراہم کرتے تھے۔ ہم ایتھوپیا کے خلاف اریٹیریا کے عوام کی جدوجہد کی خبروں سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہم معاشرے میں اسلامی احکام کی بازگشت کے لئے کی جانے والی کوششوں کی کامیابی کی خاطر مسلمانوں کی بیداری، ان کے باہمی تعاون اور اختلافی مسائل سے چشم پوشی کو ضروری قرار دیتے تھے۔

پھر ان ایام میں ایران کی طاغوتی حکومت اور مسلمان علماء کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ شہر قم کی عظیم اسلامی یونیورسٹی کے مرکزی مدرسہ فیضیہ سے ۲۵ شوال ۱۳۸۲ھ اس معرکے کی ابتداء ہوئی۔ ہم نے اس واقعے کو فال نیک قرار دیتے ہوئے اس اسلامی تحریک کی حمایت کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لایا اور اس کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کیا۔ ادھر عراقی علماء نے بھی اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس تحریک کی حمایت کی۔ خدا ان سب کو بہترین جزا عنایت فرمائے۔

ان دنوں میں نے بھی تعزیتی مجالس برپا کیں۔ میں نے بغداد میں تین راتوں تک عظیم تعزیتی مجالس کا بندوبست کیا۔ ان مجالس میں ایرانی عوام کی اسلامی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں، اس کے آثار ونتائج اور اس کی حقیقت کو اجاگر کیا گیا۔

میں ان حالات میں ایک پیغام اور ایک تجویز لے کر سفر حج کے لئے روانہ ہوا۔ میرا آفاقی پیغام اسلامی معاشرے میں خالص اسلامی عادلانہ نظام زندگی کے احیاء کی خاطر مسلمانوں کو دعوت اتحاد دینا تھا اور میری تجویز یہ تھی کہ جس تحریک کی ابتدا مسلمان علماء کے ہاتھوں ایران سے ہوئی تھی اسی قسم کی اسلامی تحریکیں دیگر مقامات پر بھی چلیں۔ میں اس بات کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اس تحریک کے اسباب سے مسلمان قائدین ومفکرین کو تفصیل کے ساتھ آگاہ کروں اور ان کو اس کی حمایت پر آمادہ کروں اور یہ بتا دوں کہ اسلامی احکام کی بازگشت کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد مشترک ہے۔ جب کسی اسلامی ملک میں مسلمانوں کی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار ہو گی تو اس کے اثرات دوسرے مقامات پر بھی مرتب ہوں گے اور اس کی خبر سب مسلمانوں تک پہنچے گی۔ میری امیدوں کا محور یہی تھا کہ ایرانی مسلمانوں کے المیے اور دوسرے تمام مسلمانوں کے مفادات اور مقاصد کے اشتراک کے بارے میں میری معروضات پر دھیان دیا جائے گا۔ میں نے اس سفر کے دوران شام میں اخوان المسلمین کے قائدین، مکہ معظمہ میں سعید رمضان اور میدان عرفات میں اریٹیریا کے انقلابی قائد محمد آدم، اردن اور بیت المقدس میں فلسطینی دانشوروں، مسلمان صحافیوں،

علماء، خطباء اور اسلامی تحریکوں کے قائدین، مثال کے طور پر مولانا ابو الحسن علی ندوی اور جماعت اسلامی پاکستان کے سابق سربراہ ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ سے ملاقاتیں کیں۔

میں نے مدینہ منورہ میں اپنے کام کا آغاز کرتے ہوئے ان کتابچوں کی تیاری میں مدد دی جو حاجیوں کے درمیان تقسیم کئے جانے کے لئے بنائے جا رہے تھے۔ میں نے ان پمفلٹوں کے مضامین کو سنوارا، ان میں ایران کی اسلامی تحریک کے مختلف پہلوؤں کی تشریح کی، ایران کی سابقہ طاغوتی حکومتوں کے ایجنٹوں کے مظالم پر روشنی ڈالی اور ایران کے مسلمان عوام کی مدد کے لئے مسلمانانِ عالم کو اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دی۔ میں چاہتا تھا کہ یہ پمفلٹ عید قربان کی رات مشعرالحرام میں حاجیوں کے درمیان تقسیم ہوں لیکن ساتویں ذی الحجہ کی شام مجھے اچانک افسوسناک خبر ملی کہ ان پمفلٹوں کی تقسیم کے ذمہ دار عالم نے جب یہ پمفلٹ مکہ میں حرم شریف کے اندر تقسیم کئے تو انہیں گرفتار کر کے پس دیوار ڈال دیا گیا ہے اور سارے پمفلٹ ضبط کر لئے گئے ہیں۔ یہ سن کر ہم یعنی عراق اور ایران کے علماء نے عید کے دن اس وقت کے ولی عہد فیصل سے ملاقات کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ گرفتار شدہ شخص کو رہا کرے اور ضبط شدہ مواد واپس کرے۔ اس وقت میں نے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا:

> آپ کی حکومت اس ملک میں قرآنی تعلیمات کو نافذ کرنے کا نعرہ لگاتی ہے بنابریں آپ کو ان مسلمانوں کی مدد کرنی چاہئے جو اپنے اپنے ملک میں قرآنی نظام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے ہاں کی ان حکومتوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو کافرانہ نظام کو مسلط کرنے کے درپے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ مکہ مکرمہ کو ان ممالک سے نکالے جانے والوں کی پناہ گاہ قرار دیں اور ان کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی مظلومیت کی داستان اپنے حاجی بھائیوں تک پہنچا سکیں اور یہ بات سورۃ الحج کی اس آیت کی مصداق ہے: لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ " تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دینوی) فائدوں کے لیے۔"

پھر میں نے قم کی عظیم درسگاہ کے مسلمان علماء کے قیام کا ذکر چھیڑا اور ایران سے شروع ہونے والی اسلامی تحریک کے مختلف پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا اور اس تحریک کے معاملے میں مسلمان سربراہوں خاص کر سعودی حکومت کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔ میں نے اپنی گفتگو کا اختتام اس عالم کے ذکر پر کیا جو مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی داستان پر مشتمل پمفلٹ تقسیم

کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا تھا۔ اس مسئلے پر ہمارے درمیان کافی گفتگو ہوئی جو گرفتار شدہ عالم کی رہائی پر منتج ہوئی۔

مناسک حج کی ادائیگی اور مکہ واپسی کے بعد اخباروں کے ذریعے لوگوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ جمعۃ المبارک کی شام مسجد ہندی میں مولانا مودودی کی تقریر سننے کے لئے جمع ہوں چنانچہ ہم نماز عشاء کے بعد اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ علامہ موصوف نے ایک تقریر کی[1] جس میں انہوں نے معاشرے میں اسلامی نظام زندگی کو نافذ کرنے کے لئے مسلمانوں کے اوپر آٹھ چیزوں کو لازمی قرار دیا۔ ان کی تقریر کے بعد میں مائیک کے پاس آیا اور ان کی تقریر سے سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا:

آج مسلمانوں کو اسلامی تحریک چلانے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے:

الف۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو چودہ سو سال گزر گئے اور اس دوران مختلف حالات سے دوچار ہونے کے بعد آج مسلمانوں کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے ماخذ و منابع سے احکام کے استنباط کی کیفیت سے متعلق جامع، عمیق اور بنیادی تحقیق کریں۔ حدیث اور سنت کو سمجھیں اور ان تمام امور میں گزشتہ علماء کے مقلد محض بن کر نہ رہیں۔

ب۔ اسلامی ممالک پر حملہ کرنے والے کفار (استعماری طاقتیں) مسلمانوں میں افتراق ڈالنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ یوں وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں چلنے والی اسلامی تحریک کو دبانے پر قادر ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے فرانسیسیوں کے خلاف اریٹیریا کے عوام کی جدوجہد کا ذکر کیا۔ ایران کی طاغوتی حکومت کے خلاف ایرانی علماء کی تحریک کا تفصیلی ذکر کیا اور مسلمانوں کو ان کی مدد کے لئے کمر ہمت باندھنے کی دعوت دی۔

ج۔ تیسرا نکتہ یہ بیان کیا کہ آج ہمیں ابوذرؓ، عمار یاسرؓ اور سمیہؓ کے ایمان کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے سرزمین مکہ میں ان پر ہونے والے مظالم کا تفصیلی تذکرہ کیا۔

مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی کے سربراہ شیخ عبدالعزیز بن باز کو مسلمان وفود کے ساتھ میری ملاقاتوں کی خبر ملی اور اسے بتایا گیا کہ بغداد کا ایک عالم ہے جو فلاں فلاں خصوصیات کا حامل

---

[1] انہوں نے یہ تقریر رابطہ عالم اسلامی کی تقریبات کے لئے تیار کی تھی جن میں انہیں شرکت کی دعوت دی گئی تھی جب انہیں اس کا موقع نہ ملا تو وہی تقریر مسجد ہندی میں کی۔

ہے۔ موصوف نے مجھے اہل سنت کا کوئی عالم خیال کرتے ہوئے مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت مدینہ یونیورسٹی تازہ تازہ بنی تھی۔ یونیورسٹی کی گاڑی بھیج کر ہمیں بغداد کے بعض علماء، دانشوروں اور بزرگوں کی معیت میں وہاں لے گئے۔

یونیورسٹی کے اساتذہ ایک بڑے ملاقاتی ہال میں ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے وہاں ہمارا استقبال کیا۔ ہال کی کھڑکیوں پر طلباء کی ایک جماعت ہمیں دیکھنے کے لئے امنڈ آئی تھی۔ جب ہم بیٹھ چکے تو میں نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد عراق کے مسلمان علماء کی طرف سے انہیں مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی بنانے پر ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کیا۔

اس کے بعد میں نے کہا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس شہر میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے مسلمان مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور اسی بھائی چارے کی بنیاد پر عظیم اسلامی معاشرے کی عمارت کھڑی کی۔ اس وقت آپ لوگوں کے پاس پینتالیس ممالک کے طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آپ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عمل پیرا ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ عظیم خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

آج مسلمانان عالم کو اس امر کی شدید ضرورت بھی ہے کیونکہ وہ دنیا کے مختلف حصوں میں کافر استعماری طاقتوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ مسلمانوں میں سے کچھ تو براہ راست استعمار کے پنجوں میں سسک رہے ہیں اور ان میں سے بعض پر استعماری ایجنٹوں کا تسلط ہے۔

آج یہ مسلمان استعمار اور اس کے ایجنٹوں کے خلاف برسر پیکار ہو چکے ہیں۔ الجزائر کے مسلمان فرانسیسیوں سے مصروف جہاد ہیں اور فرانس ان پر ظلم ڈھا رہا ہے۔

اریٹیریا کے مجاہدین شہنشاہ ہیل سلاسی کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور شہنشاہ ایتھوپیا ان پر ظلم و تعدی کر رہا ہے۔ ادھر ایران میں مسلمان علماء وہاں کی طاغوتی حکومت اور اس کے استعماری آقا کے ساتھ مصروف جہاد ہیں۔ وہ اس روئے زمین کی سب سے سخت استعماری طاقت کو نکال باہر کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں تاکہ اس اسلامی

سرزمین پر اسلامی احکام کی حکمرانی ہو جبکہ استعمار ان کو تختہ مشق ستم بنائے ہوئے ہیں۔

اس سے پہلے میں نے مسلمانوں کے درمیان افتراق کے المیوں پر روشنی ڈالی اور ان کی مثالیں پیش کیں۔ حج کے مختلف سفروں کے دوران مکہ اور مدینہ میں ہم نے نماز جمعہ اور نماز جماعت کے خطیبوں کو سنا اور گاہے مسجد خیف میں نماز مغرب اور عشاء کے درمیان خطیبوں کے ساتھ بحث و گفتگو میں بھی شرکت کی۔ بسا اوقات مجھے ایسی باتیں سننے کا اتفاق ہوا جن کا ذکر آج مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مسلمان مفکرین اور قائدین کے ساتھ تبادلہ خیال کے دوران میں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی فکری ہم آہنگی اور یکسوئی اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اختلافی مسائل کا مل کر مطالعہ نہ کیا جائے اور ان کے اسباب کا کھوج لگا کر ان کا علاج کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

چنانچہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اختلافی مسائل کے اسباب کو پہچان لیں تاکہ ان کا بخوبی علاج کر سکیں۔ بنابریں ہم آئندہ صفحات میں ان کی چند مثالیں پیش کریں گے اور بحث کے آخر میں خداوند متعال کی مدد سے امور کا ذکر کریں گے جن کی انجام دہی اختلافی مسائل کو حل کرنے کی غرض سے ہمارے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور ان میں اختلاف کے اسباب

بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر خلق کیا[1]

اللہ تعالیٰ انگلیاں[2]، پنڈلی[3] اور پاؤں رکھتا ہے۔

وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں یا جہنم کے اوپر اپنا پاؤں رکھے گا تو جہنم کہے گی بس!، بس!!، بس!!!،[4]۔

علاوہ بریں اس کے لئے مکان کی ضرورت ہے اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد ان کی نقل کردہ وہ روایات ہیں جن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مخلوقات کی خلقت سے پہلے ہمارا پروردگار اندھیرے میں تھا (یعنی اس کے ساتھ کچھ نہ تھا)۔ اس کے نیچے ہوا تھی، اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور پانی تھا۔ پھر اس نے پانی کے اوپر اپنا عرش بنایا۔[5]

آپ (ص) نے فرمایا:

اس کا عرش آسمانوں کے اوپر اس طرح سے ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل بنائی۔ اور وہ چرچراتا ہے، جیسے سوار کے نیچے پالان چرچراتے ہیں۔[6]

نیز یہ کہ آپ (ص) نے فرمایا:

رات کے آخری حصے میں خدا آسمان تک اتر آتا ہے اور کہتا ہے:

۱۔ صحیح بخاری باب بدء السلام، صحیح مسلم باب یدخل الجنة اقوام

۲۔ صحیح بخاری تفسیر سورة الزمر ج ۲ صفحہ ۱۲۲، صحیح مسلم کتاب صفة القیامة و الجنة و النار

۳۔ صحیح بخاری زیر آیۃ یوم یکشف عن ساق، باب قوله تعالیٰ وجوه یومئذ ناضرة

۴۔ صحیح بخاری تفسیر سورة ق، سنن ترمذی باب ماجاء فی خلود اهل الجنة، صحیح مسلم باب النار الفارید خلها الجبارون

۵۔ سنن ابن ماجہ باب فی ماانکرت الجهمیة، سنن ترمذی تفسیر سورہ ھود، مسند امام احمد ج ۴ صفحہ ۱۲،۱۱

۶۔ سنن ابی داؤد باب فی الجهمیة، سنن ابن ماجہ باب فی ما انکرت الجهمیة، سنن الدارمی باب فی شان الساعة و نزول الرب تعالیٰ۔

کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اسے جواب دوں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں عطا کروں''؟[1]

آپ (ص) نے فرمایا:

خدا پندرھویں شعبان کی رات کو نچلے آسمان پر اترتا ہے......الخ[2]

آپ (ص) نے روز قیامت کے متعلق فرمایا:

جہنم سے سوال کیا جائے گا: کیا تو سیر ہو چکی ہے؟ جہنم جواب دے گی: اور چاہیئے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا پاؤں اس پر رکھے گا تب جہنم کہے گی: بس ہو گئی!!۔ بس ہو گئی!!''۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے:

جہنم اس وقت تک سیر نہ ہو گی جب تک اللہ اپنا پاؤں نہ رکھ دے۔ تب وہ کہے گی: بس بس۔ اس وقت وہ سیر ہو گی اور اس کے حصے آپس میں مل جائیں گے''۔[3]

دیدار خدا کے بارے میں

بعض مکاتب فکر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ نیز آپ (ص) نے فرمایا:

انبیاءؑ مومنین کی شفاعت سے انکار کریں گے تو وہ میرے پاس آئیں گے۔ میں جا کر خدا سے ملاقات کی اجازت طلب کروں گا۔ خدا مجھے اذن ملاقات عنایت کرے گا۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا......الخ'' الحدیث[4]

نیز یہ کہ حضور (ص) نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کے پاس اتر کر آئے گا

۱۔ صحیح بخاری باب الدعاء و الصلوة فی آخر اللیل، صحیح مسلم باب الترغیب فی الدعا و الذکر، سنن ابی داؤد باب فی الرد علی الجهمیة، سنن ترمذی باب ماجاء فی نزول الرب الی اسماء، سنن الدارمی باب ینزل الله الی السماء مسند امام احمد ج ۲ صفحہ ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۸۲، ۴۱۹، ۴۳۳، ۴۸۷

۲۔ سنن ترمذی باب ماجاء فی لیلة النصف، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، مسند امام احمد ج ۲ صفحہ ۴۳۳

۳۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، سنن ترمذی باب ماجاء فی خلود اهل الجنة

۴۔ صحیح بخاری باب قول الله تعالیٰ لما خلقت بیدی

تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے''[1]

نیز آپ (ص) نے فرمایا:

تم لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے رب کا مشاہدہ کرو[2] نیز یہ کہ مسلمان قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح وہ چاند کو دیکھتے ہیں اور اس دیدار میں کوئی دھکم پیل نہیں ہو گی۔[3]

نیز یہ کہ اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے ساتھ ہو جائے۔ پس کچھ لوگ سورج کے پیچھے چلے جائیں گے، کچھ چاند کے پیچھے اور کچھ بتوں کے پیچھے۔ پھر یہ امت منافقین کے ساتھ رہ جائے گی۔

تب خدا انجانی صورت میں ان کے پاس آئے گا اور کہے گا:

''میں تمہارا رب ہوں''۔ وہ کہیں گے، ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جب تک ہمارا رب خود نہ آئے ہم یہیں رہیں گے۔ جب ہمارا رب آئے گا تب ہم اس کو پہچان لیں گے۔ اس کے بعد خدا اس شکل میں آئے گا جسے وہ پہچانتے ہوں گے اور کہے گا: ''میں تمہارا رب ہوں'' تب وہ کہیں گے: آپ ہمارے رب ہیں۔ پھر وہ اس کے پیچھے چلے جائیں گے۔[4]

ایک اور روایت میں مذکور ہے۔

یہاں تک کہ جب خدا کی عبادت کرنے والوں کے سوا نیک اور برے لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے گا تو عالمین کا رب ان کے پاس اپنی ادنیٰ صورت کے ساتھ آئے گا جس میں انہوں نے اس کو دیکھا تھا۔ اس وقت کہا جائے گا: تم لوگ کس چیز کے منتظر ہو؟ ہر قوم اپنے معبود کے پیچھے چلی جائے۔ وہ بولیں گے: ہم اپنے اس

۱۔ سنن ترمذی باب ماجاء فی الرباء و السمعة
۲۔ صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرة
۳۔ صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرة، باب فضل صلاة العصر، صحیح مسلم باب فضل صلاتی الصبح و العصر، سنن ترمذی باب ماجاء فی رئویة الرب تبارك و تعالیٰ
۴۔ صحیح بخاری قول اللہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرة، صحیح مسلم باب معرفة طریق الرئویة

رب کے منتظر ہیں جس کی ہم عبادت کرتے تھے۔ اس وقت خدا فرمائے گا: تمہارے پاس اس کی پہچان کی کوئی علامت ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں پنڈلی۔ پس اللہ اپنی پنڈلی کو ظاہر کرے گا (پھر وہ سجدے میں گر پڑیں گے:)[1]

----☆----

۱۔ صحیح بخاری باب قوله ان الله لا یظلم مثقال ذرة، صحیح مسلم باب معرفة طریق الرئویة

انبیاء علیہم السلام کی صفات میں اختلاف اور اس کے اسباب

انبیاء علیہم السلام کی صفات کے بارے میں بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے:

☆ انبیاء علیہم السلام کے آثار سے تبرک لینا اور ان کی قبور مبارکہ کو عبادت کی جگہ قرار دینا شرک ہے۔

☆ انبیاء علیہم السلام کی قبور پر عمارت کھڑی کرنا بھی شرک کے مترادف ہے۔

☆ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ کی ولادت کے ایام میں محافل برپا کرنا گناہ، بدعت اور حرام ہے۔

☆ غیر اللہ کے ذریعے خدا کے ہاں وسیلہ ڈھونڈنا شرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے شفاعت طلب کرنا شریعت اسلامیہ کے منافی ہے۔

لیکن اس نظریے کے جواب میں درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

الف۔ انبیاء علیہم السلام کے آثار سے تبرک لینا

انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں اور آثار کو باعث تبرک سمجھنے کا جواز تمام کتب احادیث میں مروی ان متواتر روایات سے ثابت ہے جن کے مطابق صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں خود آنحضرت(ص) اور آپ (ص) کے آثار سے تبرک حاصل کیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم گاہے خود اس کا عملی مظاہرہ کرتے تھے اور کبھی لوگوں کو اس کی دعوت دیتے تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی لوگ آپ (ص) کے آثار سے تبرک لیتے رہے۔ یہاں ہم اس سلسلے میں بعض امور کا ذکر کرتے ہیں جن سے اس موقف کو تقویت ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن سے تبرک چاہنا

صحیح بخاری کی کتاب المغازی کے "ما قیل فی لواء النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم" نامی باب میں سہل ابن سعدؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے

جنگ خیبر کے دن فرمایا: "کل میں یہ علم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔ وہ خدا اور رسول(ص) کا محب بھی ہوگا اور محبوب بھی"۔ راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے وہ رات بے چینی سے گزاری اور سوچتے رہے کہ ان میں سے کل کس کو علم عطا ہوگا؟

جب صبح ہوگئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ علم اس کو ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: علیؑ کہاں ہیں؟"

صحابہؓ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول(ص) ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت علی مرتضی(ع) کو بلا لائے۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد والسیر کے الفاظ یہ ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے ان کو بلایا گیا۔ پھر آنحضرت(ص) نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے وہ ایک دم ٹھیک ہوگئے گویا ان کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔[1]

صحیح مسلم میں حضرت سلمہؓ بن اکوع نے ان الفاظ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے:

> میں حضرت علی(ع) کے پاس آیا اور ان کو لے کر آگے آگے چلا کیونکہ اس وقت ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ میں ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچا۔ پس آپ (ص) نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے وہ ٹھیک ہوگئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو علم عطا فرمایا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آب وضو سے حصول تبرک

صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے: میں نے عصر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا۔ آپ(ص) نے لوگوں سے وضو کا پانی مانگا لیکن انہیں نہیں ملا۔ پھر (کہیں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پانی مل گیا تو آپ(ص) نے اس برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور لوگوں کو اس سے وضو کرنے کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ کر نکل رہا ہے، یہاں تک کہ اس پانی سے ان سب نے وضو کر لیا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر ج۳ صفحہ ۳۵ باب دعاء النبی الی الاسلام ج۲ صفحہ ۱۰۷، صحیح مسلم باب فضائل علی بن ابی طالب، سنن ترمذی باب مناقب علی بن ابی طالب

[2] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر ۱۳۳۲ [3] صحیح بخاری باب التماس الوضوء اذا حانت الصلوۃ ج۱ صفحہ ۳۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نخامۂ مبارک سے حصول تبرک

امام بخاری نے صلح حدیبیہ کے بیان میں عروہؓ بن مسعود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اللہ کی قسم جب بھی رسول اللہ (ص) نخامہ تھوکتے تو وہ لوگوں میں سے کسی کی ہتھیلی پر جا پڑتا تھا اور وہ شخص اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا تھا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وضو فرماتے تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کے لئے گتھم گتھا ہو جاتے تھے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک سے حصول تبرک

امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منیٰ کے مقام پر پہنچ کر رمی اور قربانی کے بعد موئے مبارک ترشوائے۔ اس کے بعد آپ (ص) نے وہ بال لوگوں کو دینے شروع کر دیئے۔

ایک اور روایت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بال تراشنے والے کو بلایا۔ اس نے آپ کے بال تراشے۔ آپ (ص) نے وہ بال ابوطلحہؓ کو دے دیئے تو ابوطلحہؓ نے کہا:

میں انہیں لوگوں میں تقسیم کروں گا۔[2]

مسلم نے انسؓ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ بال تراشنے والا آپ (ص) کے بال تراش رہا تھا اور اصحابؓ آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ آ جائے۔[3]

اسد الغابہ میں خالد بن ولید کے بارے میں مرقوم ہے:

ایران اور روم کے ساتھ جنگ میں خالد کا کردار مشہور و معروف رہا ہے۔ اس نے دمشق فتح کیا۔ جس ٹوپی کو پہن کر وہ جنگ کرتا تھا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک بال موجود تھا۔ وہ اس بال کو اپنے لئے باعث نصرت سمجھتا تھا۔ اسی بال کی برکت سے

---

[1] صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ ج۲ صفحہ ۸۲، باب البزاق والمخاط، باب استعمال فضل وضوء الناس، مسند امام احمد ج۴ صفحہ ۳۲۹ طبع مصر

[2] صحیح مسلم باب بیان ان السنۃ یوم النحر حدیث نمبر ۳۲۳، ۳۲۶

[3] صحیح مسلم باب قرب النبیؐ من الناس حدیث نمبر ۱۷۴

وہ ہمیشہ فتح حاصل کرتا رہا۔

خالد بن ولید کے بارے میں ہی اسد الغابہ، الاصابہ اور مستدرک امام حاکم میں ایک اور واقعہ مرقوم ہے جسے ہم مستدرک سے نقل کرتے ہیں: جنگ یرموک کے دن خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہو گئی۔ خالد نے کہا:

اسے ڈھونڈو۔

لیکن وہ ٹوپی نہ ملی۔ اس کے بعد لوگوں نے پھر تلاش شروع کی تو مل گئی۔ یہ ایک پھٹی پرانی ٹوپی تھی۔ اس وقت خالد نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عمرہ کیا اور اپنے بال تراشے۔ لوگ آپ (ص) کے بالوں کی طرف ٹوٹ پڑے۔ میں نے سبقت کرتے ہوئے پیشانی کے بال حاصل کئے اور انہیں اس ٹوپی میں رکھا۔ جب بھی میں ان بالوں کے ہمراہ کسی جنگ میں شرکت کرتا ہوں تو مجھے فتح حاصل ہوتی ہے۔[1]

اس کے علاوہ بخاری نے نقل کیا ہے کہ زوجۂ رسول (ص) حضرت ام سلمہؓ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کچھ موئے مبارک تھے۔ جب کسی انسان کو نظر بد لگ جاتی تو ان (ام سلمہؓ) کے پاس پانی کا ایک کٹورا بھیجتے تھے۔ وہ اس پانی میں بالوں کو ڈبوتی تھیں اور بیمار اس پانی سے اپنا معالجہ کرتا تھا۔[2]

اس کے علاوہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ عبیدہ نے کہا:

اپنے پاس رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک بال رکھنا مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تیر سے طلب برکت

بخاری نے صلح حدیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

[1] المستدرک علی الصحیحین باب مناقب خالد بن ولید ج۳ صفحہ ۲۹۹ طبع دکن، کنز العمال بر حاشیہ مسند امام احمد ج۵ صفحہ ۱۷۸، البدایہ والنہایہ ج۷ صفحہ ۱۱۳ طبع مصر

[2] صحیح بخاری باب ما یذکر فی الشیب ج۴ صفحہ ۲۷

[3] صحیح بخاری باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان ج۱ صفحہ ۳۱، طبقات ابن سعد ج۶ صفحہ ۶۳

اپنی فوج کے ساتھ حدیبیہ کے آخری حصے میں ایسے مقام پر اتر گئے جہاں پانی کم تھا۔ لوگ اس پانی سے بمشکل کام چلاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں لوگوں نے اس پانی کو نکال کر ختم کر دیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ تیر کو اس جگہ رکھیں۔ اللہ کی قسم پانی خوب جوش مار کر نکلتا رہا یہاں تک کہ وہ سب وہاں سے واپس لوٹے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہتھیلی کے نشان سے حصول تبرک

صحابی رسول (ص) حضرت حنظلہؓ کے حالات میں الاصابہ اور مسند احمد میں جو واقعہ منقول ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے: حضرت حنظلہؓ نے کہا کہ میرا دادا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس لے گیا اور عرض کرنے لگا میرے کئی بیٹے ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے ہیں اور بعض چھوٹے۔ یہ ان سب سے چھوٹا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کیجئے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

خدا تجھے برکت دے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حنظلہؓ کے پاس ایسے انسان کو لاتے ہوئے دیکھا جس کا چہرہ سوجا ہوا ہو یا ایسے حیوان کو جس کا تھن سوجا ہوا ہو۔ اس وقت حضرت حنظلہؓ اپنے ہاتھوں پر لعاب دہن ڈال کر کہتے تھے ''بسم اللہ'' پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر کہتے تھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم'' کی ہتھیلی رکھنے کی جگہ کی برکت سے۔

اس کے بعد ہاتھ اس پر پھیرتے تھے تو سوجن فوراً ختم ہو جاتی تھی۔[2] الاصابہ کے الفاظ یہ ہیں:

> وہ بسم اللہ کہہ کر اپنا ہاتھ اپنے سر پر اس جگہ رکھتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہاتھ رکھا تھا وہاں اپنا ہاتھ پھیرتے تھے۔ اس کے بعد سوجن والی جگہ پر ہاتھ پھیرتے جس سے سوجن ختم ہو جاتی تھی۔

۱۔ صحیح بخاری باب الشروط فی الجهاد ج ۲ صفحہ ۲۹، وباب ذکر علامات بعد نزول وحی

۲۔ مسند امام احمد ج ۵ صفحہ ۶۸ طبع مصر

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وجود مبارک سے آپ (ص) کے آس پاس والوں کی طرف برکت اسی طرح پھیلتی تھی جس طرح سورج سے روشنی پھیلتی ہے یا پھول سے خوشبو۔ برکت ہر جگہ آپ (ص) کے ساتھ رہتی تھی، خواہ آپ (ص) کے بچپن کی زندگی ہو یا اس کے بعد والی زندگی، آپ سفر میں ہوں یا حضر میں، رات ہو یا دن، خواہ آپ (ص) جناب حلیمہ سعدیہؓ کے اونی خیمے میں دودھ پی رہے ہوں یا شام کے سفر تجارت میں ہوں، خواہ ہجرت کے دوران ام معبدؓ کے خیمے میں ہوں یا مدینے میں قائد و حاکم کی حیثیت میں ہوں۔ بہر کیف یہاں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ تو آپؐ کی برکات کی صرف ایک جھلک ہے ورنہ۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

کیونکہ ان امور کا مکمل بیان ممکن نہیں ہے۔ علاوہ بریں صاحبان عقل و دل کے لئے مذکورہ مثالیں ہی کافی ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے طلب شفاعت کے مسئلے پر روشنی ڈالیں گے۔ اس کے بعد تمام لوگوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعض امتیازی خصوصیات کے بارے میں امت کے درمیان اختلاف کی وجوہات کا ذکر کریں گے انشاء اللہ۔

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے طلب شفاعت

جو لوگ ہر زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو وسیلہ قرار دینے اور آپ کے ذریعے شفاعت مانگنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ امر آپ (ص) کی خلقت سے پہلے، آپ (ص) کی زندگی کے دوران اور آپؐ کی رحلت کے بعد اللہ تعالیٰ کی مرضی سے واقع ہو چکا ہے بلکہ قیامت کے دن بھی واقع ہوگا۔ یہاں اس سلسلے میں بعض دلیلوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

ا۔ خلقت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قبل آپ (ص) سے توسل

حاکم نے مستدرک میں اور اسی طرح بعض دوسرے محدثین نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے ترکِ اولیٰ ہوا تو انہوں نے کہا:

یا رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی

یعنی اے اللہ تجھے محمدؐ کا واسطہ مجھے بخش دے۔

خدا نے پوچھا:

اے آدمؑ! تو نے محمدؐ کو کیسے پہچانا جب کہ میں نے ابھی اسے خلق نہیں کیا۔ حضرت آدمؑ نے کہا: اے میرے رب جب تو نے مجھے اپنے ہاتھوں سے خلق کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا۔ تب میں نے عرش کے ستونوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا:

لا اله الا الله محمد رسول الله۔

پس میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ شامل نہیں کیا مگر اپنے محبوب ترین مخلوق کو۔

یہ سن کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اے آدم تو نے سچ کہا ہے۔ بیشک وہ میرے نزدیک مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اب جب تو نے اس کے حق کا واسطہ دے کر مجھ سے سوال کیا ہے تو میں تجھے بخش دیتا ہوں۔ اگر محمد(ص) نہ ہوتا تو میں تجھے خلق ہی نہ کرتا۔

طبرانی نے اس روایت کونقل کرنے کے بعد اس جملے کا اضافہ کیا ہے:

وہ تیری ذریت میں سب سے آخری نبی ہوگا"۔[1]

محدثین اور مفسرین نے قرآن کریم کی آیت مبارکہ

وَلَمَّا جَآئَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآئَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔

کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ جب مدینہ اور خیبر کے یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اپنے قرب و جوار میں موجود اوس و خزرج کے مشرکین اور دیگر لوگوں سے جنگ کرتے تھے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر دشمن پر فتح ونصرت کی دعا کرتے تھے کیونکہ وہ آسمانی کتاب "توراۃ" میں آپ(ص) کا ذکر دیکھتے تھے۔ چنانچہ وہ دشمنوں کے خلاف دعا کرتے ہوئے کہتے تھے:

اللهم انا نستنصرك بحق النبی الامی الانصرتنا علیهم۔

---

[1] مستدرک امام حاکم ج۲ صفحہ ۶۱۵، مجمع الزوائد ج۸ صفحہ ۲۵۳، نور الدین ہیثمی نے اسے طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے

اے خدا ہم نبی امی(ص) کا واسطہ دے کر دشمنوں کے مقابلے میں تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

یا یوں کہتے تھے:

اللهم ربنا انصرنا علیهم باسم نبیك۔

اے اللہ اے ہمارے رب اپنے نبی(ص) کے نام کا واسطہ ہمیں ان پر فتح دے۔

اس دعا کے نتیجے میں ان کو نصرت حاصل ہوتی تھی لیکن جب ان کے پاس خدا کی کتاب یعنی قرآن مجید، ان کے ہاں موجود کتاب یعنی تورات و انجیل کی تصدیق کے ساتھ آئی اور وہ شخص جسے وہ جانتے تھے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آئے اور انہیں اس میں کوئی شبہ بھی نہ رہا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کر دیا کیونکہ آپؐ کا تعلق نبی اسرائیل سے نہ تھا۔[1]

۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ(ص) سے توسل

احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمانؓ بن حنیف سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جو آنکھوں سے معذور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا:

میرے لئے عافیت کی دعا کیجئے۔

فرمایا:

اگر تم چاہتے ہو تو دعا کروں لیکن صبر کرو تو بہتر ہوگا۔

وہ بولا:

اللہ سے دعا کیجئے آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھے طریقے سے وضو کرے اور یہ دعا پڑھے:

اللهم انی اسئلك و اتوجه بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بك الیٰ ربی فی حاجتی لیقضی لی اللهم شفعه فیّ۔

خدایا میں تیرے نبی(ص) جو نبی رحمت ہیں کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں تیرا واسطہ دے کر اپنے

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی صفحہ ۳۴۳، ۳۴۵، تفسیر ابن جریر طبری زیر آیہ نمبر ۸۹ از سورۃ بقرۃ ج ا صفحہ ۳۳۳، مستدرک امام حاکم ج ۴ صفحہ ۲۶۳۔

رب سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں تاکہ وہ پوری ہو۔ اے اللہ انہیں میرا شفیع قرار دے۔[1]

اس روایت کو بیہقی اور ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ (ص) سے توسل

طبرانی نے اپنی کتاب معجم الکبیر میں حضرت عثمانؓ بن حنیف سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کسی حاجت کے تحت حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس آتا رہتا تھا لیکن حضرت عثمان اس کی طرف توجہ نہ دیتے تھے اور نہ ہی اس کی حاجت پوری کرتے تھے۔ چنانچہ اس شخص نے ابن حنیف سے اس امر کی شکایت کی تو جناب عثمانؓ بن حنیف نے کہا:

وضو کی جگہ پر جا کر وضو کرو پھر مسجد میں داخل ہو کر صرف دو رکعت نماز ادا کرو اس کے بعد کہو:

اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبينا محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الیٰ ربی فتقضیٰ حاجتی۔

بعد ازاں اپنی حاجت بیان کیجئے۔

وہ شخص یہ سن کر چلا گیا اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان کے دروازے پر آیا تو ان کا دربان اسے ہاتھ سے پکڑ کر عثمانؓ کے پاس لے گیا۔ انہوں نے اسے اپنے پاس چٹائی پر بٹھایا اور کہا:

تیری حاجت کیا ہے؟

اس نے اپنی حاجت بیان کی اور عثمان نے وہ حاجت پوری کر دی اور کہا:

تیری حاجت مجھے بالکل یاد نہیں رہی اور ابھی یاد آ گئی ہے۔

پھر کہا:

تیری جو بھی حاجت ہو وہ بیان کرو۔[2]

---

[1] مسند امام احمد ج۴ صفحہ ۱۳۸، سنن ترمذی کتاب الدعوات صفحہ ۸۰، ۸۱، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ حدیث نمبر ۱۳۸۵ صفحہ ۴۴۱، تحقیق النصرۃ صفحہ ۱۱۴ طبع مصر

[2] تحقیق النصرۃ صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵ طبع مصر نقل از طبرانی

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے طلب شفاعت

صحیح بخاری میں مرقوم ہے کہ جب خشک سالی ہوتی تو عمرؓ بن خطاب حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کا واسطہ دے کر بارش کی دعا کرتے تھے۔ وہ دعا یوں کیا کرتے تھے:

اے اللہ ہم تجھ سے ہمارے نبی (ص) کا واسطہ دے کر طلب باران کرتے تھے اور تو ہمیں بارش سے سیراب کرتا تھا۔ اب ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباسؓ کا واسطہ دے کر بارش طلب کرتے ہیں پس ہمیں سیراب کر دے۔

پس ان کے لئے بارش کا نزول ہوتا تھا۔[1] عباسؓ کے ذریعے طلب باران کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہ تھی۔

اس قدر احادیث کی موجودگی میں انبیاء علیہم السلام خاص کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ صفات جلیلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا شدہ فضائل سے تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کو برتری حاصل ہے لہٰذا مسلمانوں میں اس بابت کسی قسم کا اختلاف باقی نہیں رہنا چاہیے۔

اب ہم یہاں خاتم الانبیاء حضور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں اختلاف کے بعض عوامل کا تذکرہ کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

انبیاءؑ و صالحینؒ کی یاد میں محافل منعقد کرنا

الف ۔ مقام ابراہیم (ع)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۔[1]

کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔

یہاں صحیح بخاری کی ایک روایت کا خلاصہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:

جب ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے تو اسماعیل(ع) نے پتھر لانا شروع کیا اور حضرت ابراہیم(ع) پتھروں سے دیوار بنا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو وہ یہ پتھر لے آئے اور اسے زمین پر رکھا۔ پھر ابراہیمؑ اس پر کھڑے ہو کر دیوار بنانے لگے جبکہ اسماعیلؑ ان کو پتھر تھما رہے تھے۔

اس کے بعد روایت کا حصہ کچھ اس طرح ہے:

یہاں تک کہ عمارت بلند ہوگئی اور سن رسیدہ نبی حضرت ابراہیم (ع) پتھروں کو حرکت دینے سے عاجز آ گئے۔ پس وہ اس مقام (مقام ابراہیم(س)) والے پتھر پر کھڑے ہو گئے اور اسماعیل (ع) نے پتھر تھمانا شروع کیا۔[2]

خدا نے واضح طور پر لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ بیت الحرام میں حضرت ابراہیم (س) کے قدموں کی جگہ کو متبرک سمجھیں اور اسے نماز کی جگہ قرار دیں تا کہ ابراہیم (س) کی یاد ہمیشہ زندہ و جاوداں رہے۔ اس میں شرک باللہ کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۵

[2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی ج۲ صفحہ ۱۵۸،۱۵۹

ب ۔ صفا اور مروہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا[1]

صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کریں اس کے لئے ان دونوں کا چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

بخاری کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے:

جب حضرت ابراہیمؑ نے حاجرہؑ کو اسماعیل کے ساتھ مکہ میں چھوڑ دیا اور پانی ختم ہو گیا جس کی وجہ سے وہ پیاسی ہوگئیں اور ان کا بیٹا بھی پیاس کی وجہ سے پیچ و تاب کھانے لگا تو وہ اپنے بچے کو اس حال میں نہ دیکھ سکیں اس لئے کوہ صفا کی طرف تشریف لے گئیں اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھا کہ آیا کوئی نظر آتا ہے یا نہیں، لیکن انہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ پس وہ کوہ سے نیچے تشریف لے آئیں۔ جب وادی میں پہنچیں تو ایک تھکے ماندے انسان کی طرح دوڑیں یہاں تک کہ وہ وادی کو عبور کر گئیں پھر مروہ (کی پہاڑی) پر چلی گئیں اور اس پر کھڑی ہوگئیں اور دیکھا کہ کوئی نظر آتا ہے یا نہیں؟ لیکن انہیں کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ یوں وہ سات مرتبہ اس کے اوپر چڑھیں اور نیچے اتریں۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لوگوں کے ان دونوں (صفاو مروہ) کے پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کی وجہ یہی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کو حج کی رسومات میں داخل کیا تا کہ ان دونوں کے درمیان حاجرہؑ کی دوڑ کی یاد تازہ اور زندہ رہے۔ جس وادی کے درمیان جناب حاجرہؑ ایک مجبور انسان کی طرح تیز تیز چلی تھیں اس وادی میں (حاجیوں کے لئے) تیز قدموں کے ساتھ چلنے

---

[1] البقرۃ:۱۵۸

[2] صحیح بخاری باب یزفون النسلان فی المشی ج۳ صفحہ ۱۵۸، معجم البلدان مادۃ زمزم۔

کا استحباب دراصل جناب حاجرۃؑ کی دوڑ کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے ہے۔ لہذا ان سب احکام کا شمار شعائر اللہ میں ہوتا ہے۔

ج۔ رمی جمرات

احمد بن حنبل اور محدث طیالسی نے اپنی اپنی مسندوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ(ص) نے فرمایا:

> جبرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے کر جمرہ عقبہ کے پاس گئے۔ وہاں ان کا شیطان سے سامنا ہوا۔ جناب ابراہیمؑ نے شیطان کو سات کنکریاں ماریں تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر جمرہ وسطیٰ کے پاس تشریف لے آئے تو شیطان آڑے آیا۔ پس آپ نے شیطان پر سات کنکریاں ماریں تو شیطان دوبارہ دھنس گیا۔ اس کے بعد آخری جمرہ کے پاس آئے تو شیطان پھر آڑے آیا۔ آپؑ نے پھر سات کنکریاں ماریں تو شیطان دھنس گیا۔[1]

یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیم(س) کی سے طرف شیطان کو کنکریاں مارنے کی یادتازہ رکھنے کے لئے اجتماعی محفل برپا کرنے کو حج کے مناسک میں داخل کیا ہے۔

د۔ قربانی

اللہ تعالیٰ اپنے نبی جناب ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے واقعہ کے بارے میں فرماتا ہے:

> فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ٥ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىْ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ٥ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ٥ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ٥ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ٥ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ٥[2]

چنانچہ ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی، پھر جب وہ ان

[1] مسند امام احمد ج ۱ صفحہ ۳۰۶ طبع مصر، مسند طیالسی حدیث نمبر ۲۶۹۷ طبع حیدر آباد دکن، معجم البلدان مادہ الکعبۃ طبع بیروت
[2] سورۃ صافات ۔ آیت ۱۰۱ تا ۱۰۷

کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا تو کہا: اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس دیکھ لو، تمہاری کیا رائے ہے، اس نے کہا: اے ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اسے انجام دیں اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، پس جب دونوں نے (حکم خدا کو) تسلیم کیا اور اسے ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندا دی: اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں، یقیناً یہ ایک نمایاں امتحان تھا اور ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا۔

یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں جناب اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور اللہ کی طرف سے اسماعیلؑ کے بدلے بہشتی دنبے کی ترسیل کی یاد زندہ رکھنے اور اس سلسلے میں عوامی اجتماع برپا کرنے کو مراسم حج کا اہم حصہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حاجیوں کو سنت ابراہیمی پر چلتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حضرت ابراہیمؑ کے کردار کی یاد مناتے ہوئے منیٰ میں قربانی دینے اور محفل بپا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مقام ابراہیمؑ میں ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کی برکت آپ کی قدم گاہ میں سرایت کر گئی۔ لہذا خدا نے بیت الحرام کے اندر اسے نماز کی جگہ قرار دینے کا حکم دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ان کی یاد زندہ رکھنے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

حضرت آدمؑ سے برکت کا پھیلاؤ اور ان کی یاد میں عوامی اجتماع

ذیل میں ہم ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی برکتوں کا ذکر اپنے قارئین کے گوش گزار کرتے ہیں:

بعض روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ نویں (۹) ذی الحجہ کو عرفات میں قبول کی تھی۔ پھر غروب کے وقت جبرائیل ان کو مشعر الحرام لے گئے۔ دسویں کی رات وہیں خدا کے حضور دعا کرتے اور قبول توبہ پر شکر ادا کرتے ہوئے گزار دی۔ وہاں سے صبح کے وقت منیٰ گئے۔ اور وہاں دسویں کے دن گناہوں سے نجات اور قبول توبہ کی علامت کے طور پر اپنا سر تراشا۔ پس خدا نے اس دن کو آدمؑ اور ان کی اولاد کے لئے عید قرار دیا۔ آدمؑ کی اولاد کے لئے آدمؑ کے سارے اقدامات کو تا ابد مناسک حج میں داخل کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے عرفات میں نویں

کے دن عصر کے وقت ان کی توبہ قبول کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ رات کو اولادِ آدمؑ مشعر الحرام میں خدا کو یاد کرتی ہے۔ دسویں کے دن منیٰ میں سر منڈاتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور جناب حاجرہ کے افعال کو بھی مناسک حج کا حصہ بنایا۔ یوں لوگوں کے لئے مراسم حج کی تکمیل ہوئی۔ بنابریں حج کے سارے اعمال خدا کے مذکورہ نیک بندوں سے منسوب اوقات اور مقامات سے حصول تبرک کا نام ہے اور یہ سارے مناسک طلوع قیامت تک ان کی یاد میں منائی جانے والی تقریبات ہیں۔

مکان میں مکین کی نحوست کی تاثیر

ذیل میں ہم مکین کی طرف سے مکان میں نحوست کی سرایت کو ثابت کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک والے سال لوگوں کے ساتھ قوم ثمود کے گھروں کے پاس پتھریلی زمین میں اترے۔ لوگوں نے ان کنوؤں سے پانی لیا جن سے ثمود پانی لیتے تھے۔ انہوں نے اس سے آٹا گوندھا اور گوشت کی دیگیں چڑھائیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر انہوں نے دیگوں کو انڈیل دیا اور گوندھا ہوا آٹا اپنے اونٹوں کو کھلا دیا۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان لوگوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑے، یہاں تک کہ اس کنوئیں پر پہنچے جس سے (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیتی تھی۔ آپ(ص) نے صحابہ کرام کو اس قوم کے پاس جانے سے منع کیا جس پر عذاب نازل ہوا تھا۔ فرمایا: مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارے اوپر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جو ان پر ہوا تھا۔ پس ان کے ہاں نہ جاؤ۔[1]

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا
مگر یہ کہ تم روتے ہوئے داخل ہو جاؤ اس بات کے خوف سے کہ
کہیں تم بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

اس کے بعد آپ (ص) نے لوگوں کو ڈرا کر وہاں سے روانہ کیا یہاں تک کہ وہاں سے دور ہو گئے۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] صحیح مسلم باب لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم حدیث نمبر ۴۰، مسند امام احمد ج ۲ صفحہ ۱۱۷، صحیح بخاری باب نزول النبیؐ

پھر آپ(ص) نے اپنا سر کپڑے سے ڈھانپا اور جلدی چل پڑے یہاں تک کہ وادی سے گزر گئے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ ہے:

آپ نے سواری کے اوپر اپنی چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔[1]

جگہ کی نحوست اور برکت کی علت

ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ قوم ثمود کے علاقے اور ان کے کنوؤں میں نحوست کہاں سے آکر سرایت کر گئی؟ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ قوم ثمود کی نحوست ان کی بستی اور کنوؤں میں سرایت کر گئی تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد تک یہ نحوست باقی رہی اور پتہ نہیں کب تک باقی رہے گی۔

نیز ناقۂ صالح علیہ السلام والے کنوئیں کو فضیلت کہاں سے حاصل ہوئی؟ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اس سے پانی پیتی تھی اور اس کی فضیلت اس میں سرایت کر گئی۔ پھر یہ اثر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد تک باقی رہا اور پتہ نہیں کب تک باقی رہے گا۔ ناقۂ صالحؑ اور اس کے کنوئیں کا مقام، خدائے متعال کے نزدیک اسماعیلؑ، اور ان کے کنوئیں زمزم سے زیادہ بلند نہیں ہے۔ بنابریں خداوند عالم نے اسماعیلؑ کی برکت سے زمزم کو بھی تا ابد بابرکت بنا دیا ہے۔

جمعۃ المبارک کے دن کی برکت

خدا کے نیک بندوں کو خدا کی طرف سے عطا شدہ برکت کا کسی خاص وقت میں سرایت کر جانے کی مثال بھی اسی طرح ہے۔ مثال کے طور پر روز جمعہ کی برکت۔

صحیح مسلم میں مروی ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ کے دن خلق کیا اور اسے جمعہ کے دن ہی جنت میں داخل کیا۔[2]

یہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نیک بندوں پر نازل ہونے والی برکتوں کی بدولت ہیں۔ خداوند متعال جمعہ کی برکت کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھے۔

---

[1] مسند الامام احمد ج ۲ صفحہ ۶۶ [2] صحیح مسلم فضل الجمعۃ حدیث نمبر ۱۷، ۱۸

ماہ رمضان کے بابرکت ہونے کی بھی یہی وجہ ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ۔[1]

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ۔ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ۔ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ[2]

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔ اور آپ کیا جانیں کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

بنا بریں لیلہ القدر (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر قرآن نازل ہوا) کی برکت پورے ماہ رمضان میں سرایت کرگئی۔ اس رات کے بعد سے یہ مہینہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بابرکت بن گیا ہے۔

اب جب ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ خدا کے برگزیدہ بندوں کی یاد منانے کے لئے لوگوں کا جمع ہونا ایک پسندیدہ امر ہے تو یہاں اس بات کی بھی وضاحت کرتے چلیں کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی یاد منانے کے لئے جمع ہونے کا مقصد ہمارے نزدیک کچھ یوں ہے کہ (بطور مثال) فخر موجودات سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت باسعادت اور آپ (ص) کی سیرت پاک شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے بیان کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں لوگوں کو کھانا کھلایا جائے اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بطور ہدیہ پیش کیا جائے اور ان بدعتوں سے اجتناب کیا جائے جو بعض صوفیوں کی اختراع ہیں۔

آئندہ سطور میں ہم قبروں پر عمارتیں بنانے اور ان کو عبادت کی جگہ قرار دینے کے مسئلے کی طرف ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔

-----☆------

---

[1] سورۃ بقرہ آیت ۱۸۵

[2] سورۃ القدر آیت ۱ تا ۳

انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر عمارت بنانے اور ان کو عبادت کی جگہ قرار دینے سے متعلق بحث

انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے اوپر تعمیرات کے بارے میں اصل حقائق ہدیہ ناظرین کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ چند روایات کی روشنی میں اس مسئلے کا حل پیش خدمت ہے جن میں سب سے اہم یہ ہیں:

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

تم میں سے کون ہے جو مدینہ جائے اور وہاں کسی بت کو بغیر توڑے نہ چھوڑے کسی قبر کو ہموار کئے بغیر نہ چھوڑے اور کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑے؟

ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔

پس وہ گیا لیکن وہ شخص اہل مدینہ سے ڈر کر حضور (ص) کے پاس واپس آگیا۔ اس کے بعد حضرت علی (ع) نے عرض کیا:

اے رسول خدا مجھے اجازت دیجئے میں جاتا ہوں۔

فرمایا: جاؤ۔

پس علیؑ چلے گئے۔ پھر واپس آئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! میں نے کسی بت کو توڑے بغیر نہیں چھوڑا، کسی قبر کو ہموار کئے بغیر نہیں چھوڑا اور کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہیں چھوڑا۔

احادیث کی کتب میں اس حدیث کا بار بار تذکرہ ہوا ہے۔[1] ہم نے یہاں الفاظ کے لحاظ سے سب سے کامل روایت کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

---

[1] مسند امام احمد ج ۱ صفحہ ۸۷، ۸۹، ۹۶، ۱۱، ۱۱۱، ۱۲۸، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۵، ۱۵۰، مسند الطیالسی حدیث نمبر ۹۶ صفحہ ۱۵۵ طبع دکن۔

درج بالا حدیث پر تبصرہ

ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی۔ وہاں خود بھی روئے اور اردگرد موجود افراد کو بھی رُلایا۔ آپ کی والدہ کا انتقال مدینہ منورہ میں اس وقت ہوا جب آپ کا سن مبارک چھ سال تھا۔ بنا بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ بعد اپنی والدہ کی قبر مبارک کی زیارت سے اس وقت مشرف ہوئے جب آپ نے مدینہ کو ہجرت کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی والدہ کی قبر کا نشان اس وقت واضح تھا وگرنہ ان کی قبر کا پتہ ہی نہ چلتا۔

اگر اسلام قبروں کو ہموار کرنے کا حکم دیتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت اپنی ماں کی قبر ڈھانے کا حکم کیوں نہیں دیا؟

ثانیاً: یہ کہ جب مدینہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے پہل مصعب بن عمیر کو ان کے ہاں بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی وہ تعلیمات سکھائے جو اس وقت تک نازل ہوئی تھیں۔ پھر جب وہ حج کے لئے آئے تو وہاں کے مسلمان عقبہ کے مقام پر آئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت چھپ کر کی۔ آپ کی ہجرت تک ان کے درمیان اسلام اچھی طرح نہیں پھیلا تھا۔ آپ کی ہجرت سے کم از کم تین دن بعد حضرت علیؑ بھی مدینہ چلے آئے۔ اس کے بعد مدینہ میں آپ کے ورود کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔

بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ کے یہودیوں سے معاہدے کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتدریج مدینہ میں اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کرتے گئے اور تمام اہل مدینہ تدریجاً دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بنا بریں آپ نے ایک ایسے حاکم کی طرح جس کے کسی امر کی حکم عدولی ممکن نہ ہو حضرت علی مرتضٰی (ع) کو تشییع جنازہ کے دوران بتوں کو توڑنے، قبروں کو ہموار کرنے اور تصاویر کو مٹانے کے لئے مدینہ جانے کا حکم کب دیا؟ اس کے علاوہ اس روایت کے مضمون کے مطابق تشییع جنازہ کے دوران پہلا شخص مدینہ گیا اور ناکام واپس آیا۔ پھر آپ نے حضرت علی (ع) کو بھیجا جبکہ لوگ ابھی تشییع جنازہ میں مشغول تھے۔ اب آپ فرمائیے کہ مذکورہ بالا زیر بحث روایت کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے؟

ثالثاً: باقی ماندہ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علیؑ نے ابو الھیاج اسدی سے فرمایا:

میں تجھے اس کام کے لئے روانہ کرتا ہوں جس کام کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ آپ (ص) نے مجھے ہر قبر کو ہموار

کرنے اور ہر بت کو نابود کرنے کا حکم دیا ہے۔[1]

ظاہر ہے کہ امام کا ابو الہیاج اسدی کو مذکورہ کام کے لئے بھیجنا آپ کے دور خلافت میں ہی ہو سکتا ہے۔ بنا بریں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضٰی (ع) نے ابو الھیاج اسدی کو کب روانہ کیا؟ کیا اسلامی فتوحات اور ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ کے دور کے بعد اپنے زمانہ ٔخلافت میں یا اس سے پہلے؟ آپ نے ابو الھیاج کو کس علاقے کی طرف بھیجا؟

یاد رہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام نے بلاد شرک میں مشرکین کی قبروں کو مٹانے کا حکم دیا تھا نہ کہ مسلمانوں کی قبروں کو منہدم کرنے کا۔

بعض لوگ اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ رسول کریم (ص) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (ص) نے فرمایا:

خدایا میری قبر کو بت قرار نہ دے۔ خدا کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد قرار دیتے ہیں۔[2]

ایک دوسری روایت میں آپ (ص) نے انبیاء کی قبور کو مساجد قرار دینے والوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

خدا یہودیوں کو ہلاک کرے جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد قرار دیا۔[3]

اس حدیث پر تبصرہ

جب بنی اسرائیل مصر سے کوچ کر گئے اور انہوں نے سمندر پار کر لیا پھر چٹیل میدان سے گزر کر فلسطین پہنچ گئے تو ان کو عبادت کے لئے بیت المقدس مل گیا۔ ان کے لئے بیت المقدس کے علاوہ عبادت کی اور کوئی جگہ نہ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو برسر اقتدار بھی تھے کے دور میں ان کے لئے ایک دربار بنایا گیا جسے ہیکل سلیمانی اکا نام دیا جاتا ہے۔ پس اس وقت انبیاء کی قبریں ہی کہاں تھیں جنہیں وہ مساجد قرار دیتے۔ نیز بیت المقدس اور فلسطین مسلمانوں کے زیر نظر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے قبل عربوں کے زیر نظر تھے۔ ان کے باقی ابنیاء میں

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مسند امام احمد ج ۱ صفحہ ۸۹، ۹۶

[2] مسند الامام احمد ج ۲ صفحہ ۲۴۶

[3] مسند الامام احمد ج ۲ صفحہ ۲۸۵

حضرت ابراہیم خلیل اللہ، اور موسیٰ بن عمران کی قبریں باقی رہتی ہیں جن کے بارے میں نہ ہم نے دیکھا ہے نہ سنا ہے اور نہ ہی کسی کتاب میں مذکور ہے کہ یہودیوں نے ان دونوں کو بت قرار دیا ہو اور اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ انہوں نے کسی قبر کو بت قرار دیا تھا تو قبر کا احترام اور قبر کی زیارت کا اس سے کیا تعلق؟ کیونکہ قبر کو بت قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کعبے کی جانب نماز پڑھتے ہیں اسی طرح اس قبر کی طرف رخ کیا جائے۔ بنا بریں این کجا و آن کجا؟

جو کچھ ہم اب تک بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بیان کریں گے ان میں ہمارا شک اور اعتراض نعوذ باللہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ جھگڑا ان احادیث کے راویوں میں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سہو ونسیان اور غلطی سے مبرا قرار نہیں دیا۔

قبور انبیاء علیہم السلام کو عبادت کی جگہ بنانے کے جواز میں دلائل

جو لوگ قبور انبیاء علیہم السلام کو عبادت کی جگہ قرار دینے کو جائز سمجھتے ہیں وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کعبہ کے اردگرد طواف کرنے والے حجر اسماعیل (ع) کے اردگرد طواف کرتے ہیں اور اس کی دیواروں کو چھوتے ہیں جبکہ اس میں حضرت اسماعیل (ع) اور جناب ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی قبریں ہیں چنانچہ ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے:

جب اسماعیل (ع) بیس سال کے ہوئے تو ان کی والدہ جناب ہاجرہؑ نوے سال کی عمر میں رحلت کر گئیں۔ پس اسماعیلؑ نے ہاجرہؑ کو حجر میں دفن کیا۔ جب اسماعیلؑ اپنے والد کے بعد وفات پا گئے تو کعبے کے پہلو میں حجر میں اپنی والدہ کے ساتھ دفن ہوئے۔ اس کے بعد ایک اور روایت مرقوم ہے کہ اسماعیلؑ کی قبر مبارک پر نالے کے نیچے رکن اور بیت کے درمیان واقع ہے۔[1]

ابو بکر الفقیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا:

اپنی قوم سے بھاگنے والا ہر نبی کعبے کی طرف بھاگتا تھا اور اس میں تا دم مرگ عبادت کرتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ھود (ع)، شعیب (ع) اور صالح (ع) پیغمبر کی قبریں زمزم اور مقام کے درمیان واقع ہیں۔

---

1. طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۲۵ طبع اوربا

کعبہ میں تین سو انبیاء علیہم السلام کی قبریں موجود ہیں اور رکن یمانی اور رکن سعود کے درمیان ستر انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔[1]

بہت سے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔[2]

کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی جو اصحاب کہف کے بارے میں ہے اس سلسلے کی ایک زبردست دلیل ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۔[3]

جنہوں نے ان کے بارے میں غلبہ حاصل کیا وہ کہنے لگے: ہم ان کے غار پر ضرور ایک مسجد بناتے ہیں۔

بنا بریں قبروں کی تعمیر کے بارے میں "احادیث کا اختلاف" بلکہ بالفاظ مناسب یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ "احادیث کو سمجھنے میں اختلاف" دراصل اس مسئلے کا سبب بنا ہے۔

اس کے بعد اب ہم میت پر رونے کے بارے میں اختلاف نظر اور اس کی علت پر روشنی ڈالیں گے۔

-----☆-----

---

1. مختصر کتاب البلدان تالیف ابو بکر احمد بن الفقیہ الھمدانی صفحہ ۱۷ طبع لیدن۔
2. سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۵
3. سورۃ کہف آیت ۲۱

میت پر گریہ کرنے میں اختلاف اور اس کی وجہ

میت اور بالخصوص شہداء پر گریہ و بکاء کرنا سنت رسول(ص) ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیدؓ، جعفرؓ اور ابن رواحہؓ کی شہادت کی خبر لوگوں تک پہنچنے سے پہلے ان کی موت کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ نے فرمایا:

زیدؓ نے پرچم اسلام اٹھایا اور شہید ہو گئے پھر جعفرؓ نے پرچم اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ابن رواحہ نے اٹھایا اور وہ بھی مارے گئے۔ اس وقت آپ(ص) کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔[1]

کتب معاجم صحابہ یعنی استیعاب، اسدالغابہ اور الاصابہ میں حضرت جعفرؓ کے حالات کے بارے میں اور کتب تاریخ میں سے تاریخ طبری وغیرہ میں جنگ موتہ تک کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

جب جعفرؓ اور ان کے ساتھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے اور جعفرؓ کے بیٹوں کو جمع کیا اور ان کو دیکھتے ہی آپ(ص) کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی زوجہ اسماءؓ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! میرے والدین آپ(ص) پر فدا ہوں، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ(ص) کو جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر پہنچی ہے؟

فرمایا:

ہاں آج وہ شہید ہو گئے ہیں۔

جناب اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ میں چلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور عورتوں کو جمع کرنے لگی۔ پھر میں حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے پاس گئی تو وہ رو رو کر کہہ رہی تھیں:

ہائے میرے چچا!

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب خالد بن الولید ج ۲ صفحہ ۲۰۴ طبع عیسٰی البابی الحلبی مصر

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علیٰ مثل جعفر فلتبك البواكی

رونے والیوں کو جعفرؓ جیسے انسان پر رونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریہ اپنے بیٹے ابراہیم پر

حضرت انس بن مالک نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے، جبکہ ابراہیم کی روح نکل رہی تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ دیکھ کر عبد الرحمانؓ بن عوف نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بھی روتے ہیں؟

فرمایا:

اے عوف کے بیٹے! یہ رحمت ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جملے کا اضافہ کیا اور ارشاد فرمایا:

آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل حزن و غم کرتا ہے۔ لیکن ہم صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیرے فراق سے رنجیدہ خاطر اور غم وحزن میں ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے: پس آپ(ص) ابراہیم کے اوپر جھک گئے اور روئے۔[1]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چچا حضرت حمزہؓ پر رونے کی دعوت دینا

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احد کے بعد انصار کے گھروں سے اپنے مقتولین پر رونے کی آوازیں سنیں تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ(ص) روئے اور فرمانے لگے:

حمزہؓ پر کوئی رونے والا نہیں ہے؟

---

[1] صحیح بخاری، باب قول النبیؐ انا بك لمحزونون ج ۱ صفحہ ۱۵۸، صحیح مسلم باب رحمته بالصبیان و العیال حدیث نمبر ۶۲، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النظر الی المیت ج ۱ صفحہ ۴۷۳ حدیث نمبر ۱۴۷۵، طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۸۸، مسند امام احمد ج ۳ صفحہ ۱۹۴ طبع مصر

حضرت سعدؓ نے جب یہ بات سنی تو وہ بنی عبد الاشھل کی عورتوں کے پاس آئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر لے گئے۔ پس وہ عورتیں حضرت حمزہؓ پر روئیں۔ جب آپ(ص) نے ان کی آواز سنی تو ان کے لئے دعا فرمائی[1] پھر انہیں واپس لوٹا دیا۔ اس دن کے بعد سے اب تک انصار کی کوئی عورت کسی میت پر نہیں روتی تھیں مگر یہ کہ پہلے حمزہؓ پر روتی ہیں پھر اپنے میت پر۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر روئے اور آپ نے اردگرد موجود لوگوں کو بھی رلایا

آپ نے اپنی ماں کی قبر مبارک کی زیارت کی بعد ازاں آپ(ص) روئے اور وہاں موجود لوگوں کو بھی رلایا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصیبت زدہ لوگوں کو کھانا بھیجنے کا حکم دیا۔

جب جناب جعفرؓ کی موت کی خبر آئی تو آپ نے فرمایا:

جعفرؓ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ وہ مصیبت زدہ ہیں۔[4]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میت کی موت پر سیاہ لباس پہننے کی حد معین کی ہے۔

پیغمبر السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ آپ(ص) نے عورت کے لئے شوہر کے علاوہ دوسروں کی موت پر سیاہ لباس پہننے کی حد تین دن مقرر کی ہے اور شوہر کی موت پر چار ماہ دس دن۔ جیسا کہ قرآن میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۴ میں فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی عورتوں کے لئے جو دعا فرمائی تھی شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف "مدارج النبوۃ" میں ان عربی الفاظ میں نقل کی ہے۔
رضي الله عنكن و عن اولاد كن و عن اولاد اولاد كن۔ "اے میرے چچا شہید پر ماتم کرنے والی انصار مدینہ کی عورتو! اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو، تمہاری اولاد کی اولاد سے بھی راضی ہو" (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۱۸۲ طبع کانپور)

[2] طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۱۱، امتاع الاسماع ج ۱ صفحہ ۱۶۳، مسند امام احمد ج ۲ صفحہ ۴۰

[3] سنن نسائی باب زیارۃ قبر المشرک ج ۱ صفحہ ۲۶۷، سنن ابی داؤد باب زیارۃ القبور ج ۳ صفحہ ۲۱۸ حدیث نمبر ۳۲۳۴، سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی زیارۃ قبور المشرکین ج ۱ صفحہ ۵۰۱ حدیث نمبر ۱۵۷۲۔

[4] سنن ابن ماجہ باب ما جاء في الطعام يبعث الى اهل البيت ج ۱ صفحہ ۵۱۴ حدیث نمبر ۱۶۱۰، ۱۶۱۱۔ سنن ترمذی ج ۴ صفحہ ۲۱۹ باب ما جاء فی الطعام، امام ترمذی اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں ہذا حدیث صحیح۔ سنن ابی داؤد باب صنعة الطعام لاهل الميت ج ۳ صفحہ ۱۹۵ حدیث نمبر ۳۱۳۲، مسند امام احمد ج ۱ صفحہ ۲۰۵، ج ۶ صفحہ ۳۷۰

اور تم میں جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔[1]

میت پر رونے میں اصل وجہ اختلاف

گزشتہ سطور میں ہم دلائل کے ساتھ تحریر کر چکے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرنے سے قبل اور مرنے کے بعد گریہ کیا خاص کر شہید پر، اور شہید پر رونے کا حکم بھی دیا ہے۔ علاوہ اس کے آپ(ص) اپنی ماں کی قبر پر روئے اور آپ نے اردگرد کے لوگوں کو بھی رلایا۔ میت کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنے کا بھی حکم دیا اور عورت کے لئے شوہر کے علاوہ دیگر مرنے والوں کے سوگ میں سیاہ کپڑا پہننے کی حد معین کی۔ بنا بریں میت پر رونا اس کے سوگ میں سیاہ لباس پہننا اور اس کے خاندان کے لئے کھانا تیار کرنا سنت رسول(ص) میں داخل ہیں۔ پھر اس مسئلے میں اختلاف اور میت پر رونے سے منع کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اگر ہم صحیح بخاری اور مسلم کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ رونے سے منع کرنے والی روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے سے منع کیا ہے لیکن ام المومنین عائشہؓ اس روایت کو غلط ٹھہرا رہی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صہیب روتے ہوئے داخل ہوئے اور کہنے لگے: ہائے میرا بھائی! ہائے میرا ساتھی!۔ پس حضرت عمر نے کہا: اے صہیب! کیا تم روتے ہو؟ جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: بیشک میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے میت عذاب میں مبتلا ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں:

جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو میں نے اس کا ذکر حضرت عائشہؓ سے کیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: خدا عمرؓ پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا مومن پر اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب کرتا ہے، بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر پر اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب کرتا ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے کہا: تمہارے لئے قرآن کا یہ فرمان کافی ہے:

---

[1] صحیح بخاری باب حداد المرأة على غير زوجها ج ۱ صفحہ ۱۵۴، صحیح مسلم باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة حدیث نمبر ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱۔ سنن ابی داؤد باب حداد المتوفی عنها زوجها ج ۲ صفحہ ۲۹۰ حدیث نمبر ۲۹۹، سنن ترمذی باب ما جاء فی عدة المتوفی عنها زوجها ج ۵ صفحہ ۱۷۱، مسند امام احمد ج ۵ صفحہ ۸، ج ۶ صفحہ ۱۸۴، ۲۴۹

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْریٰ۔[1]

اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

پھر ابن عباسؓ نے کہا: اللہ کی قسم اس نے رلایا بھی اور ہنسایا بھی۔[2]

حضرت عائشہؓ کے پاس اس بات کا تذکرہ ہوا کہ ابن عمرؓ نبی اکرم(ص) سے یہ روایت کرتے ہیں کہ جب میت پر اس کے اہل خانہ روتے ہیں تو اس پر قبر میں عذاب نازل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ وہ اپنی خطاؤں یا گناہوں کے سبب سے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کے اہل خانہ اس پر روتے ہیں۔

اس سے پہلی روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے پاس ابن عمرؓ کا یہ قول نقل ہوا کہ میت کے اہل خانہ جب اس پر گریہ کرتے ہیں تو اس کے سبب سے میت پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ بولیں:

> خدا ابوعبدالرحمان پر رحم کرے اس نے ایک چیز سنی اور اسے یاد نہیں رکھی۔ بات اتنی سی ہے کہ ایک یہودی کا جنازہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا وہ لوگ اس پر رو رہے تھے۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا: تم لوگ رو رہے ہو جبکہ اس پر عذاب ہو رہا ہے۔[3]

امام نووی (متوفی ۶۷۷ھ) صحیح مسلم کی شرح میں ان روایات کے بارے میں کہ جن میں میت پر رونے سے منع کیا گیا ہے، کہتے ہیں: یہ روایات عمر بن خطابؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ سے مروی ہیں حالانکہ حضرت عائشہؓ نے ان کی نفی کی ہے اور اس بات کو ان دونوں کے سہو و نسیان اور غلطی پر محمول کیا ہے اور اس بات سے انکار کیا ہے کہ نبیؐ نے ایسا فرمایا۔[4]

جو حدیث ہم بعد میں بیان کرنے والے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اختلاف

---

[1] سورۃ الانعام ۱۶۵

[2] صحیح بخاری باب قول النبیؐ یعذب المیت ببکاء اھلہ علیہ ج۱ صفحہ ۱۵۵، صحیح مسلم باب المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ صفحہ ۶۴۱۔

[3] صحیح مسلم باب المیت یعذب ببکاء اھلہ صفحہ ۶۴۲، سنن ترمذی باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت ج۴ صفحہ ۲۲۵، سنن ابی داؤد کتاب الجنائز ج۳ صفحہ ۱۹۴ حدیث نمبر ۳۱۲۹

[4] شرح النووی بھامش صحیح مسلم ج۶ صفحہ ۲۲۸ المطبعۃ المصریہ ۱۳۴۹ھ۔

رائے کا سبب رونے کے جواز پر سنت رسول(ص) کے مقابلے میں نہ رونے کی حمایت میں حضرت عمرؓ کا ذاتی اجتہاد تھا چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ آل رسولؐ میں سے ایک شخص انتقال کر گیا تو عورتیں روتی ہوئی جمع ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ اٹھے اور انہیں منع کرنے لگے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> دعهن يا عمر فان العين دامعة و القلب مصاب و العهد قريب۔[1]
>
> اے عمر انہیں چھوڑ دو کیونکہ آنکھیں گریاں ہیں، دل مصیبت زدہ ہیں اور (میت کی) یاد تازہ ہے

بنا بریں میت پر رونے کے مسئلے میں اختلاف کی وجہ اس سلسلے میں کتب صحاح میں مروی متعارض اور متضاد روایات ہیں دراصل رونے سے ممانعت کے حق میں حضرت عمرؓ کا ذاتی اجتہاد میت پر گریہ کی ممنوعیت پر مشتمل روایات کا سرچشمہ ہے۔ اسی لئے مذکورہ روایات کے علاوہ کچھ اور روایات بھی حضرت عمرؓ کے اجتہاد کی تائید کے لئے نقل کی گئی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں ان روایات کی وجوہات کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں وہ ہمارے موضوع بحث یعنی گریہ والے مسئلے میں اختلاف کی وجہ معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔

-----☆-----

---

[1] سنن نسائی باب الرخصۃ فی البکاء علی المیت، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی البکاء علی المیت صفحہ ۵۰۵ حدیث نمبر ۱۵۸۷، مسند امام احمد ج۲ صفحہ ۱۱۰، ۲۷۳

قرآن کی بعض آیات
جن کی تاویل میں اختلاف پیدا ہوا

جن مسائل میں امت کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے ان میں سے ایک قرآن کی بعض آیات کی تاویل میں اختلاف ہے۔ یہاں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

غیر اللہ کا حکم اور غیر اللہ کو پکارنا

محمد بن عبدالوہاب نجدی اپنی کتاب ''الاصول الثلاثہ وادلھا'' کے صفحہ ۴ پر یوں رقمطراز ہیں:

خدا تم پر رحم کرے۔ جان لو کہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر ان تین مسائل کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔

پہلا مسئلہ: بے شک خدا نے ہمیں خلق کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ: خدا اس بات سے راضی نہیں کہ اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک قرار دیا جائے، نہ کسی مقرب فرشتے کو نہ ہی کسی نبی مرسل کو۔ اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا[1]

اور یہ کہ مساجد اللہ کے لئے ہیں لہذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔[2]

اسی کتاب کے صفحہ ۵ میں مرقوم ہے:

دین حنیف اور ملت ابراہیم یہ ہے کہ تم صرف خدائے واحد کی عبادت کرو، دین کو اس کے لئے خالص رکھتے ہوئے۔ اسی چیز کا حکم تمام انسانوں کو دیا گیا ہے اور اسی غرض کے لئے ان کی خلقت ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

۱ سورۃ الجن آیت ۱۸

۲ رسالہ ''الاصول الثلاثۃ'' طبع مطبعۃ المدنی قاہرہ ۱۳۸۰ھ، رسالہ ''الدین وشروطھا'' طبع قاہرہ

انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے خلق کیا ہے۔[1]

یہاں یعبدون (وہ میری عبات کریں) سے مراد ہے:

یوحدونی (میری وحدانیت کا اقرار کریں)۔ خدا کے اوامر میں سب سے بڑا امر توحید کے متعلق ہے۔ توحید سے مراد ہے صرف خدا کی عبادت کرنا۔ اور خدا نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان میں سب سے اہم شرک ہے اور شرک سے مراد خدا کے ساتھ کسی اور کو پکارنا۔ (اس کے بعد سے لے کر مذکورہ کتاب کے صفحہ ۸ تک دیکھئے)

لب لباب یہ کہ مذکورہ دعوے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ ...... الخ

آگے چل کر مصنف اسی کتاب کے صفحہ ۴۶ میں لکھتے ہیں:

چھٹا قاعدہ: ہمارے زمانے کے مشرکین کا شرک سابقہ زمانے والوں کے شرک سے زیادہ سخت ہے کیونکہ سابقہ مشرکین خوشحالی کے دوران شرک کے مرتکب ہوتے تھے اور شدت کے وقت مؤحد بن جاتے تھے۔ لیکن اس دور کے مشرکین کا شرک دائمی ہے۔ خواہ خوشحال ہوں یا مشکلات میں گرفتار۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ۔[2]

وہ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

نیز انہوں نے اپنی کتاب الدین و شروط الصلاۃ[3] کے صفحہ ۸ میں جو کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

عبادت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک دعا ہے۔ اس کی دلیل خدا کا یہ فرمان ہے:

---

۱ سورۃ الذاریات۔ آیت ۵۶

۲ سورۃ العنکبوت آیت ۶۵

۳ ملاحظہ فرمائیں رسالہ ''الاصول الثلاثۃ مطبعۃ المدنی قاہرہ، الدین و شروطہا و غربا۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ ....الخ

اور شفاء الصدور نامی رسالہ جسے دار الافتاء العامہ نے ''الجواب المشکور'' کے جواب میں شائع کیا ہے کے صفحہ ۳ میں مذکور ہے:

شرک کی تاریکیوں کو اس سر زمین (یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) سے دور کرنے والے، شرک کے میل کچیل کو پاک کرنے والے اور شرک کے تمام آثار کو مٹانے والے دعوت توحید کے علمبرداروں کے جانشین کی خدمت میں انہوں نے یہ مسئلہ پیش کیا...[1]

غیر اللہ کو پکارنے یا نہیں اللہ کے ساتھ پکارنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ''یارسول اللہ'' وغیرہ کہے یعنی حضور(ص) کو اللہ کے ہاں وسیلہ قرار دے یا حضور(ص) کے علاوہ خدا کے کسی اور ولی کو اس طرح پکارے۔ اس چیز کو شرک قرار دینے والوں کے دلائل کا محور خدا کا فرمان لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اور اس قسم کے وہ فرامین ہیں جن میں اللہ نے غیر اللہ سے مانگنے یا اللہ کے ساتھ غیر اللہ سے مانگنے سے منع کیا ہے۔ لیکن اس نظریئے کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہ استدلال خوارج کے استدلال سے مشابہت رکھتا ہے جنہوں نے جنگ صفین میں تحکیم (ثالثی) قبول کرنے والوں کو کافر قرار دینے کے لئے مذکورہ ذیل آیات وغیرہ سے استدلال کیا مثلاً:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔[2]

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔[3]

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں؟ حالانکہ اس نے آپ کی طرف مفصل کتاب نازل کی ہے۔

اس کی ابتداء صفین سے ہوئی جب معاویہ نے عراقیوں کو صلح کی دعوت دینے کے لئے قرآن مجید کو نیزوں پر چڑھایا۔ یوں عراقی قاریوں کی اکثریت دھوکہ کھا گئی۔ انہوں نے حضرت علی(ع) کو جنگ بندی اور تحکیم کے لئے معاویہ کی دعوت قبول کرنے پر مجبور کیا پھر معاویہ نے اپنی طرف سے عمرو

[1] رسالہ شفاء الصدور طبع اول موسسة النور للطباعة والتجلید۔
[2] سورۂ یوسف آیت ۶۷ — [3] سورۂ الانعام آیت ۱۱۵

بن عاص کو ثالث بنایا اور لشکر عراق نے حضرت علی(ع) کو مجبور کیا کہ آپ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو اپنا ثالث بنائیں۔ جب دونوں ثالث جمع ہوئے تو عمر بن عاص نے ابو موسیٰؓ کو دھوکہ دینے کے لئے کہا:

ہم علی(ع) اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے فیصلہ عوام پر چھوڑتے ہیں کہ وہ کسی کو اپنا رہبر چنیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن عاص پر سبقت کرتے ہوئے کہا میں علی(ع) اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں تاکہ مسلمان اپنے لئے کسی کو امام منتخب کر لیں۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے تأثر دینے کے لئے یہ اعلان کیا:

ابو موسیٰؓ اشعری نے اپنے امام کو معزول کر دیا ہے جیسا کہ تم سب نے دیکھ لیا لیکن میں اپنے ساتھی (معاویہ) کو عہدہ امامت پر برقرار کرتا ہوں۔

یہ سن کر وہ دونوں لڑ پڑے اور دونوں نے ایک دوسرے کو گالیاں دیں اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس کے بعد عراقی لشکر میں تحکیم قبول کرنے والوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا:

لا حکم الا للّٰہ ''فیصلہ (کرنے کا حق) صرف خدا کے لئے ہے، اور بولے ہم نے تحکیم قبول کر کے کفر کیا پھر ہم تائب ہوئے۔ باقی لوگوں پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے کفر کا اقرار کریں اور پھر ہماری طرح توبہ کریں۔ جو لوگ ایسا نہ کریں وہ کافر ہیں۔

یوں انہوں نے پہلے تو امیر المومنین علی المرتضیٰ (ع)، حضرت عائشہ، عثمانؓ، طلحہ، معاویہ، عمرو بن عاص اور ان کے حامیوں کو جو ان مسائل میں شریک تھے کافر قرار دیا اور پھر تمام مسلمانوں کے خلاف اپنی تلواروں کے ساتھ برسرپیکار رہے۔ خود بھی قتل ہوتے رہے اور دوسروں کو بھی قتل کرتے رہے۔[1]

یوں خوارج کے بارے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا کہ ''وہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میرا سامنا ان سے ہوتا تو

[1] جنگ صفین کے حالات اور خوارج کی سرگذشت کا مطالعہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، البدایہ والنہایہ وغیرہ۔

میں ضرور انہیں قوم عاد کی طرح قتل کرتا"۔ بہت سی دیگر احادیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں انہیں قوم ثمود کی طرح قتل کرتا۔[1]

ان دونوں مسئلوں میں مخالفین کا جواب

پہلے نظریئے کے مخالفین یہ جواب دیتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ اگر قرآن نے ایک جگہ یہ کہا ہے:

ان الحکم الا للّٰہ "حکم اور فیصلہ تو صرف خدا کا ہے"

تو دوسری جگہ کہا ہے:

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔[2]

اگر یہ لوگ آپ کے پاس (کوئی مقدمہ لے کر) آئیں تو ان میں فیصلہ کریں یا ٹال دیں (آپ کی مرضی) اور آپ نے انہیں ٹال دیا تو یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ ایک اور آیت میں خدا نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان میں سے کسی کو ثالث بنائیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۔[3]

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک منصف عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کی کوشش کریں تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کرے گا۔

ان دونوں آیتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ جب پہلی آیت نے یہ کہا کہ حکم

---

1. صحیح مسلم باب ذکر الخوارج وصفاتھم حدیث نمبر ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶
2. سورۃ المائدہ آیت ۴۲
3. سورۃ النساء آیت ۳۵

صرف اللہ کا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حکم اور فیصلے کا یہ دائرہ محدود ہے۔ جس طرح عدالتوں کے قاضیوں کے معاملے میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ کسی اور کو اپنی طرف قاضی مقرر کریں۔ یہ حق تو مقتدر اعلیٰ کو حاصل ہے۔ بنابریں قاضیوں کو محدود پیمانے پر فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ صرف لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے مجاز ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے درمیان خود فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ یعنی اسے حق حاصل ہے کہ کسی کو اپنی طرف سے قاضی بنائے۔ بنابریں خدا کے لئے حکم اور فیصلے کا غیر محدود مطلقاً حق حاصل ہے۔ بنابریں جب انبیاء علیہم السلام فیصلہ کرتے ہیں تو حکم خدا سے فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح میاں بیوی کے درمیان فیصلہ کرنے والے ثالثی حضرات بھی حکم خدا کی رو سے ایسا کرتے ہیں۔ پس جب یہ فیصلہ کرنے والے حکم خدا کی رو سے فیصلہ کریں تو ان کا حکم نہ غیر اللہ کا حکم شمار ہوگا نہ ما سویٰ اللہ کا نہ دون اللہ کا نہ مع اللہ کا بلکہ ان کا فیصلہ عین حکم خدا اور اذن خدا کے تابع ہوگا۔

یہی حال قرآن کریم کی بعض دیگر آیات کا ہے جو خدا کی بعض صفات کو بیان کرتی ہیں۔ یہ آیات مبارکہ خدا کی ان صفات کو محدود پیمانے پر ثابت نہیں کرتیں بلکہ غیر محدود (مطلق) صفات کو ثابت کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے صفت "الملک" کا اثبات۔

اللہ تعالیٰ اور صفت الملك

خدا کے لئے اس کی صفت الـمـلك کے اثبات کے معاملے میں ایک طرف سے فرمان خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ[1]

اور آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان موجود ہے سب پر اللہ کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

نیز ارشاد الٰہی ہے:

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ۔[2]

اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور جس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔

اور دوسری طرف سے ارشاد خداوندی ہے:

---

1. سورۃ المائدہ آیت ۱۸
2. الاسراء آیت ۱۱۱، الفرقان آیت ۲

اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔[1]

جس کے تم مالک ہو۔

اس طرح کی آیات کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ خدا خود فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[2]

کہہ دیجئے: اے اللہ! اے مملکت (ہستی) کے مالک تو جسے چاہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہے حکومت چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

پس جب ثابت ہوا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مالک بناتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ ملک میں اللہ کا شریک ہے نہ وہ ملکیت غیر اللہ کی ملکیت ہے نہ ماسویٰ اللہ کی اور نہ دون اللہ کی کیونکہ بندہ اور اس کی ساری ملکیت اس کے رب کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے بندے کا کسی چیز کا مالک بننا ''الملک اللہ'' کی واضح ترین مثال ہے کیونکہ خدا کی مالکیت بندے کی مالکیت کی طرح محدود نہیں ہے۔ بندے کی مالکیت خدا کی مشیت اور خدا کے اذن کی تابع ہے اس لئے محدود ہے۔ وہ زمان و مکان اور اختیار کے لحاظ سے اللہ کی معین کردہ حدود سے تجاوز کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہی حال خدا کی ''خالقیت'' کا بھی ہے۔

خدا کا خالق اور محیی ہونا

خدا کی صفت خالق اور محیی کے بارے میں مذکورہ بحث کی گنجائش ہے کیونکہ خداوند ذوالجلال ہر چیز کا خالق ہے۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ[3]

ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ[4]

---

۱ سورۃ النساء آیت ۳، ۲۴، ۲۵، ۳۶   ۲ سورۃ آل عمران آیت ۲۶

۳ سورۃ الانعام ۱۰۲   ۴ سورۃ فاطر آیت ۳

کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[1]

آگاہ رہو! آفرینش اسی کی اور امر بھی اسی کا ہے۔

نیز

وَھُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ[2]

اور وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت بھی۔

نیز فرمایا ہے:

فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ وَهُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی۔[3]

پس سرپرست تو صرف اللہ ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

ایک طرف سے ان آیات مجیدہ اور دوسری طرف سے حضرت عیسیٰؑ کو خلق کرنے اور زندہ کرنے کی اجازت عطا کرنے کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ سے فرمایا:

... وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ....[4]

اور جب آپ میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور آپ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے صحت یاب کرتے تھے اور آپ میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے) نکال کھڑا کرتے تھے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو بناتا ہے تو اس کی مثال چیزیں بنانے والے آلات کی سی نہیں ہوتی جو محض اسی کام پر جتا رہتا ہے۔ (منزہ ہے وہ ذات اس بات سے) اور نہ ہی اس کی مثال انسان جیسی ہے جو کام کے دوران کسی دوسرے کو کام کی طاقت نہیں دے سکتا بلکہ وہ ذات اس بات پر قادر ہے کہ انسانوں اور حیوانوں کو نر و مادہ کے ملاپ کے ذریعے زندگی عطا کرے نیز اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ اپنے دست قدرت سے ماں باپ کے بغیر ہی اسے پیدا کرے جیسا کہ

---

۱ سورۃ الاعراف آیت ۵۴   ۲ سورۃ مومنون آیت ۸۰

۳ سورۃ الشوریٰ آیت ۹   ۴ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۰

آدمؑ کو خلق کیا ہے۔ بالکل اسی طرح وہ حضرت عیسیٰؑ کو یہ طاقت دے سکتا ہے کہ وہ اس کے اذن سے کسی اور چیز کو خلق کریں۔ ان تمام مراحل میں خالق حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے۔

بالکل یہی حال زندہ کرنے کے مسئلے میں بھی ہے کیونکہ وہ جس طرح قیامت کے دن بلاواسطہ زندہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسی طرح اس بات پر بھی قادر ہے کہ اپنے پیغمبر عیسیٰؑ بن مریمؑ کو زندہ کرنے کی طاقت دے تا کہ عیسیٰؑ اس کے اذن سے مردوں کو زندہ کریں۔

اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ بنی اسرائیل کی پیلی گائے کے بعض اعضاء کو مقتول کے بے جان بدن پر مارنے کو زندہ ہونے کا سبب قرار دے تا کہ مقتول زندہ ہو کر لوگوں کو اپنے قاتل کی خبر دے۔[1]

پھر یہ بھی مدنظر رہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے جب پرندے کو خلق کیا اور مردے کو زندہ کیا تو یہ دونوں کام خدا کے اذن سے واقع ہوئے ہیں۔ بنا بریں جب حضرت عیسیٰؑ نے پرندے کو بنایا اور مردے کو زندہ کیا تو خدا کے ساتھ مل کر نہیں بنایا نہ ہی خدا کے ساتھ مل کر زندہ کیا۔ اور یہ دونوں کام غیر اللہ کے تھے نہ دون اللہ کے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے خلق کیا اور زندہ کیا ہے۔

خدا کا ولی اور شفیع ہونا

اسی طرح خداوند عالم کے ولی اور شفیع ہونے کے بارے میں بھی بحث کی جا سکتی ہے۔ شفاعت کے مسئلے میں ایک طرف سے خدا کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔

☆ اَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔[2]

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو شفیع بنا لیا ہے؟ کہہ دیجئے: خوا وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں (تب بھی شفیع بنیں گے؟)۔ کہہ دیجئے: ساری شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

---

[1] اشارہ ہے سورۃ بقرہ کی آیات نمبر ۶۷ تا ۷۳ کی طرف

[2] سورۃ الزمر آیت ۴۳، ۴۴

☆ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ۔[1]

اس کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ شفاعت کرنے والا۔ کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟

☆ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ۔[2]

اللہ کے سوا نہ ان کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور شفاعت کنندہ۔

☆ وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ۔[3]

البتہ اس (قرآن) کے ذریعے انہیں نصیحت ضرور کریں مبادا کوئی شخص اپنے کیئے کے بدلے پھنس جائے کہ اللہ کے سوا اس کا نہ کوئی کارساز ہو نہ ہی شفاعت کنندہ۔

☆ اور دوسری طرف سے ارشاد خداوندی ہے:

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ۔[4]

اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔[5]

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔[6]

اس روز کسی کی شفاعت فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔

☆ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ[7]

اللہ کے نزدیک کسی کی شفاعت فائدہ مند نہیں سوائے اس کے

---

[1] سورۃ السجدۃ آیت ۴ [2] سورۃ الانعام آیت ۵۱ [3] سورۃ الانعام ۷۰

[4] سورۃ یونس آیت ۳ [5] سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۵ [6] سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰۹ [7] سورۃ سبأ آیت ۲۳

جسے اللہ نے اجازت دی ہو۔

☆ ارشاد ہے:

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔[1]

کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہو۔

☆ فرمان الٰہی ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى۔[2]

وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے۔

ان درج بالا آیات مبارکہ کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو شفاعت کی اجازت دیتا ہے تو یہ شفاعت اللہ کی ہے۔ یہی حال خدا کی صفت ''ولی'' کا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''ولی'' ہے

اسی طرح دوسری صفات کے علاوہ خداوند عالم ایک صفت کی ولی بھی ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

☆ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔[3]

آسمانوں اور زمین کی سلطنت یقیناً اللہ ہی کے لئے ہے۔ زندگی بھی وہی دیتا ہے اور موت بھی اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

☆ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔[4]

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ ہی کے لئے ہے؟ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز و مددگار نہیں۔

---

۱ سورۃ مریم آیت ۸۷ ۲ سورۃ الانبیاء آیت ۲۸ ۳ سورۃ التوبہ آیت ۱۱۶ ۴ سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۷

☆ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا۔[1]

کیا یہ کافر خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو سرپرست بنائیں گے؟ ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے مہمان سراء بنا کر تیار رکھا ہے۔

☆ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ[2]

تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔

ان آیات مبارکہ کے درمیان بھی کوئی منافات نہیں ہے۔ بنا بریں اگر ہم کہیں کہ اللہ، رسول(ص)، نماز قائم کرنے والے اور رکوع میں زکات دینے والے ہمارے ولی ہیں تو اس سے شرک لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ حقیقی ولی تو اللہ ہے اور اسی نے ان دونوں کو یہ ولایت عطا کی ہے جس طرح اس نے والد کو اپنے فرزند پر ولایت عطا کی ہے۔

تمام مذکورہ صفات کے معاملے میں جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ ہی حاکم، مالک، شفیع اور ولی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے لئے بھی مالک، حاکم، شفیع اور ولی کہنا درست ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے خاص بندوں کو یہ صفات عنایت فرما دی ہیں لہذا انہیں ولی کہنا کوئی قباحت نہیں رکھتا۔

روحوں کو قبض کرنے والا کون ہے؟

درج بالا گفتگو کو سمجھنے کے لئے ہم سب سے واضح مثال یہاں پیش کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

☆ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ[3]

فرشتے جن کی روحیں اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہوں۔

☆ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ[4]

---

۱ سورۃ الکہف آیت ۱۰۲ ۲ سورۃ المائدہ آیت ۵۵ ۳ سورۃ النحل آیت ۲۸ ۴ سورۃ النحل آیت ۳۲

جن کے روحیں فرشتے پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں (اور
انہیں) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو۔

☆ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ [1]

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور
کوتاہی نہیں کرتے۔

☆ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔ [2]

کہہ دیجئے: موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں
قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

☆ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا [3]

موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فرشتے موت کے وقت خدا کے اذن سے لوگوں کی روحیں نکال لیتے ہی تو وہ نہ جھوٹا کہلائے گا اور نہ ہی مشرک۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ملک الموت "عزرائیل" موت کے وقت خدا کے اذن سے جانیں نکال لیتا ہے تو یہ نہ جھوٹ ہوگا نہ شرک۔ ان دونوں باتوں اور اس بات کے کہ موت کے وقت لوگوں کی روحیں خدا قبض کر لیتا ہے کوئی منافات نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں روحوں کا قبض کرنے والا خدا کے علاوہ کوئی نہیں اور نہ ہی اس امر میں کوئی خدا کا شریک ہے بلکہ خدا ہی روحوں کو قبض کرتا ہے۔[4] اور یہی حال ہے خدا کی دیگر صفات کا جن کا تذکرہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا اور آپ کو خدا کے حضور وسیلہ قرار دینا

اب تک ہم واضح کر چکے ہیں کہ اگر کوئی خدا کے حکم سے قاضی، مالک، شفاعت کرنے والا، خلق کرنے والا، مارنے والا اور ولی بن جائے تو ان امور کو غیر اللہ سے نسبت دینا یا یہ کہنا کہ فلاں کام خدا کے بغیر انجام پایا یا یہ کہنا کہ کسی نے خدا کے ساتھ مل کر ان کو انجام دیا درست نہیں

[1] سورۃ الانعام آیت ۶۱ [2] سورۃ السجدہ آیت ۱۱ [3] سورۃ الزمر آیت ۴۲
[4] یہ استدلال حضرت علی (ع) کے قول کے ماخوذ ہے جسے شیخ صدوق نے کتاب التوحید باب الرد علی الثنویہ و الزنادقہ صفحہ ۲۴۱ میں نقل کیا ہے۔

ہے۔ بنابریں اگر خدا کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے آپ (ص) کو پکارا جائے اور وہ بھی خدا کے اذن سے تو پھر ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر اللہ کو پکارا گیا یا خدا کو نہیں پکارا گیا ہے اور یہ اس آیت کا مصداق نہیں جس میں کہا گیا ہے:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا [1]

لہذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو

چنانچہ مسند احمد، سنن ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی سے مروی روایات کہ جن کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ ہم ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک نابینا صحابی سے کہ وہ نماز کے بعد دعا کرے اور کہے:

اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمد (ص) کا
واسطہ دیتا ہوں۔ اے محمد (ص)! میں تیرے وسیلے سے اپنے رب کی
طرف رخ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روا کرے۔ پس اے
اللہ انہیں میرا شفیع قرار دے۔[2]

پس اللہ تعالیٰ نے اس صحابی کی حاجت پوری کر دی اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کا شفیع قرار دیتے ہوئے اسے شفا دی۔ اس قسم کا توسل خدا کے اس قول کا مصداق ہے:

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ [3]

اس کی طرف (قربت کا) ذریعہ تلاش کرو۔

الف۔ ابتدائے امر میں اختلاف کے ظاہر ہونے کے اصل اسباب

اب تک ہم بعض اختلافی مسائل اور ان کے ظاہری اسباب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ ذیل میں ہم ابتدائے امر میں اختلاف کی حقیقی وجہ پر روشنی ڈالیں گے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے احادیث اور قرآن مجید کی آیات کے متعلق کچھ مثالیں پیش کیں۔ ان سب کے پیچھے دو حقیقی وجوہات ایسی ہیں جن سے ابتدائے کار میں اختلافی مسائل نے جنم لیا۔ پھر بعد میں آنے والوں نے پہلے والوں کے خیالات کی تقلید کی۔ ان دو وجوہات میں سے پہلی وجہ وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے واقعہ میں ذکر کیا ہے۔ جب اس نے حضرت

[1] سورہ جن آیت ۱۸
[2] لاحظہ کیجئے اسی کتاب کے مقدمہ میں باب الاستشفاع برسول اللہ فی حیاتہ [3] سورۃ المائدہ آیت ۳۵

آدم(ع) کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے

قَالَ یَا إِبْلِیسُ مَا مَنَعَکَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ أَسْتَکْبَرْتَ أَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِینَ۔ قَالَ أَنَا خَیْرٌ مِنْهُ[1]

فرمایا: اے ابلیس! جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو اونچے درجہ والوں میں سے ہے؟۔ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں

اور ابلیس نے یہ بھی کہا

لَمْ أَکُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ[2]

میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے کا نہیں ہوں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ابلیس نے فرشتوں کی عمر کے برابر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی پھر آدم صفی اللہ کے دور میں ان کے آگے نہیں جھکا اور ان کو حقیر جانا۔ پس اس کا جو انجام ہوا سو ہوا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد تکبر کیا اور خدا کے انبیاء علیہم السلام اور برگزیدہ بندوں کو حقیر جانا ان کے بارے میں ہم چند مثالیں یہاں بیان کرتے ہیں:

سابقہ امتوں میں

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے نبی سے کہا:

مَا نَرَاکَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا ....وَمَا نَرَىٰ لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ۔[3]

ہماری نظر میں تم صرف ہم جیسے بشر ہو.....اور کوئی ایسی بات بھی نظر نہیں آتی جس سے تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو۔

نیز انہوں نے کہا:

مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یُرِیدُ أَنْ یَتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ[4]

یہ تو بس تم جیسا بشر ہے۔ جو تم پر اپنی بڑائی چاہتا ہے

اسی طرح حضرت نوحؑ، عاد اور ثمود کی قوموں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے کہا:

---

[1] سورۃ ص آیت ۷۵،۷۶ [2] سورۃ الحجر آیت ۳۳ [3] سورہ ھود آیت ۲۷ [4] سورہ مومنون آیت ۲۴

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا[1]

تم تو ہم جیسے بشر ہو۔

انہوں نے اپنے نبی سے کہا:

مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یَأْکُلُ مِمَّا تَأْکُلُونَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ۔[2]

یہ تو بس تم جیسا بشر ہے۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور یہ وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام اس اعتراض اور اہانت کا جواب جو اپنی قوموں کو دیتے تھے اسے خدا نے یوں بیان کیا ہے:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ وَلَٰکِنَّ اللَّهَ یَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ یَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ[3]

ان کے رسولوں نے ان سے کہا: بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے

ابلیس نے اپنے اوپر خدا کے نبی آدم صفی اللہ میں کوئی برتری نہیں دیکھی۔ پس وہ آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا اور ان کے بارے میں کہا:

وہ تو بشر ہے۔

ادھر نوحؑ، عادؑ اور ثمودؑ کی قوم نے اپنے اوپر اپنے انبیاء علیہم السلام میں کوئی برتری نہیں دیکھی۔ اسی لئے وہ ان سے کہتے تھے:

تم لوگ تو بس ہمارے جیسے بشر ہو۔

اسی طرح خوارج کا رئیس ذوالخویصرہ اس گروہ کے بارے میں کہ جس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود تھے کہتا ہے:

اس گروہ میں مجھ سے افضل اور بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔

دوسری وجہ: خدا کے برگزیدہ بندوں کو حقیر جاننے کی دوسری وجہ (خاص کرامت مسلمہ کی صدیوں پر محیط تاریخ میں) یہ ہے کہ مسلمانوں پر حکومت کرنے والے حکمرانوں کو اس بات کی ضرورت پڑی کہ انبیاء و اصفیاء علیہم السلام جو انسانیت کے لئے نمونہ عمل ہیں کی زندگی کی ایسی تصویر پیش کی جائے جو ان حکمرانوں کی شہوت پرستی اور نفسانی خواہشات میں غرق زندگی سے متصادم نہ ہو۔

---

[1] سورہ ابراہیم آیت ۱۰ [2] سورۃ المومنون آیت ۳۳ [3] سورۃ ابراہیم آیت ۱۱

ان دونوں وجوہات کا نتیجہ بعض قرآنی آیات میں تاویل کی صورت میں نکلا تا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ انبیاءؑ اور اصفیاءؑ سے بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ مذکورہ وجوہات کے نتیجے میں بہت ساری جعلی روایات اس بات کے اثبات کے لئے وضع کی گئیں کہ انبیاءؑ واوصیاء شہوت پرستی اور لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے۔ اور اس سلسلے میں گاہے اسرائیلیات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت داؤدؑ اور زوجہ اوریا کے بارے میں مروی قصہ[1] اور اس قسم کی بہت ساری دیگر روایات جو انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے ضمن میں مذکور ہیں۔ افضل الانبیاء خاتم المرسلین محمد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بارے میں مروی بعض روایات ایک مکتب کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ اسی مقصد کے تحت یعنی انبیاءؑ اور اصفیاءؑ کے مقام کو گھٹانے اور عام لوگوں کے مقابلے میں ان کے امتیاز کا تصور ختم کرنے کے لئے قرآن کریم کی ان آیات کی من پسند تاویلیں کی گئیں جو انبیاءؑ کے معجزات کو صریحاً بیان کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰؑ کا باذن خدا مٹی سے پرندہ بنانا وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ایسی روایات گھڑی گئیں جو ان کے اس پروپیگنڈے سے ہم آہنگ تھیں کہ انبیاءؑ واصفیاء علیہم السلام کو باقی انسانوں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔

ان احادیث اور قرآنی آیات میں مذکورہ حکام کی طرف سے کی گئی من پسند تاویلات کے مقابلے میں ہم تفسیر، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بھی ایسی احادیث پاتے ہیں جو خدا کے برگزیدہ بندوں کی ممتاز صفات کو بیان کرتی ہیں۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ ان پر ایمان رکھتا ہے اسی لئے یہ طبقہ قرآن کی آیات مبارکہ کی تاویل ان احادیث کے مطابق کرتا ہے۔ ان وجوہات کی بنیاد پر خدا کی صفات، انبیاء کی صفات، عرش، کرسی او دیگر اسلامی تعلیمات کے بارے میں دونوں مکاتب فکر میں سے ہر ایک کا ایک خاص نقطہ نظر سامنے آیا جو دوسرے مکتب فکر کے نقطہ نظر کے منافی ہے۔ ہر فریق اپنے ہاں موجود چیزوں پر ایمان رکھتا ہے اور مخالف رائے رکھنے والے کو کافر قرار دیتا ہے۔

صدیوں پر محیط اختلافات مذکورہ وجوہات کی پیداوار ہیں۔ رہا اس مشکل کا حل تو اس کا ذکر ہم انشا اللہ جلد ہی اختتامی بحث میں کریں گے۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں

ابن حجر عسقلانی نے خوارج کے رئیس ذوالخویصرہ کے حالات بیان کرتے ہوئے

---

[1] حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرت سے متعلق روایات کے لئے تاریخ طبری وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔

ہوئے الاصابہ میں انس بن مالکؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں ایک شخص تھا جس کی عبادت اور جانفشانی سے ہم تعجب کرتے تھے۔ ہم نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کیا لیکن آپ (ص) نے اسے نہیں پہچانا پھر ہم نے اس کی صفات بیان کیں لیکن آپ نے نہیں پہچانا۔ جب ہم اس کے بارے میں بات کر رہے تھے تو وہ ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ تو ہم نے کہا وہ شخص یہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

> تم مجھے ایسے شخص کے بارے میں خبر دیتے ہو جس کے چہرے پر شیطانی زخم کا نشان ہے۔

پس وہ ان کے پاس آکر ٹھہر گیا اور انہیں سلام نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

> تجھے خدا کا واسطہ، یہ بتاؤ کہ جب تم نے حاضرین کو دیکھا تو کیا یہ نہیں سوچا کہ اس محفل میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے؟

وہ بولا:

> ہاں۔

پھر وہ نماز میں مشغول ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

> اس شخص کو کون قتل کرے گا؟ ....الخ۔

اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

> اگر یہ قتل ہو جاتا تو میری امت کے دو آدمی بھی آپس میں اختلاف نہ کرتے۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] ذوالخویصرہ تمیمی حرقوس بن زہیر خوارج کی جڑ تھا۔ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مال تقسیم فرما رہے تھے تو اس نے آپ سے کہا تھا اے محمد عدل سے کام لیں آپ نے فرمایا: افسوس تجھ پر اگر میں عدل سے کام نہیں لے رہا تو پھر کون عدل سے کام لے گا؟ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی اس کی نماز کے مقابلے میں اپنی نماز کو اور اس کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزے کو دیکھے گا تو اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھے گا۔ یہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہوں گے جسطرح تیر شکار کو چیر کر نکل جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے صحیح مسلم باب ذکر الخوارج، الاصابہ اور اسد الغابہ وغیرہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو انسانی تقاضوں سے ہم آہنگ نظام قرار دیا ہے اور اپنے رسولوں کے ذریعے بنی نوع انسان کو ہدایت عنایت فرمائی۔ جب بھی کوئی نبی رحلت کر جاتا اور اس کی امت اس کی شریعت کو بدل دیتی تو اللہ تعالیٰ ایک نئے نبی کے ذریعے اپنے دین کی تجدید کرتا رہا۔ پھر خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ خاتم الانبیاءصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے شریعتوں کا سلسلہ روک دیا جائے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو کمی وبیشی سے محفوظ قرار دیے کر ہمیشہ کے لئے اسلام کے بنیادی اصولوں کی حفاظت کا سامان فراہم کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سنت رسولؐ کو اسلامی احکام اور ان کی تفصیلات کے بیان کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس سنت کو قرآن کی طرح کمی بیشی سے محفوظ رکھنے کی ضمانت نہیں دی اور راویان سنت کو بھی سہو ونسیان سے مبرا قرار نہیں دیا اور احادیث کی کتابوں کے نسخہ برداروں نے بھی خطا ولغزش سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری نہیں لی۔ پھر چودہ صدیوں تک سنت رسول(ص) راویوں کے ذریعے نقل ہوتی رہی اور مسلمان سنت رسول(ص) سے خواہ وہ سیرت رسول(ص) کی شکل میں ہو یا احادیث رسولؐ کی صورت میں ایک دوسرے سے ایسی بہت ساری احادیث نقل کرتے رہے جن کے اندر بہت زیادہ اختلاف تھا۔ اور ان کے درمیان مجمل بھی تھیں، مبین بھی، عام بھی، اور خاص بھی تھیں۔ ان کے علاوہ خارجی عوامل بھی حدیث کی روایت کے عمل پر تسلسل کے ساتھ اثر انداز رہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یوں ان مختلف اور متضاد احادیث میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینے کے مسئلے پر محدثین میں اختلاف پیدا ہوا۔ چونکہ یہ محدثین مختلف اسلامی احکام وتعلیمات میں اپنا اپنا الگ نقطہ نظر بھی رکھتے تھے۔ نتیجتاً ہر آنے والے محدث نے اپنے نظریات کی جانبداری میں تعصب سے کام لیا۔ اس طرح اسلام کے بارے میں ہر گروہ کا ایک الگ نقطہ نظر وجود میں آیا اور انہی کی روشنی میں ہر ایک نے قرآن کریم کی متشابہ اور غیر واضح آیات کی من پسند تاویل کی بلکہ وہ قرآن کی محکم اور واضح آیات کو بھی اپنے نقطہ نظر پر محمول کرتے رہے۔

بدقسمتی سے مسلمان مختلف مذاہب اور فرقوں میں بٹ گئے اور اسی حالت میں صدیاں

بیت گئیں۔ اس دوران وہ ایک دوسرے کو مذکورہ وجوہات کی بناء پر کافر قرار دیتے رہے۔ وہ کبھی اپنے نظریاتی مخالفین کو قتل کرتے اور ان کی بستیوں کو ویران بھی کرتے رہے۔ بنا بریں ان اختلافات کی موجودگی میں مسلمان کیسے متحد ہو سکتے ہیں جن کی بعض مثالیں ہم نے گزشتہ صفحات میں پیش کی ہیں؟ جب تک مسلمان سابقہ لوگوں کے ذاتی اجتہادات کی چشم بستہ تقلید کرتے رہیں گے ان کے درمیان اتحاد ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کے ہر گروہ پر لازم ہے کہ وہ اسلام، تاویل قرآن، مروی احادیث اور گزشتہ لوگوں کے اجتہادات کے بارے میں اپنے ان نظریات کو واضح کریں جو امت کے درمیان اختلاف کا باعث بنے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ یہ کام حق کی طرف دعوت اور ٹھوس علمی تحقیق کے اسلوب کے مطابق انجام پائے اور اس سلسلے میں اپنے اور اپنے گروہی نظریات کی حمایت کے لئے گالی گلوچ اور تہمتوں کا سہارا نہ لیں (خدا ہمیں اس برائی سے بچائے) اور اس کے بعد ہر قسم کے تعصبات سے ماوراء ہو کر دیگر گروہوں کے نظریات کا بھی اسی طرح جائزہ لیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کا صحیح راستہ یہ ہے کہ علماء کرام، دانشور اور سکالرز مذکورہ میدانوں میں مکمل طور پر سنجیدگی کے ساتھ مکمل، خالص اور بے لاگ علمی تحقیق کے لئے کمر ہمت باندھ لیں اور پھر ان تحقیقات کا نتیجہ اسلام کے عظیم علمی مراکز مثلاً قاہرہ کی جامع الازہر، مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی، مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی اور نجف اشرف، قم، خراسان، قیروان اور زیتونہ کی عظیم اسلامی یونیورسٹیوں میں مزید تحقیقات کے لئے پیش کر دیا جائے۔ اس کے بعد اسلامی ممالک کی حکومتیں ان یونیورسٹیوں کی تحقیقات کے ماحصل کو تمام مسلمانوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا کریں تاکہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے نظریات بغیر کسی ابہام وغموض اور الزام تراشی کے صحیح طریقے سے سمجھنے کا موقع ملے پھر وہ دوسروں کے نظریات کو معقول طریقے سے اپنائیں یا اپنے مسلمان بھائی کو ایک خاص نظریہ اپنانے کے معاملے میں معذور سمجھیں۔ یوں مسلمانوں کو موقع ملے گا کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھیں، ایک دوسرے کے نزدیک ہوں اور اپنے مشترکہ مفادات کے لئے متحد ویک جان ہو کر تحفظ اسلام کے لئے کوشش کریں۔[1]

اس ہدف تک پہنچنے کے لئے اسلامی شریعت کے منابع وماخذ سے استفادے اور سنت نبویہ(ص) تک رسائی کے طریقوں سے بحث کی ابتدا ہونی چاہئے۔ اس عظیم مقصد تک رسائی کی

---

[1] ہم نے خالص علمی نقطہ نظر سے سنت رسول(ص) کے مربوط اور تقابلی مطالعے کی ضرورت کے بارے میں اکثر ممالک مثلاً مصر، حجاز، شام، لبنان، پاکستان، ہندوستان اور عراق وغیرہ کے مسلمان علماء، دانشوار ومفکرین اور اہل قلم، اسلامی یونیورسٹیوں او علمی محافل میں انفرادی نشستوں میں اس اہم ضرورت کو بڑی تفصیل سے آگاہ کیا ہے۔

خاطر میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نہج پر کتاب ہذا کی تالیف کے لئے کمر ہمت باندھی ہے۔

کتاب ہذا میں بحث کا اسلوب

گزشتہ اوراق میں ہم نے اختلافی مسائل کے بعض نمونوں اور ان کی علت نیز ان دونوں کی دو بنیادی وجوہات پر روشنی ڈالی ہے۔ اب ہمارے ذمے اختلاف اور مخالفت کی جڑوں کا جائزہ لینا باقی رہ گیا ہے جن پر ہم روشنی ڈالیں گے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والے با غیرت اور مصلح افراد ان کا مطالعہ کریں اور ان کی روشنی میں اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف فرزندان ملت اسلامیہ کو ایک دوسرے کے نزدیک لانے اور یک زبان بنانے کے لئے اپنی جدوجہد کو منظم کریں۔

چونکہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کی بازگشت دو بڑے مکاتب فکر یعنی مکتب تشیع اور مکتب اہل سنت کی طرف ہوتی ہے اس لئے کتاب ہذا میں تین امور پر بحث کی گئی ہے:

الف: پہلی بحث صحابہؓ اور عدالت صحابہؓ کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نقطہ نظر سے متعلق ہے۔ مکتب اہل تسنن کے عقیدے کے مطابق تو سارے اصحابؓ عادل ہیں اور ان میں سے کسی کی عدالت میں شک کی گنجائش نہیں ہے لہذا وہ ان سب سے احادیث اخذ کرتے ہیں لیکن دوسرے مکتب فکر (مکتب تشیع) کے نزدیک اصحابؓ میں سے بعض نیک اور متقی ہیں جن کی روایت کردہ احادیث مقبول ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے نفاق کی نشاندہی خدا نے قرآن مجید میں یوں کی ہے:

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۛ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔[1]

اور خود اہل مدینہ میں بھی ایسے منافقین ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے (لیکن) ہم انہیں جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم نے خالص علمی انداز میں اس مسئلے کا جائزہ لیا ہے۔ اس کے بعد مسئلہ امامت و خلافت میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات اور دونوں کے دلائل پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ ان دونوں مکاتب فکر میں سے ایک کے نزدیک پہلے چار خلفاء شریعت اسلامیہ تک رسائی کے راستوں میں سے ایک راستہ ہیں اور ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے

[1] سورۃ التوبہ آیت ۱۰۱

ہیں کہ آپ (ص) نے فرمایا:

خذوا بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين من بعدي و عضوا عليها بالنواجذ

میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت پر چلو اور ان پر سختی سے کاربند رہو۔" یہ مکتب فکر ان خلفاء کے نظریات و اجتہادات کو شریعت اسلامیہ کا ایک ماخذ قرار دیتے ہیں۔

یہی حال مکتب اہل بیتؑ کے نزدیک بارہ اماموں کا ہے۔ مکتب اہل بیت کے پیروکار ان اماموں کو اسلامی شریعت تک رسائی کا زینہ سمجھتے ہیں اور ہر اس حکم کو بلا جھجک قبول کرتے ہیں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر مذکورہ مقصد تک رسائی کے لئے طرفین کے دلائل میں چھان پھٹک ضروری ہے۔

ب: ہم نے اسلامی شریعت کے ماخذ و منابع کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کی تحقیقات کا علمی جائزہ مکمل امانتداری کے ساتھ لیا ہے اور دونوں مکاتب فکر کی بعض ثقافتی، سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں نیز اسلامی معاشرے پر ان کے اثرات پر گفتگو کے ساتھ ان بحثوں کو حتمی نتیجے تک پہنچایا ہے۔

ج: ہم نے آخر میں مکتب اہل بیتؑ پر لگائے جانے والے بعض بے بنیاد الزامات کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ ان کو دور کرنے کی سعی بھی کی ہے۔

اب ہم ان بحثوں کو اپنے معزز قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انشاء اللہ معارف اسلامی کی ترویج اور مسلمانوں کے درمیان محبت و مفاہمت پیدا کرنے کی کوششوں کو آسان بنانے کی خاطر خالص علمی نقطہ نظر سے ان معروضات کا مطالعہ کریں گے اور غلطیوں سے ہمیں آگاہ فرمائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔[1]

کہہ دیجئے: یہی میرا راستہ ہے۔ میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور پاکیزہ ہے اللہ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

-----☆-----

[1] سورۃ یوسف آیت ۱۰۸

شریعت اسلامیہ کے مآخذ کے بارے
میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اسلامی نظریات کی تاریخ میں دو مختلف مکاتب فکر کے درمیان ہم ایک واضح تقسیم بندی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک مکتب فکر کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے والے برسر اقتدار طبقہ سے لے کر آخری عثمانی خلیفہ تک سے ہے۔

دوسرے مکتب فکر کا تعلق ائمہ اہل بیت(ع) سے ہے جن کا سلسلہ بارہویں امام تک جا پہنچتا ہے۔

دونوں مکاتب فکر کے تربیت یافتہ افراد اور ان کے مسلمان پیروکاروں کے درمیان اختلاف کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے آج بھی موجود ہے اور معلوم نہیں کب تک جاری رہتا ہے۔

ہم آنے والی بحثوں میں پہلے مکتب فکر کو ''مکتب خلفاء'' اور دوسرے مکتب خیال کو ''مکتب اہل بیتؑ'' کے نام سے یاد کریں گے۔ ہم انشا اللہ پہلے ان دونوں کے درمیان اختلاف کے اسباب کا ذکر کریں گے بعد ازاں اختلافات کی کچھ مثالیں بیان کریں گے۔

اختلاف کا سبب

دونوں مکاتب فکر قرآن کریم پر متفق ہیں اور اپنے آپ کو اس میں بیان کئے گئے حلال و حرام اور واجب و مستحب امور کا پابند سمجھتے ہیں البتہ اس کی تاویل خاص کر متشابہ آیات کی تاویل میں شدید اختلافات رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ درج ذیل تین امور میں بھی اختلاف کے شکار ہیں۔

الف۔ صحابہؓ کے بارے میں۔

ب۔ امامت و خلافت* کے مسئلے میں۔

ج۔ قرآن مجید کے بعد اسلامی شریعت کے دیگر مآخذ کے بارے میں

ہم ان تینوں مسائل پر دونوں مکاتب فکر کے نظریات کا جائزہ لیں گے لیکن ابتدا میں ہر موضوع سے متعلق اصطلاحات پر ایک نظر ڈالیں گے۔

سب سے پہلے ہم ان اصطلاحات پر بحث کریں گے جو اس کتاب کے ابواب کے درمیان مشترک ہیں۔ اس کے بعد عربی لغات کی تدوین کی کیفیت کا تذکرہ کریں گے۔

---

*یاد رہے کہ یہ دونوں اسلامی شریعت کے مآخذ و منابع تک رسائی کے راستوں میں شامل ہیں۔

عربی زبان اور اسلامی اصطلاحات

اولاً۔اصطلاحات کی تعریف

اصطلاحات یہ ہیں:

الف۔عربی زبان

ب۔شرعی اصطلاح یا اسلامی اصطلاح۔

ج۔ اصطلاح متشرعہ یا اصطلاح مسلمین۔

د۔حقیقت اور مجاز

ہم پہلی قسم کو تسمیة العرب دوسری قسم کو تسمیة الشارع اور تیسری قسم کو تسمیة المسلمین کا نام دیتے ہیں۔

الف۔عربی زبان

عربی زبان کے اکثر الفاظ جنہیں ہم آج استعمال کرتے ہیں اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد آج تک اپنے عام معانی میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً لفظ الاکل (کھانا)، النوم (نیند،سونا)، اللیل (شب) اور النھار (دن) وغیرہ۔

ان الفاظ میں سے کچھ ایسے ہیں جو عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے استعمال ہوئے ہیں مثال کے طور پر لفظ غنم جو ابتدا میں کسب مال کے لئے استعمال ہوتا تھا پھر عربی میں بلا مشقت کسی چیز کے حصول کے لئے استعمال ہوا۔ اس کے بعد اسلام نے اسے کسی چیز کے حصول کے لئے شرط استعمال کیا خواہ اس چیز کا حصول بلا مشقت ہو یا مشقت کے ساتھ۔

کبھی ایک ہی لفظ کسی قبیلے کے ہاں ایک خاص معنی میں استعمال ہوتا ہے اور وہی لفظ دوسرے قبیلے کے ہاں دوسرے معنی میں مثلاً لفظ اثلب جو حجازیوں کے ہاں پتھر کے لئے اور بنو تمیم کے ہاں مٹی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[1] دورِ حاضر میں مستعمل الفاظ میں سے ایک ''المبسوط'' ہے۔ عراقیوں کے نزدیک اس سے مراد ہے ''مضروب'' لیکن شامیوں اور لبنانیوں کے ہاں یہ لفظ ''مسرور'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

---

۱ تہذیب اللغۃ ج ۱۵ صفحہ ۹۱ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۴ھ

ان امور کے پیش نظر ہمیں یہ کہنا پڑے گا (بطور مثال) کہ اثلب سے مراد تمیمیوں کے ہاں فلاں چیز ہے اور حجازیوں کے ہاں فلاں چیز اور یہی حال لفظ مبسوط کا۔

ب۔شرعی اصطلاح یا اسلامی اصطلاح

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تو آپ(ص) نے عربی زبان کے بعض الفاظ کو عربوں کے ہاں رائج ان الفاظ کے عام معنی سے ہٹا کر (کسی خاص معنی میں) استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''صلاۃ'' پہلے ہر قسم کے دعا کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک خاص عبادت کے لئے (جو قیام، رکوع اور سجود جیسے مخصوص افعال کے ساتھ ساتھ مخصوص سورتوں اور اذکار وغیرہ پر مشتمل ہے) استعمال کیا حالانکہ عرب اس (جدید معنی) سے آگاہ نہ تھے۔ اسی کو ہم ''اصطلاح شرعی'' یا ''اسلامی اصطلاح'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں کہ شارعؑ لفظ کے لغوی معنی میں تبدیلی لائیں (مثلاً لفظ الصلاۃ میں) یا وہ کسی نئے لفظ کو ایک نئے معنی میں استعمال کریں مثلاً لفظ رحمٰن جو خدا کی ایک صفت کے طور پر استعمال ہوا۔

شرعی اصطلاح کی علامت یہ ہے کہ وہ لفظ اس جدید معنی میں قرآن کے اندر یا احادیث نبویؐ میں استعمال ہوا ہو ورنہ ''شرعی اصطلاح'' کہلایا نہیں جائے گا۔ بنا بریں اصطلاح شرعی (یا اسلامی اصطلاح) کی تعریف یہ ہوگی: وہ لفظ جسے شارع نے ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لوگوں تک پہنچایا ہو۔

ج۔ اصطلاح متشرعہ یا اصطلاح مسلمین

کچھ الفاظ ایسے ہیں جو تمام مسلمانوں کے نزدیک خاص معانی میں استعمال عام کے حامل ہیں مثال کے طور پر لفظ ''اجتہاد'' اور لفظ ''مجتہد'' جو تمام مسلمانوں کے ہاں ''فقہ'' اور ''فقیہہ'' کے لئے عام استعمال کے حامل ہیں۔ عربی زبان میں لفظ ''اجتہاد'' کا مفہوم تھا: کسی چیز کی طلب میں پوری کوشش کرنا۔[1] اور لفظ ''مجتہد'' کا مفہوم تھا: کوشش کرنے والا۔ چنانچہ یہ دونوں الفاظ احادیث نبوی(ص) میں بھی انہی دونوں معنوں میں (یعنی لغوی معنی میں) استعمال ہوتے رہے ہیں جیسا کہ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ(ص) نے فرمایا:

فضل العالم علی المجتهد مائة درجة ۔

---

۱ ملاحظہ ہو: ''نہایہ ابن اثیر'' مادہ ''جہد'' کا بیان۔

عالم کا درجہ مجتہد کے مقابلے میں سو گنا بڑا ہے۔

اس حدیث میں مجتہد سے مراد ہے عبادت میں کوشش کرنے والا۔[1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بارے میں ایک روایت ہے:

کان رسول اللّٰہ یجتھد فی العشر الاواخر ما لا یجتھد فی غیر۔[2]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں جو کوشش فرماتے تھے دوسرے ایام میں نہیں فرماتے تھے۔

یاد رہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں نہ لفظ ''اجتہاد'' فقہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نہ ہی لفظ ''مجتہد'' فقیہ کے معنی میں۔ اس قسم کی اصطلاح کو عرف متشرعہ اور تسمیۃ المسلمین کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

اس قسم کے بعض اصطلاحات ایسی ہیں جو تمام مسلمانوں کے نزدیک عام استعمال کی حامل نہیں ہیں بلکہ صرف بعض مسلمانوں کے ہاں مستعمل ہیں۔ مثال کے طور پر ''صوم زکریا'' جو بعض مسلمانوں کے ہاں اس روزے کے لئے مستعمل ہے جس میں خاموش رہنے اور بات نہ کرنے کی پابندی کی جائے۔ اس قسم کی اصطلاح کا نام اسی علاقے کے نام پر رکھنا چاہئے جہاں اس کا استعمال عام ہو۔ اس صورت میں ہم یہ کہیں گے کہ '' یہ بغداد کے مسلمانوں کی اصطلاح ہے'' یا قاہرہ کے مسلمانوں کی وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی اصطلاح کو کسی قید کے بغیر اصطلاح مسلمین کہنا یا عرف متشرعہ کہنا یا تسمیۃ المسلمین کہنا غلط ہے۔

یہی حال ہر اس اصطلاح کا ہے جو اسلام کے کسی خاص مذہب یا خاص فرقے کے ہاں مستعمل ہو۔ مثال کے طور پر لفظ الشاری اور لفظ المشرک جو خوارج کے ہاں خاص معنی کے لئے مستعمل ہیں۔ ان کے ہاں شاری کا وہی معنی ہے جو تمام مسلمانوں کے ہاں لفظ ''مجاہد'' کا اور ان کے ہاں لفظ ''مشرک'' سے مراد سارے مسلمان ہیں سوائے خوارج کے۔

یہی حال لفظ ''رافضی'' کا ہے جسے مکتب خلفاء کے بعض پیروکار مکتب اہل بیتؑ کے بعض پیروکاروں کو دشنام دینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

ان باتوں کے پیش نظر ہم پہلی اصطلاح کو اصطلاح خوارج اور دوسری اصطلاح کو مکتب

---

[1] مقدمہ سنن الدارمی باب فضل العلم والعالم ج ۱ صفحہ ۳۲ طبع دمشق۔

[2] مسلم باب الاجتہاد فی العشر الاواخر من شھر رمضان حدیث نمبر ۱۱۷۵

خلفاء کی اصطلاح کے نام سے یاد کریں گے۔

مذکورہ معروضات کی روشنی میں جب خوارج کے علاوہ دیگر لوگ لفظ ''شاری'' کا استعمال کریں تو ہم اس لفظ سے وہ معنی مراد نہیں لے سکتے جو فقط خوارج لیتے ہیں۔

د۔ حقیقت اور مجاز

جب کسی لفظ کا استعمال کسی معنی میں اس طرح سے عام ہو جائے کہ اس لفظ کے سنتے ہی سامع کے ذہن میں صرف اسی معنی کا تصور آ جائے مثال کے طور پر لفظ ''الاسد'' جس کے سنتے ہی مسلمانوں کے ذہن میں ایک حیوان درندہ کا تصور آتا ہے اور لفظ ''الصلاۃ'' جس کے سنتے ہی مسلمانوں کے ذہن میں ایک خاص عمل (نماز) کا تصور آتا ہے جو خاص اذکار کے ساتھ بجا لایا جاتا ہے تو اس صورت میں ہم لفظ ''الاسد'' کے بارے میں کہیں گے کہ یہ حیوان درندہ (شیر) کے لئے ''حقیقت'' ہے اور الصلاۃ'' کے بارے میں کہیں گے کہ یہ ان اعمال مخصوصہ کے لئے ''حقیقت'' ہے۔ پہلی مثال میں موجود ''الاسد'' کو حقیقت لغویہ کہتے ہیں اور دوسری مثال میں موجود لفظ (الصلاۃ) کو حقیقت شرعیہ کہتے ہیں۔

بسا اوقات لفظ ''الاسد'' کو استعمال کیا جاتا ہے تاہم اس سے شیر نہیں بلکہ بہادر انسان کو مراد لیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے: میں نے اسد کو مسجد میں گفتگو کرتے دیکھا۔ لفظ اسد کے اس استعمال کو استعمال مجازی کہا جاتا ہے۔ مذکورہ مثال کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس میں لفظ اسد کا استعمال مجازاً بہادر انسان کے لئے ہوا ہے۔ مجازی معنی کے استعمال کی صورت میں کلام یا مقام کے اندر کسی قرینے اور اشارے کا وجود ضروری ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ متکلم نے لفظ اسد سے اس کے حقیقی معنی کو مراد نہیں لیا ہے۔ لہذا اس جملے میں ''مسجد میں گفتگو'' کا تذکرہ قرینہ ہے اس بات کا کہ متکلم کی مراد شیر نہیں بلکہ بہادر انسان ہے کیونکہ شیر گفتگو نہیں کرتا۔

ثانیاً۔ عربی لغات کی تدوین

جب دوسری اور تیسری صدی ہجری میں عربی زبان کے ماہرین نے عربی الفاظ کی تدوین کا کام شروع کیا تو انہوں نے ہر لفظ کے آگے اس کے وہ تمام معانی لکھ دئے جو ایام جاہلیت سے لے کر ان کے دور تک ان کے ہاتھ آ سکے خواہ وہ معنی عرف عام میں مستعمل لغوی ہو یا شریعت اسلامی کے اندر مستعمل ہو یا مسلمانوں کے ہاں۔ البتہ مسلمان فقہاء نے اسلام کی فقہی اصطلاحات کے معانی کو معین کرنے اور ان کی تعریف کرنے کے لئے صدیوں تک قابل قدر جدوجہد کی ہے۔ مثال کے طور پر الصلاۃ، الصوم، الحج جیسی اصطلاحات۔ یوں اسلام کی فقہی اصطلاحات تمام مسلمانوں کے درمیان

معروف ہوگئیں۔ لیکن چونکہ اس قسم کی کوشش اسلام کی غیر فقہی اصطلاحات کے بارے میں نہیں کی گئی لہذا بعض اصطلاحات مسلمانوں کے ہاں غیر معروف ہو کر رہ گئیں خواہ ان الفاظ کا تعلق اصطلاحات شرعیہ سے ہو یا اصطلاحات متشرعہ (تسمیۃ المسلمین) سے۔ بنا بریں بہت سے اسلامی مفاہیم اور گاہے بعض شرعی احکام بھی ابہام وغموض کا شکار ہو گئے۔ مثال کے طور پر لفظ ''صحابی'' اور ''صحابہ'' جن کا ذکر ہم اس کے بعد کرنے والے ہیں۔

-----☆-----

مصاحبت رسول (ص) اور صحابہؓ دونوں مکاتب فکر کی نظر میں
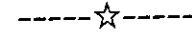
۱۔ دونوں مکاتب فکر کے ہاں صحابی کی تعریف
۲۔ عدالت صحابہؓ دونوں مکاتب فکر کی نظر میں
۳۔ دونوں مکاتب فکر کے ہاں صحابہؓ کا خلاصہ

دونوں مکاتب فکر کے ہاں صحابی کی تعریف

صحابی کی تعریف مکتب خلفاء کی نظر میں

علامہ ابن حجر عسقلانی صحابی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> صحابی وہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، ان پر ایمان لایا اور اس کی موت حالت ایمان پر ہوئی ہو۔

اس تعریف کی رو سے صحابی ہونے کی ایک شرط ملاقات رسول (ص) ہے خواہ ملاقات طویل مدت تک رہی ہو یا مختصر رہی ہو اور اس ملاقات کرنے والے نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں جنگ کی ہو یا نہ کی ہو خواہ اس نے آپ کو دیکھا ہو (اگرچہ مجالست نہ کی ہو) یا کسی مانع کے باعث نہ دیکھ سکا ہو مثلاً اندھے پن کی وجہ سے۔[1]

علامہ ابن حجر نے ایک ایسا ضابطہ بھی بیان کیا ہے جس کی رو سے بہت سے لوگ صحابہ کے زمرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> حضور مفتوحہ علاقوں میں صرف صحابہ کو ہی امارت کا عہدہ سونپتے تھے۔

اور یہ کہ ہجرت کے دسویں سال تک مکہ اور طائف کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی۔ مزید براں نبی کے آخری دور میں اوس وخزرج قبیلے کے سارے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے وقت کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو کفر کا اظہار کرتا ہو۔[2]

اگر کوئی شخص ہماری کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کا مطالعہ کرے تو اسے ان کی

---

[1] الاصحابہ فی تمییز الصحابہ ج ۱ صفحہ ۱ [2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ صفحہ ۱۳، ۱۶۔

اس غیر ذمہ دارانہ موقف اور احادیث پر اس کے منفی اثرات کا اندازہ ہوگا۔

مکتب اہل بیتؑ کی نظر میں صحابی کی تعریف

الصاحب کی جمع صحب، اصحاب، صحاب اور صحابہ ہے۔[1] الصاحب سے مراد ہے ساتھ زندگی گزارنے والا یا ساتھی۔ صحابی صرف اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی مصاحبت زیادہ ہو۔ طویل عرصے تک ساتھ رہنے کی صورت میں ہی مصاحبت صادق آتی ہے۔[2] چونکہ مصاحبت دو آدمیوں کے درمیان ہوتی ہے اس لئے واضح ہے کہ لفظ صاحب یا اس کی جمع صحب یا اصحاب وغیرہ کی اضافت اس اسم کے ساتھ ہونی چاہیے اور کلام میں مذکور ہو۔ چنانچہ قرآن میں اسی طرح استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر فرمایا گیا ہے: یا صاحبی السجن اور اصحاب موسیٰ وغیرہ۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں "صاحب رسول اللہ (ص)" و "اصحاب رسول اللہ (ع)" استعمال ہوتے تھے۔ یعنی لفظ صاحب اور اصحاب کو مضاف اور رسول اللہ (ص) کو مضاف الیہ قرار دیا جاتا تھا۔ اسی طرح اصحاب الصفة میں بھی اصحاب کو مضاف کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ان دنوں لفظ صاحب یا لفظ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے لئے ان سے مختص نام کے طور پر استعمال نہیں ہوئے تھے۔ لیکن مکتب خلافت سے تعلق رکھنے والے مسلمان آہستہ آہستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو "صحابی" اور "اصحاب" کے نام سے یاد کرنے لگے۔ بنا بریں اس اصطلاح کا تعلق تسمیة المسلمین یا بالفاظ دیگر "اصطلاح متشرعہ" سے ہے۔ یہ ہیں صحابی کی تعریف کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کی آراء۔

صحابی کی تشخیص کا معیار

مذکورہ عرائض کے علاوہ مکتب خلفاء سے تعلق رکھنے والے حضرات، جنہوں نے صحابہؓ کے حالات رقم کئے ہیں، صحابی کی پہچان کے لئے ایک ضابطے کی نشاندہی کی ہے، جسے ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں بیان کیا ہے اور کہا ہے:

> صحابی کی پہچان کے بارے میں بڑے بڑے علماء کی بیان کردہ علامات میں سے ایک (اگرچہ اس بارے میں کوئی تصریح موجود نہیں ہے) وہ ہے جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب "المصنف" میں ایک

---

[1] لسان العرب مادہ "صحب" [2] مفردات القرآن للراغب اصفہانی مادہ "صحب"

> قابل قبول سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے:
>
> انهم فی الفتوح لا یومرون الا الصحابة
>
> وہ مفتوحہ علاقوں میں صرف صحابہؓ کو امیر بناتے تھے۔[1]

قابل قبول سند کے ساتھ نقل ہونے والی یہ روایت وہی ہے جسے طبری اور ابن عساکر نے اپنی اسناد کے ساتھ سیف ابن عمر سے اس نے ابوعثمان سے، اس نے خالد اور عبادہ سے نقل کیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

> وكانت الروساء تكون من الصحابة حتى لم يجدوا من يحتمل ذالك[2]
>
> یعنی رؤساء کا تعلق اصحاب سے ہوتا تھا مگر یہ کہ اس صفت کا حامل شخص نہ مل سکے۔

طبری نے سیف ابن عمر سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتا ہے:

> حضرت عمرؓ مفتوحہ علاقوں میں اصحاب میں سے ہی کسی کو امیر بناتے تھے بشرطیکہ وہ صحابی اس کا اہل ہو۔ اگر ایسا صحابی نہ مل سکتا تو پھر کسی اچھے تابعی کو لیتے تھے۔ اچانک راوی بننے والے قیادت کی طمع نہ کرتے تھے۔[3]

صحابی کی تشخیص کے معیار کا تنقیدی جائزہ

مذکورہ بالا دونوں روائتیں سیف بن عمر سے مروی ہیں جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حدیث گھڑتا تھا اور زندیق تھا۔[4]

سیف نے مذکورہ اصول کو ابوعثمان سے نقل کیا ہے۔ ابوعثمان جو سیف کی روایات میں خالد اور عبادہ سے روایت کرتا ہے سے مراد، بقول سیف کے یزید بن اسید غسانی ہے اور یہ سیف کے وضع کردہ جعلی راویوں میں سے ایک کا نام ہے۔[5]

بہر حال ان روایات کے راویوں کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن تاریخی واقعات ان کی ذکر کردہ باتوں کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ اغانی کے مصنف روایت کرتے ہیں کہ امرؤ القیس حضرت

---

[1] الاصابہ ج۱ صفحہ۱۳ [2] تاریخ طبری ج۱ صفحہ۲۱۵۱ طبع یورپ [3] تاریخ طبری ج۱ صفحہ ۲۴۵۷ تا ۲۴۵۸

[4] سیف ابن عمر کے بارے میں مصنف (علامہ سید مرتضیٰ عسکری) کتاب "عبد اللہ بن سبا" کا مطالعہ کریں

[5] ملاحظہ ہو۔ کتاب "رواۃ مختلقون" قلمی اور "عبداللہ بن سبا" ج۱ صفحہ ۱۷ طبع بیروت ۱۴۰۳ھ

عمرؓ کے ہاتھوں مسلمان ہوا۔ انہوں نے اسے اپنے دور حکومت میں گورنر بنایا قبل اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک رکعت نماز ادا کرتا۔[1]

اس روایت کی تفصیل اس کے بعد عوف بن خارجہ المری سے مروی روایت میں موجود ہے۔ وہ کہتا ہے: خدا کی قسم میں عمر بن خطابؓ کے دوران خلافت میں اس کے پاس تھا۔ اتنے میں ایک شخص جس کے پاؤں کا اگلا حصہ نزدیک تھا اور ایڑی دور تھی سر کے دونوں طرف کے بال گرے ہوئے اور کم تھے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے آیا یہاں تک کہ وہ حضرت عمرؓ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور آداب خلافت بجا لایا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پوچھا: تم کون ہو؟ وہ بولا: میں ایک نصرانی ہوں۔ میں امرؤ القیس بن عدی کلبی ہوں۔ تب عمرؓ نے اسے پہچانا اور کہا: کیا چاہتے ہو؟ بولا: مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ پس حضرت عمرؓ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اس نے قبول کیا۔ قضاعہ[2] کی امارت بخش دی۔ جب وہ بزرگ جانے لگا تو اس کے اوپر (امارت کا) پرچم لہرا رہا تھا[3] اس کے علاوہ علقمہ بن علاثہ الکلبی کو ارتداد کے بعد حاکم بنانے کا واقعہ بھی مذکورہ بات کی نفی کرتا ہے۔ علقمہ کا واقعہ الاغانی اور الاصابہ میں اس کے حالات زندگی کے ضمن میں یوں مذکور ہے:

علقمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مسلمان ہوا اور اسے آپؐ کی صحبت نصیب ہوئی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے دور میں مرتد ہو گیا۔ پس ابو بکرؓ نے خالد کو اس کے پیچھے بھیجا تو وہ بھاگ گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا۔

الاصابہ میں مذکور ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کے دور میں شراب پیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کی تو وہ مرتد ہو کر روم چلا گیا۔ روم کے بادشاہ نے اس کو عزت و احترام سے نوازا اور کہا: تم عامر بن طفیل کے چچازاد بھائی ہو۔ یہ سن کر وہ ناراض ہو گیا اور بولا: میں یہ دیکھتا ہوں کہ میری پہچان صرف عامر کے حوالے سے ہوتی ہے۔[4] اس کے بعد وہ واپس لوٹا اور مسلمان ہو گیا۔

نیز الاغانی اور الاصابہ میں مذکور ہے کہ جب علقمہ بن علاثہ ارتداد کے بعد مدینہ واپس آ گیا تو عمرؓ بن الخطاب سے آدھی رات کو مسجد میں اس کی ملاقات ہو گئی۔ علقمہ خالد بن ولید کا دوست تھا۔

---

[1] کتاب الاغانی ج۱۴ صفحہ ۱۵۸ طبع بیروت

[2] قضاعۃ: بڑے بڑے قبایل پر مشتمل تھا جن میں خیدان، بہراء، بلی اور جہینہ وغیرہ شامل ہیں جمہرۃ انساب العرب لابن حزم صفحہ ۴۴۰ تا ۴۶۰ مطبوعہ مصر، یہ لوگ پہلے "شجر" میں رہتے تھے۔ اس کے بعد نجران اور پھر شام میں رہنے لگے ان کا ایک بادشاہ جو شام و حجاز سے لے کر عراق تک حکمرانی کرتا تھا (معجم قبائل العرب مادہ "قضاعۃ" ج۳ صفحہ ۹۵۷)

[3] کتاب الاغانی ج۱۴ صفحہ ۱۵۷، جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۲۸۴

[4] الاصابہ ج۲ صفحہ ۴۹۸ تا ۴۹۸، الاغانی ج۱۵ صفحہ ۵۶، ۷ جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۲۸۴

حضرت عمرؓ خالد سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ علقمہ نے ان کو خالد سمجھتے ہوئے اسے سلام کیا اور کہا:

تجھے اس نے معزول کر دیا؟

حضرت عمرؓ نے کہا:

ایسا ہی ہوا۔

علقمہ نے کہا:

بخدا اس کی وجہ تجھ پر رشک اور تجھ پر حسد کے علاوہ کچھ نہیں۔

عمرؓ نے اس سے کہا:

تم اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتے ہو؟

علقمہ بولا:

نعوذ باللہ ہم عمرؓ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ہم اس کے خلاف اقدام نہیں کریں گے۔

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اپنی ملاقات کرنے کی اجازت دی۔ خالد اور علقمہ بھی آ گئے۔ علقمہ خالد کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ حضرت عمرؓ نے علقمہ کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا:

ہاں اے علقمہ! تم تھے جو خالد سے بات کر رہے تھے؟

علقمہ نے خالد کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

اے ابوسلیمان! یہ تیری کارستانی ہے؟

خالد بولا:

وائے ہو تجھ پر۔ اللہ کی قسم میں نے اس سے قبل تجھ سے ملاقات نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ تم نے اس سے ملاقات کی ہے۔

بولا:

واللہ میرا بھی یہی خیال ہے۔

اس کے بعد علقمہ نے حضرت عمرؓ کی طرف رخ کیا اور کہا:

اے امیرالمومنین! آپ نے اچھی ہی سنی۔ کہا: ہاں کیا تم نہیں چاہتے کہ میں تجھے حوران کا والی بناؤں؟[1]

---

[1] حوران دمشق کا ایک وسیع صوبہ ہے جو بہت سی بستیوں اور زرعی زمینوں پر مشتمل ہے۔ (معجم البلدان ج۲ صفحہ ۳۵۸)

کہا:

کیوں نہیں۔

پس حضرت عمرؓ نے اسے وہاں کا حاکم بنایا اور وہ وہیں مر گیا۔ حطیہ نے اس موت پر مرثیہ کہا۔ الاصابہ نے مزید لکھا ہے: پس عمرؓ نے کہا:

جولوگ میرے پیچھے ہیں اگر وہ بھی تیری جیسی رائے کے حامل ہوں

تو یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے۔ فلاں فلاں چیزوں سے۔

یہ ایک تاریخی سرگزشت ہے لیکن مکتب خلفاء کے علماء نے ان کے روایات پر استناد کیا ہے او ان کی روایات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی پہچان کا معیار دریافت کیا ہے۔ انہوں نے سیف بن عمر کی خود ساختہ شخصیات کو اصحاب میں شمار کیا ہے۔ جبکہ سیف بن عمر کو زندیق کہا گیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں اس بات پر روشنی ڈالی ہے۔

صحابی کی تعریف کے مسئلے میں دونوں مکاتب فکر کی آراء کا مطالعہ کرچکنے کے بعد اب ہم ان دونوں کے ہاں صحابہؓ کی عدالت کے نظریئے پر بحث کریں گے۔

------☆------

عدالت صحابہؓ
دونوں مکاتب فکر کی نظر میں

صحابہؓ کی عدالت
مکتب خلفاء کی نظر میں

مکتب خلفاء کا نظریہ اس طرح ہے کہ سارے صحابہؓ عادل ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی دینی تعلیمات تک رسائی کے لئے ان سے رجوع کرتا ہے۔

اہل جرح وتعدیل کے امام حافظ ابو حاتم رازی[1] اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ تو یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے وحی اور قرآن کا مشاہدہ کیا اور تفسیر و تاویل کی معرفت حاصل کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدائے عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت، نصرت، اس کے دین کو قائم کرنے اور اس کے حق کو ظاہر کرنے کے لئے چنا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ کے اصحاب کی حیثیت سے ان سے راضی ہوا اور ان کو ہمارے لئے راہنما اور نمونہ قرار دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ ان تک پہنچایا، جو بھی قانون یا روش ان کو دی، جو حکم ان کو دیا، جو فیصلے کیئے، جس چیز کا امر کیا، سمجھا اور مضبوطی سے اپنی گرہ میں باندھ لیا۔ یوں انہوں نے رسولؐ کی نگرانی میں دین کی سمجھ بوجھ حاصل کی، خدا کے اوامر و نواہی اور مقاصد سے آگاہ ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کی تفسیر اور تاویل سیکھی۔ انہوں نے یہ چیزیں آپ سے براہ راست حاصل کیں اور آپ کے گفتار و کردار سے استنباط کا طریقہ سیکھا۔

بنا بریں خداوند عزوجل نے اپنے احسانات کے ذریعے ان کو فضیلت دی اور دوسروں کے لئے نمونہ بنا کر عزت بخشی۔ پس ان سے شک، کذب، غلطی، تہمت، فخر و غرور اور عیب جوئی کو دور کر کے ان کا نام عدول الامہ رکھا۔ چنانچہ اس نے قرآن میں فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ...[2]

اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ

---

[1] ان کا پورا نام یہ ہے: ابو محمد عبد الرحمن بن ابو حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ ان کی یہ کتاب الجرح و التعدیل ۱۳۷۱ھ میں دکن سے شائع ہوئی ہے۔ درج بالا عبارت اس کے مقدمہ صفحہ ۷ تا ۹ سے نقل کی گئی ہے۔

[2] سورہ بقرہ آیت ۱۴۳۔

گواہ رہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی طرف سے اس کے قول وسطاً کی تفسیر میں فرمایا کہ اس وسطًا سے مراد عدل ہے۔ پس وہ امت کے عدول، ہدایت کے امام، حُجج دین اور کتاب وسنت کے ناقل قرار پائے۔

خداوند عزوجل نے ان کی رہنمائی سے متمسک رہنے، ان کے طور طریقوں پر چلنے، ان کے راستوں کو اختیار کرنے اور ان کی پیروی کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہٗ الْھُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی....[1]

اور جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی احادیث میں آپ(ص) کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کی ترغیب دی ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپ ان احادیث میں اپنے صحابہؓ سے مخاطب ہوئے ہیں۔ ان روایات میں سے ایک میں آپ(ص) ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا اس شخص کو خوشحال زندگی عطا کرے جو میری بات کو سنے پھر اس کو یاد کرے اور محفوظ رکھے یہاں تک کہ دوسروں تک پہنچائے۔

آنحضرت(ص) نے اپنے خطبے میں فرمایا:

تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غائبین تک پہنچائیں۔

نیز فرمایا:

میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور میری باتوں کو بیان کرو کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں، سرحدوں، مفتوحہ علاقوں اور جنگی محاذوں میں پھیل گئے والی اور قاضی کی حیثیت سے یا احکام لے کر جگہ جگہ چلے گئے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے علاقے میں ان چیزوں کو پھیلایا جن کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا اور سمجھا تھا۔ جب لوگ ان سے سوالات کرتے تو وہ ان سے مشابہ سوالات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1] سورہ نساء آیت ۱۱۵۔ مکتب اہل البیتؑ کی نظر میں ان سب میں مقصود صرف مومنین ہیں۔

وسلم کی طرف سے دئے گئے جوابات کی روشنی میں فتویٰ دیتے تھے۔ انہوں نے حسن نیت اور قرب الٰہی کے ارادے کے ساتھ اپنے وجود کو اس بات کے لئے وقف کر رکھا تھا کہ لوگوں کو واجبات، احکام وسنن اور حلال وحرام کی تعلیم دیں یہاں تک کہ وہ خدا سے جا ملے۔ رضوان اللہ و مغفرتہ و رحمتہ علیھم اجمعین۔

حافظ ابن عبد البر اپنی کتاب استیعاب[1] کے مقدمے میں کہتے ہیں:

ان سب کی عدالت ثابت ہے۔

اس کے بعد وہ ان احادیث اور آیات کو ذکر کرنا شروع کرتے ہیں۔ جو ان میں سے مومنین کے بارے میں نقل ہوئی ہیں جیسا کہ ہم نے ابو حاتم رازی سے نقل کیا ہے۔

ابن اثیر اپنی کتاب اسد الغابہ[2] کے مقدمے میں لکھتے ہیں: وہ روایات جن پر احکام کی تفصیلات، حلال وحرام کی معرفت اور دیگر امور دین کا دارومدار ہے، تب ہی ثابت ہوں گی جب پہلے ان روایات کے راویوں کی معرفت حاصل ہو۔ ان راویوں اور رجال حدیث کا ہر اول دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی پہچان نہ رکھتا ہو تو ان کے بغیر اس کی جہالت شدید تر اور اس کی لاعلمی بھی سخت تر ہوگی۔ بنا بریں لوگوں پر ضروری ہے کہ ان صحابہؓ کے انساب واحوال سے باخبر ہوں۔

صحابہؓ ان تمام امور میں باقی راویوں کے مانند ہیں سوائے جرح و تعدیل کے کیونکہ سارے اصحاب عادل ہیں اور وہ جرح وتنقید سے بالا تر ہیں....

حافظ ابن حجر اپنی کتاب الاصابہ[3] کے مقدمے کی تیسری فصل میں صحابہ کے حالات اور ان کی عدالت کے بارے میں کہتے ہیں:

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سارے اصحاب عادل ہیں۔

اس امر میں سوائے معدودے چند بدعتیوں کے کسی نے مخالفت نہیں کی۔

یہ تھا صحابہؓ کی عدالت کے بارے میں مکتب خلفاء کا نظریہ۔ اب ہم یہاں مکتب اہل بیتؑ کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

---

[1] حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد عبد البر نمری قرطبی المالکی متوفی ۴۶۳ھ ان کی مشہور کتاب ''الاستیعاب فی اسماء الاصحاب'' حیدر آباد دکن اور مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

[2] معروف عالم عز الدین علی بن محمد عبد الکریم الجزری المعروف بہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ۔ ان کتاب ''اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد اول صفحہ ۳ سے محولہ عبارت نقل کی گئی ہے۔

[3] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج۱ صفحہ ۲۲۱۷، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ مصر ۱۳۵۸ھ۔

عدالت صحابہؓ مکتب اہل بیتؑ کی نظر میں

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مکتب اہل بیتؑ کا نقطہ نظریہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک تعداد مومنین پر مشتمل ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کی ہے۔ مثلاً شجرہ کے بارے میں فرمایا:

> بتحقیق اللہ ان مومنین سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔ پس جو ان کے دلوں میں تھا وہ اللہ کو معلوم ہو گیا۔ لہذا اللہ نے ان پر سکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح نازل فرمائی۔[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعت الشجرہ میں شرکت کرنے والوں میں سے فقط صاحب ایمان اصحاب کی تعریف کی ہے جو اس بیعت میں شریک منافقین مثلاً عبد اللہ بن ابی اور اوس بن خولی وغیرہ کو شامل نہیں۔[2]

اسی طرح قرآن کی روشنی میں مکتب اہل بیتؑ کا نقطہ نظریہ ہے کہ اصحاب کے اندر بعض منافقین بھی موجود تھے جن کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن کی بہت سی آیات میں کی ہے مثلاً قرآن کی ایک آیت یوں ہے:

> وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔[3]

> اور تمہارے گردو پیش کے بدوؤں میں اور خود اہل مدینہ میں بھی ایسے منافقین ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے (لیکن) ہم انہیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کے لئے لوٹائے جائیں گے۔

اصحاب کے درمیان کچھ ایسے بھی تھے جن کے بارے مین قرآن نے خبر دی ہے کہ وہ افک کے مرتکب ہوئے تھے یعنی انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجہ پر گناہ کی تہمت لگائی تھی۔

---

[1] سورۃ فتح آیت ۱۸

[2] بیعت رضوان سے متعلق، کتاب المغازی صفحہ ۵۸۸، الخطط المقریزیہ صفحہ ۲۸۴ وغیرہ کتب معتبرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

[3] سورۃ التوبہ آیت ۱۰۱

(ہم اس قول سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) بعض اصحاب کے بارے میں خدا نے فرمایا:

> وَ إِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ[1]

> اور جب انہوں نے تجارت یا کھیل تماشہ ہوتے دیکھ لیا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ (ص) کو کھڑے چھوڑ دیا۔

یہ واقعہ تب ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ اس کے علاوہ بعض صحابہ نے تو آپ کو اس وقت ایک دشوار گزار گھاٹی میں قتل کرنے کی کوشش کی تھی جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے۔[2] پھر رسول خدا (ص) کی مصاحبت کا مرتبہ آپ کی زوجیت کے مرتبے سے زیادہ تو نہیں کیونکہ ازواج رسول (ص) کی آپ کے ساتھ مصاحبت سے زیادہ قریبی مصاحبت کا تصور نہیں ہوسکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا:

> يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ... الخ.[3]

> اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہو جائے اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل انجام دے گی اسے ہم دوگنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے عزت کا رزق مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو.....الخ۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرًا ۝[4]

---

[1] سورۃ الجمعہ آیت ۱۱

[2] مسند الامام احمد ج ۵ صفحہ ۳۹۰، ۴۵۳، صحیح مسلم باب صفات المنافقین، جمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۱۰ ج ۶ صفحہ ۱۹۵، امتاع الاسماع مقریزی صفحہ ۴۷۷، تفسیر درمنثور للسیوطی ج ۳ صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹ زیر آیت نمبر ۷۴

[3] سورۃ الاحزاب آیت ۳۰-۳۲

[4] سورہ تحریم آیت ۴

اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو (تو بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرو گی تو اللہ یقیناً اس کا مولا ہے اور جبرئیل اور صالح مومنین اور فرشتے بھی اس کے بعد ان کے پشت پناہ ہیں۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ط كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ٥ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ٥ [1]

اللہ نے کفار کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، یہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انہیں حکم دیا گیا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور اللہ نے مومنین کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، جب اس نے دعا کی: پروردگارا! جنت میں میرے لیے اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی حرکت سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما۔ اور مریم بنت عمران کو بھی (اللہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔

صحابہؓ میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت

---

[1] سورہ تحریم آیت ۱۰۔ سورہ مریم ابتدا سے آخر تک دیکھئے۔

کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

میری امت کے بعض افراد (بروز قیامت) حاضر کئے جائیں گے اور برے لوگوں کے زمرے میں لے جائے جائیں گے۔

اس وقت کہوں گا:

اے رب! یہ لوگ میرے اصحاب ہیں۔

جواب ملے گا:

تمہیں پتہ نہیں کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا گل کھلائے ہیں۔

پس میں یہ کہوں گا جس طرح صالح (حضرت عیسیٰ ع) نے کہا تھا:

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ج فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ط [1]

جب تک میں ان کے درمیان رہا، میں ان پر گواہ رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو خود ہی ان پر نگران ہے۔۔۔

پس جواب ملے گا:

تیری وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے اور اسی حالت پر باقی رہے۔[2]

ایک اور روایت ہے:

بہ تحقیق میرے پاس حوض پر میرے کچھ اصحاب وارد ہوں گے۔ جب میں یہ مشاہدہ کروں گا کہ (فرشتے) انہیں میرے پاس آنے سے روک رہے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔

جواب ملے گا:

تجھے کیا خبر کہ ان لوگوں نے تیرے بعد کیا کچھ کیا؟[3]

صحیح مسلم کی روایت ہے:

بہ تحقیق حوض پر میرے ہاں کچھ اصحاب وارد ہوں گے۔ یہاں تک

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۱۱۷

[2] صحیح بخاری تفسیر سورۃ مائدہ باب و کنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم فلما توفیتنی کتاب الانبیاء باب واتخذ اللّٰہ ابراهیم خلیلا۔ سنن ترمذی باب ماجاء فی شان الحشر و تفسیر سورۃ طه۔

[3] صحیح بخاری باب فی الحوض ج۴ صفحہ ۹۵ باب ماجاء فی قوله واتقوا فتنة لا تصیبن، سنن ابن ماجہ باب الخطبة یوم النحر حدیث نمبر ۵۸۳۰، مسند امام احمد ج۱ صفحہ ۴۵۳ ج۳ صفحہ ۲۸ ج۵ صفحہ ۴۸۔

کہ میں جب انہیں دیکھوں گا اور وہ میرے سامنے کر دیے جائیں گے تو میرے پاس آنے سے روک دئے جائیں گے۔ بتحقیق میں اس وقت کہوں گا: اے میرے رب یہ میرے اصحاب ہیں۔ پس بتحقیق مجھے جواب ملے گا: تجھے خبر نہیں کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا گل کھلائے۔[1]

مومن اور منافق کی پہچان کا معیار

چونکہ صحابہ میں سے کچھ منافقین تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ''علی (ع) سے فقط مومن ہی محبت کرتا ہے اور اس سے بغض نہیں رکھتا مگر منافق'' جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ (ع)، ام المومنین ام سلمہؓ، عبداللہ بن عباس، ابوذر غفاری، انس بن مالکؓ اور عمرانؓ بن حصین نے روایت کی ہے۔ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مشہور و معروف تھی۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے:

> ہم منافقین کو نہیں پہچانتے تھے مگر اللہ اور رسول (ص) کے انکار، صلوات نہ بھیجنے اور بغض علی ابن ابی طالب (ع) کے مشاہدے سے۔[2]

حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں:

> ہم انصاری منافقین کو حضرت علی (ع) سے بغض کے ذریعے سے پہچانتے تھے۔[3]

حضرت عبداللہؓ بن عباس کہتے ہیں:

> ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں منافقین کو علی ابن ابی طالب (ع) کے ساتھ ان کے بغض کے ذریعے پہچانتے تھے۔[5]

اور جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے:

> ہم منافقین کو نہیں پہچانتے تھے مگر بغض علی ابن ابی طالب (ع) کے ذریعے۔[6]

---

[1] صحیح مسلم باب اثبات حوض نبینا ج۴ صفحہ ۱۸۰۰ حدیث نمبر ۴۰۔
[2] مستدرك على الصحيحين امام حاکم ج۳ صفحہ ۱۲۹، کنز العمال ج۱۵ صفحہ ۹۱،
[3] سنن ترمذی ج۱۳ صفحہ ۱۶۷، حلیۃ الاولیاء ج۶ صفحہ ۲۸۴۔
[5] تاریخ بغداد ج۳ صفحہ ۱۵۳ طبع بیروت
[6] الاستعاب ج۲ صفحہ ۴۶۴، الریاض النضرہ ج۲ صفحہ ۲۸۴، تاریخ الاسلام ذہبی ج۲ صفحہ ۱۹۸، مجمع الزوائد ج۹ صفحہ ۱۳۳ طبع قاہرہ۔

ان ساری باتوں اور امام علی علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان:

> اللهم وال من والاه و عاد من عاداه۔[1]
>
> خدایا! جو علیؑ سے دوستی کرے تو اس سے دوستی کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر۔

کے پیش نظر مکتب اہل بیت کے پیروکار اپنی دینی تعلیمات کسی ایسے صحابی سے اخذ کرنے سے احتراز کرتے ہیں جس نے خلیفہ راشد حضرت علی (ع) سے عداوت کی ہو اور آپ سے محبت نہ کی ہو، اس خوف سے کہ کہیں یہ صحابی ان منافقین میں سے نہ ہو جن کی حقیقت سے خدا ہی آگاہ ہے۔

------☆------

---

[1] سنن ترمذی باب مناقب علیؑ صفحہ ۱۶۵، سنن ابن ماجہ باب فضل علی حدیث نمبر ۱۱۶، مسند امام احمد ج۱ صفحہ ۸۴، ۸۸ مستدرک حاکم ج۲ صفحہ ۱۲۹ ج۳ صفحہ ۹، الریاض النضرہ ج۲ صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۵۔

صحابہؓ کے بارے میں
دونوں مکاتب فکر کے نظریات کا خلاصہ

صحابہؓ اور عدالت صحابہؓ
مکتب خلفاء کی نظر میں

مکتب خلفاء کی نظر میں صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہو اگر چہ دن کے ایک پہر کے لئے کیوں نہ ہو اور اسلام پر ہی مرے۔

مکتب خلفاء کے خیال میں دسویں ہجری تک مکہ اور طائف میں سب کے سب مسلمان ہو چکے تھے اور وہ سب حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ علاوہ بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری دور میں اوس اور خزرج قبیلے میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو چکا ہو۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خلفاء مفتوحہ علاقوں میں فقط صحابہؓ کو ہی حاکم بناتے تھے۔ اس قاعدے کے تحت انہوں نے ایسے لوگوں کو بھی اصحاب میں شامل کیا ہے جن کے بارے میں ہم نے ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' نامی کتاب میں دلیلوں کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ وہ جعلی تھے اور تاریخ میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔

مکتب خلفاء کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سارے اصحابؓ عادل ہیں، وہ اعتراض وتنقید سے بالاتر ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی کے نقائص بیان کرے وہ کافر و زندیق ہے۔

ساتھ ہی مکتب خلفاء کے خیال میں جو شخص بھی ان کی اصطلاح کے مطابق ''صحابی'' ہے اس کی تمام روایات صحیح ہیں۔ یوں وہ تمام اصحابؓ سے تعلیمات دین اخذ کرتے ہیں۔

صحابہؓ مکتب اہل بیتؑ کے نظر میں

مکتب اہل بیت کا عقیدہ ہے کہ صحابی کا لفظ شرعی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ عربی کے دیگر عام الفاظ کی طرح (لغوی معنی کا حامل) ہے۔ عربی زبان میں صاحب سے مراد ساتھی اور باہم زندگی گزارنے والا۔ بنا بریں یہ لفظ اسی شخص کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جس کی مصاحبت کی مقدار کافی طویل ہو۔ اور مصاحبت چونکہ دو افراد کے درمیان ہوتی ہے۔ اس لئے لفظ صاحب یا اس کی جمع اصحاب، صحابہ وغیرہ کو بطور مضاف استعمال کرنا ہو گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں یَا صَاحِبَیِ السِّجْنُ اور اصحاب موسیٰ وغیرہ کا استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے دور میں بھی اسی طرح استعمال ہوتا تھا اور اصحاب رسول اللہ (ص)، صاحب رسول اللہ (ص) وغیرہ کہتے تھے۔ یعنی لفظ صاحب کو مضاف اور رسول اللہ کو مضاف الیہ قرار دیتے تھے۔ اسی طرح دوسری چیزوں کو بھی مضاف الیہ بناتے تھے۔ مثال کے طور پر "اصحاب الصفہ" ہیں جو مسجد رسول (ص) کے سائبان تلے زندگی گزارنے والوں کے لئے کہا کرتے تھے۔

رسول اللہ (ص) کے بعد لفظ صحابی مضاف الیہ کے بغیر ہی استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد لوگ اصحاب رسول (ص) کو ہی لیتے تھے۔ اسی طرح یہ لفظ اصحاب رسول (ص) کے لئے نئی اصطلاح بن گیا۔ بنا بریں صحابی اور صحابہ کے الفاظ کا تعلق اصطلاح متشرعہ یا تسمیۃ المسلمین سے ہے، اصطلاح شرعیہ سے نہیں۔

رہی ان کی عدالت تو اس کے بارے میں مکتب اہل بیت کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق یہ ہے کہ صحابہ میں سے بعض منافقت پر ڈٹے رہے۔ بعض نے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ پر گناہ کی تہمت لگائی۔ بعض اصحاب نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی اور بعض کے بارے میں حضور (ص) نے خبر دی ہے کہ بروز قیامت ان کو آپ (ص) کے حضور آنے سے روک دیا جائے گا۔ تب خدا کی طرف سے جواب ملے گا:

> آپ (ص) کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ (ص) کے بعد کیا کیا گل کھلائے تھے۔ آپ (ص) کی وفات کے بعد ان لوگوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا۔

مکتب اہل بیتؑ کے خیال میں اصحاب کے درمیان صاحب ایمان ہستیاں بھی تھیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی احادیث میں ان کو سراہا ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں جن اصحابؓ کی تعریف ہوئی ہے ان سے مراد یہی ہیں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (ع) سے محبت یا آپ سے بغض کو مومن اور منافق کی پہچان کا معیار قرار دیا ہے۔ اسی لئے مکتب اہل بیتؑ کے پیروکار راویان حدیث کے بارے میں چھان بین کرتے ہیں۔ پس اگر انہوں نے حضرت علی (ع) یا ائمہ اہل بیت (ع) کے ساتھ جنگ یا دشمنی کی ہو تو وہ اپنے آپ کو ان لوگوں کی روایات اخذ کرنے کے پابند نہیں سمجھتے خواہ یہ لوگ صحابی ہوں یا غیر صحابی۔

صحابی کی تعریف اور اس کی عدالت کے بارے میں یہ تھا دونوں مکاتب فکر کی آراء کا خلاصہ۔
اب ہم امامت و خلافت کے بارے میں ان دونوں مکاتب فکر کے نظریات پر روشنی ڈالیں گے۔

☆☆☆☆☆

امامت
دونوں مکاتب فکر کی نظر میں

۱۔ خلافت صدر اسلام کی تاریخ کے آئینے میں۔
۲۔ امامت کے بارے میں مکتب خلفاء کے نظریات۔
۳۔ امامت کے بارے میں مکتب اہل بیت (ع) کے نظریات۔
۴۔ امامت کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات کا خلاصہ۔

تشکیل خلافت صدر اسلام
کی تاریخ کے آئینے میں

امامت و خلافت کے بارے میں مکتب اہل بیتؑ اور مکتب خلفاء کے موقف اور نظریات کی بحث شروع کرنے سے پہلے ہمیں اسلام کے ابتدائی دور میں تشکیل خلافت کی تاریخی سرگزشت سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

حکومت کے مسئلے پر مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن سے ہی شروع ہوا۔ رسولؐ اللہ نے رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اپنے غلام زید کے بیٹے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے پرچم عنایت فرما کر ایک ایسے لشکر کا امیر بنا دیا تھا جس میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ بن الخطاب، ابو عبیدہؓ، سعدؓ بن ابی وقاص اور سعیدؓ بن زید وغیرہ کے بشمول مہاجرین اولین اور انصار کی تمام چیدہ چیدہ شخصیات کو شامل ہونے کا حکم فرمایا تھا۔

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ''جرف'' کے مقام پر اس لشکر نے پڑاؤ کیا۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا:

> اس لڑکے کو مہاجرین اولین کا سردار بنایا جا رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت غضبناک ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر پٹی باندھے اور چادر لپیٹے باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے:

> میری طرف سے اسامہ کو امیر لشکر بنانے پر تم میں سے بعض لوگوں کو کیوں اعتراض ہے؟ تم لوگوں نے اس سے قبل اس کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کا سزاوار تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بھی امارت کے لائق ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے۔ اسامہ کے ساتھ جانے والے آپ کو الوداع کرنے کے لئے آرہے تھے اور لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ ادھر آپ کی طبیعت ناساز ہوئی اور آپ اس حالت میں بار بار فرماتے رہے:

لشکر اسامہ کو جلدی بھجو۔

اتوار کے دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری شدید ہوگئی ۔ پیر کے دن اسامہ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا ۔ اتنے میں ان لوگوں کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت قریب ہے۔ یہ سن کر اسامہ، حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ مدینہ آگئے ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت لکھنے کا مسئلہ

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت قریب ہوئی تو اس وقت گھر میں عمرؓ ابن الخطاب کے بشمول کچھ لوگ موجود تھے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

آؤ میں تمہارے لئے تحریر لکھ دیتا ہوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

نبی(ص) پر تکلیف کا غلبہ ہوگیا ہے ۔تمہارے پاس خدا کی کتاب موجود ہے اور ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

وہاں موجود صحابہؓ میں اختلاف ہوگیا۔ ان میں سے کچھ نے حضرت عمرؓ والی بات دہرائی۔ جب ان کے درمیان شور اور اختلاف میں اضافہ ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قوموا عني لا ينبغي عندي التنازع۔[2]

میرے ہاں سے چلے جاؤ ۔ میرے پاس جھگڑا نہیں ہونا چاہیے۔

ایک روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ اتنا روئے کہ (وہاں پڑے ہوئے) کنکران کے آنسوؤں سے تر ہوگئے ۔ پھر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

میرے پاس کاغذ لے آؤ تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں گا کہ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۱۹۰' ۱۹۲ طبع بیروت، دیگر مصدر و مآخذ کے لئے کتاب عبداللہ بن سبا جلد اول باب بعث اسامۃ کو دیکھا جائے۔

[2] صحیح بخاری باب کتابۃ العلم ج صفحہ ۲۲،۳۳

یہ سن کر انہوں نے جھگڑنا شروع کر دیا جبکہ کسی نبی کے پاس نزاع غلط بات ہے۔ پس انہوں نے کہا :

(نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہذیان گوئی کی ہے ۔[1]

ایک روایت ہے کہ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے:

یہ مصیبت کتنی بڑی مصیبت ہے کہ صحابہؓ کے اختلاف او ران کے شور وہنگامے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تحریر وصیت کے درمیان رکاوٹ پید ہوگئی۔[2]

رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر حضرت عمرؓ کا موقف

آپ(ص) پیر کے دن نصف النہار کے وقت خالق حقیقی سے جا ملے ۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر سنح گئے ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ موجود تھے ۔ حضرت عمرؓ نے اذن طلب کیا اور مغیرہ ابن شعبہ کے ساتھ آپ(ص) کے پاس آئے پھر آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر کہنے لگے:

ہائے بے ہوشی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ہوشی کس قدر شدید ہے؟

مغیرہ نے کہا:

بخدا رسول اللہ وفات پا گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

تو جھوٹ کہتا ہے۔ آپ(ص) نہیں مرے بلکہ تم ایک فتنہ گر انسان ہو۔ آپ ہرگز نہیں مریں گے جب تک منافقین کا خاتمہ نہ کردیں۔[3]

پھر حضرت عمر بولنے لگے :

بعض منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ(ص) وفات پاگئے ہیں۔ رسول اللہ(ص) نہیں مرے ۔ وہ تو اپنے رب کے پاس گئے ہیں جس

---

[1] صحیح بخاری باب جوائز الوفد ج ۲ صفحہ ۱۲۰، باب اخراج الیھود من جزیرۃ العرب ، صحیح مسلم باب ترک الوصیۃ انکے علاوہ دیگر حوالہ جات دیکھنے کیلئے کتاب '' عبداللہ بن سبا ج صفحہ ۹۸، ۱۰۲ طبع بیروت ۱۴۰۳ھ ملاحظہ فرمائیں

[2] صحیح بخاری باب کراھیۃ الخاف ، باب قول المریض قوموا عنی از کتاب المرضیٰ۔

[3] سند امام احمد ج ۲ صفحہ ۲۱۹

طرح حضرت موسیٰ(ع) اپنی قوم کو چھوڑ کر اس کے پاس گئے اور چالیس دن غائب رہے۔ و اللہ رسول اللہ(ص) ضرور واپس آئیں گے اورضرور لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ کر رکھ دیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ(ص) مرگئے ہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ وہ مرگئے ہیں میں اس کے سر پر اپنی تلوار ماروں گا۔ وہ تو بس آسمان پر چلے گئے ہیں۔[1]

پھر مسجد میں حضرت عمر کو یہ آیت سنائی گئی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ[2]

محمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو بس رسول ہی ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ بھلا اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟[3]

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ میں نے ان کے چہرہ مبارک پر وہ آثار دیکھے ہیں جو میں آل عبدالمطلب کے چہروں پر ان کی موت کے وقت دیکھتا رہا ہوں۔ پھر کہا:

کیا تم میں سے کسی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کوئی وصیت یا خاص بات ہے جو آپ(ص) نے اپنی موت کے بارے میں فرمائی ہو؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں بتائے۔

حاضرین نے کہا:

نہیں۔

عباس نے کہا:

لوگوں! گواہ رہنا کوئی شخص اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوئی وصیت اپنی موت کے بارے میں فرمائی ہو۔[4]

---

[1] تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۱۸۱۸ مطبوعہ یورپ، تاریخ ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۱۶۔ [2] سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴

[3] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۵۷، کنزالعمال ج ۴ صفحہ ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲، البدایہ والنھایہ ج ۵ صفحہ ۲۴۳، شرح المواھب اللدنیہ للزرقانی ج ۸ صفحہ ۲۸۱، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۶۲۷۔

[4] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۵۷، البدایہ والنہار ج ۵ صفحہ ۲۴۳، سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۰، کنزالعمال ج ۴ صفحہ ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲، تمہید للباقلانی صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳۔

پھر حضرت عمرؓ اس قدر بولتے رہے کہ ان کے منہ کے کناروں سے جھاگ نکلنے لگی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر سنخ سے آگئے اور یہ آیت پڑھنے لگے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ.....الخ

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا:

کیا یہ قرآن میں ہے؟

بولے: ہاں

پس حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔[1]

سقیفہ بنی ساعدہ اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت

انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے۔ مہاجرین کی ایک جماعت بھی ان کے ہمراہ ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ان کے قریبی رشتہ داروں کے سوا کوئی آدمی نہ رہا۔ انہی افراد نے آپ کے غسل وکفن کا بندوبست کیا۔ یہ افراد حضرت علیؑ، عباسؓ، فضلؓ بن عباس، قثمؓ بن عباس، اسامہؓ بن زید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام صالح اور اوس بن خولی انصاری تھے۔[2]

سقیفہ بنی ساعدہ کی روداد حضرت عمرؓ کی زبانی

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاں بلا یا تو ہمیں خبر ملی کہ انصار سقفیہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے ہیں حضرت علی مرتضیٰ(ع)، حضرت زبیر اور ان دونوں کے حامیوں نے ہماری مخالفت کی ہے۔ میں نے ابوبکرؓ سے کہا:

ہمیں اپنے انصاری بھائیوں کے پاس لے چلو۔

پس ہم چلے یہاں تک کہ ہم ان کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ سعد بن عبادہ ہے جو بخار کی وجہ سے بے حال ہے۔ ہم تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ اس کے بعد ان کے خطیب نے کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء

---

[1] انساب الاشراف ج ۱ صفحہ ۵۶۷، طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۵۳، ۵۴، کنزالعمال ج ۴ صفحہ ۵۳ تاریخ الخمیس ج ۲ صفحہ ۱۸۵، سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۲، تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۱۸۱۷، البدایہ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۲۴۳۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷۰، کنزالعمال ج ۴ صفحہ ۵۴، ۶۰، العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۶۱، تاریخ الاسلام للذہبی ج ۱ صفحہ ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۶۔

بیان کی: پھر کہا

اما بعد ہم انصار خدا اور اسلام کے سپاہی ہیں اور اے مہاجرین تم مٹھی بھر ہی تو ہو۔

میں نے بات کرنی چاہی تو ابوبکرؓ نے کہا:

صبر سے کام لو۔

پس انہوں نے خود گفتگو کی۔ اللہ کی قسم انہوں نے ہر وہ بات کہ ڈالی جو میں چاہتا تھا۔ بلکہ میری توقع سے بھی بہتر باتیں کیں اور کہا:

تم لوگوں (انصار) نے جن فضائل کا ذکر کیا ہے ان کے تم اہل ہو لیکن منصب خلافت اس خاندان قریش کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے ہرگز سزاوار نہیں ہوسکتا۔ وہ نسب اور خاندان کے لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز ہیں۔

میں تمہارے لئے ان دو افراد کو پسند کرتا ہوں پس ان دونوں میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو۔ یہ کہہ کر میرا اور ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑلیا۔ اس بات کے علاوہ مجھے ان کی ساری باتیں پسند آئیں۔ اتنے میں ایک انصاری بول اٹھا:

ہم اسلام کے فریادرس اور پشت پناہ ہیں۔ اے قریش! ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہئے اور ایک تم میں سے۔

اس بات پر کافی جھگڑا ہوا اور شوروغل کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ میں نے جھگڑا نمٹادیا اور کہا:

اے ابوبکرؓ اپنا ہاتھ دراز کرو۔

پس اس نے ہاتھ بڑھایا تو سب سے پہلے میں نے ان کی بیعت کی اور میرے بعد انصار نے۔ پھر ہم سعدؓ بن عبادہ پر غالب آگئے۔

پس جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر کسی شخص کی بیعت کرے تو نہ اسکی بیعت کی جائے اور نہ اس شخص کی جس کی اس نے بیعت کی ہے اس خوف سے کہ وہ دونوں قتل نہ کر دئے جائیں۔[1]

طبری نے سقیفہ اور بیعت ابوبکرؓ کے واقعے کے بارے میں لکھا ہے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے اور جنازہ رسولؐ کو چھوڑ گئے جسے آپ کے قریبی رشتہ دار غسل دیتے رہے۔

---

[1] صحیح بخاری باب رجم لحبلی من الزنا ج ۴ صفحہ ۱۲۰۔

انصار کہتے تھے:

ہم محمد(ص) کے بعد یہ امارت سعدؓ بن عبادہ کے حوالے کریں گے۔

چنانچہ وہ سعدؓ کو اپنے ساتھ نکال کر لے گئے، حالانکہ وہ بیمار تھے۔ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریر کی وہ یوں ہے۔

اس نے خدا کی حمد وثناء کی اور دین میں انصار کی سبقت، اسلام میں ان کی فضیلت، ان کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب نبیؐ کی عزت وتکریم حضور(ص) کے دشمنوں کے ساتھ اپنی جنگجوں کا ذکر کیا اور کہا:

ان امور کے باعث عرب سدھر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے راضی رہ کر دنیا سے چل بسے۔

انہوں نے مزید کہا:

دوسروں کو موقع نہ دو اور اس خلافت پر اپنی گرفت مضبوط کرلو۔

ان سب نے جواب دیا:

تیری رائے صحیح اور تیرا قول درست ہے۔ ہم تیری رائے سے تجاوز نہیں کریں گے۔ ہم یہ امارت تیرے سپرد کریں گے۔

اس کے بعد ان کے درمیان باتیں ہوتی رہیں اور کہنے لگے:

اگر مہاجرین قریش نے انکار کیا اور کہا کہ ہم مہاجر ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولین اصحاب ہیں آپ کے رشتہ دار اور مدد گار ہیں پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس معاملے میں کس بات پر ہم سے جھگڑتے ہو؟ تو پھر کیا ہوگا؟

یہ سن کر ان کے ایک گروہ نے کہا:

پس ہم یہ کہیں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔

یہ سن کر سعد بن عبادہ نے کہا:

یہ کمزوری کی ابتداء ہے۔[1]

جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ و اس واقعہ کی خبر ہوئی پس وہ ابوعبیدہؓ بن الجراح کے ساتھ سقیفہ کی طرف جلدی چل پڑے۔ ان کے ساتھ اسیدؓ بن حضیر، عویم بن ساعدہ اور عاصم بن عدی جو بنی عجلان سے تعلق رکھتے تھے بھی چلے گئے۔[2]

---

[1] تاریخ طبری حوادث سنۃ ۱۱ھ ج ۲ صفحہ ۴۵۶ طبع یورپ۔ اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۱۲۵ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صفحہ ۵ طبع مصر۔

[2] سیرت ابن ہشام ج ۴ صفحہ ۳۳۹ طبع مصر۔

حضرت ابوبکرؓ نے (حضرت عمر کو بات کرنے سے منع کرنے کے بعد) خود بات کرتے ہوئے پہلے خدا کی حمد وثناء کی۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے میں تمام عرب پر مہاجرین کی سبقت کا ذکر کیا اور کہا:

وہ روئے زمین پر سب سے پہلے خدا کی عبادت کرنے والے اور رسول(ص) کے مددگار اور رشتہ دار ہیں۔ وہ آپ کے بعد امارت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس معاملے میں کوئی ظالم ہی ان کے ساتھ نزاع کرسکتا ہے۔

اس کے بعد انصار کی فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

مہاجرین اولین کے بعد کسی کا مرتبہ ہمارے نزدیک تمہارے برابر نہیں ہے بنابرایں ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر ہوں گے۔

اس کے بعد حبابؓ بن منذر نے اٹھ کر کہا:

اے انصار !تم اپنے موقف پر مضبوطی سے ڈٹے رہو۔ یہ لوگ تمھارے زیرسایہ رہ رہے ہیں۔ کسی کو یہ جرات نہیں ہوسکتی کہ تمہارے خلاف کچھ کہے۔ اختلاف کا شکار مت ہوجاؤ۔ وگرنہ تمہاری تدبیر بگڑ جائے گی اور تم ناکام ہوجاؤ گے۔ اگر وہ لوگ اپنی بات پر اڑے رہیں جسے تم سن چکے ہو تو پھر ایک امیر ہم میں سے ہوگا ایک ان میں سے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ بولے:

ہرگز نہیں۔ ایک ہی وقت میں دو امیر نہیں ہوسکتے۔ اللہ کی قسم عرب اس بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ تمہیں اپنا امیر بنائیں جبکہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق تم سے نہیں ہے لیکن اہل عرب کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ان کا حاکم اور ولی امر اس گھرانے سے منتخب ہو جس میں نبوت ہے۔ بنابرایں منکرین کے خلاف ہماری دلیل واضح اور ہماری گواہی مضبوط ہے۔ کون ہے جو محمد کی حکومت و امارت میں ہمارے ساتھ نزاع کرے جبکہ ہم آپ(ص) کے حمایتی اور رشتہ دار ہیں سوائے اس شخص کے جو غلط کار، بولے، گناہ گار اور آپ اپنے ہاتھوں ہلاک ہونے والا ہے؟

پس حضرت حبابؓ بن منذر کھڑے ہوگئے اور بولے:

اے انصار! اپنی بات پر قائم رہ اور اس شخص کی بات نہ سنو نہ اس کے ساتھیوں کی بات سنو۔ وہ امارت میں تمہیں کوئی حصہ نہیں دیں گے۔ اگر یہ لوگ تمہارا مطالبہ ماننے سے انکار کریں تو انہیں اس علاقے سے نکال باہر کرو اور اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں اپنا تابع بنا لو کیونکہ اللہ کی قسم تم ان سے زیادہ اس امارت کے مستحق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری تلواروں سے اسلام کو نہ ماننے والے اس دین کے مطیع بن گئے۔ ہم ہی اسلام کے دادرس اور پشت پناہ ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو ہم اسے پہلی حالت پر واپس لائیں گے۔

حضرت عمرؓ بولے:

خدا تمہیں ہلاک کرے۔

وہ بولا:

نہیں بلکہ تجھے ہلاک کرے۔

اتنے میں ابوعبیدہ نے کہا:

اے گروہ انصار! بے شک سب سے پہلے (ہماری) نصرت کرنے والے اور ہمیں پناہ دینے والے تم لوگ ہی تھے۔ اب اپنا طور طریقہ بدلنے میں پہل نہ کرو۔

یہ سن کر بشیرؓ ابن سعد خزرجی کھڑے ہوگئے اور کہا:

اے انصار! اللہ کی قسم اگر مشرکین کے ساتھ جہاد میں ہمیں کوئی فضیلت حاصل ہے یا اس دین میں ہمیں کوئی سبقت حاصل ہے تو اس میں ہمارا مقصد صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی' اپنے رسولؐ کی اطاعت اور اپنی بھلائی کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ بنا بریں ہمیں اس کے ذریعے لوگوں پر تسلط جمانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم دنیا کو اس کا عوض قرار دینا نہیں چاہتے کیونکہ دین تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے۔ جان لو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق قریش سے تھا اور آپ(ص) کا قبیلہ امارت کا زیادہ حقدار ہے۔ اللہ

کی قسم میں اس مسئلے میں ان کے ساتھ کبھی نزاع نہ کروں گا پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان کی مخالفت نہ کرو اور نہ ان سے نزاع کرو۔

پس ابوبکرؓ بولے:

یہ عمرؓ ہے اور یہ ابوعبیدہ ہے۔ ان میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو۔

ان دونوں نے کہا:

اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہم تو یہ ذمہ داری آپ کو سونپنا چاہتے ہیں۔

بعدازاں عبدالرحمانؓ بن عوف نے کھڑے ہوکر کہا:

اے گروہ انصار! اگرچہ تم صاحب فضیلت ہو لیکن تمہارے درمیان ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؑ جیسے افراد موجود نہیں۔

پھر منذرؓ بن الارقم کھڑے ہوگئے اور کہا:

ہم تمہاری فضیلت کا انکار نہیں کرتے۔ بلاشک وشبہ ان لوگوں میں ایک شخص ہے کہ اگر وہ اس امارت کو طلب کرے تو کوئی اس سے نزاع نہ کرے گا یعنی علی ابن ابی طالب۔[1]

پس انصاریوں نے یا کچھ انصاریوں نے کہا:

ہم علی بن ابی طالب (ص) کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔[2]

حضرت عمرؓ کہتے ہیں:

پس جھگڑا بڑھ گیا اور شوروغل بلند ہوگیا یہاں تک کہ مجھے اس اختلاف سے خوف محسوس ہوا۔

پس میں نے ابوبکر سے کہا:

اپنا ہاتھ دراز کروتا کہ میں تیری بیعت کروں۔[3]

پس جب وہ دونوں ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے بڑھے تو بشیر ابن سعد نے ان دونوں پر سبقت کرتے ہوئے بیعت کی۔ یہ دیکھ کر حباب ابن منذرؓ نے اسے پکار کر کہا:

اے بشیر ابن سعد! کیا تمہیں اپنے بھائی کی امارت پر حسد ہوا ہے؟[4]

---

[1] الموفقیات لابن بکار صفحہ ۵۷۹ بغداد، تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۰۳ طبع بیروت۔ الاخبار

[2] تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۲۰۸ طبع یورپ۔ اسدلغابہ ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۲۳۔

[3] سیرت ہشام ج ۴ صفحہ ۳۳۲۔ [4] تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۱۸۴۲۔

بشیر نے کہا:

اللہ کی قسم ایسا نہیں بلکہ میں ان لوگوں کے ساتھ اس حق پر نزاع نہیں کرنا چاہتا جو خدا نے ان کو عطا کیا ہے۔

جب قبیلہ اوس نے ایک طرف سے بشیر کے اس اقدام کو دیکھا دوسری طرف سے قریش کے دعویٰ کو اور تیسری جانب سے سعد ابن عبادہ کو امیر بنانے کے لئے قبیلہ خزرج کے مطالبے کو تو ان میں سے بعض نے بعض سے (جن میں اسیدؓ بن حضیر بھی جو نقیبوں میں سے ایک تھے شامل تھے) کہا:

اللہ کی قسم اگر خزرجیوں کو تمہارے اوپر ایک دفعہ امارت مل گئی تو اس کے سبب انہیں تم پر فضیلت حاصل رہے گی اور وہ ہرگز تمہیں اس میں حصہ دار نہیں بنائیں گے۔ پس اٹھو اور ابوبکرؓ کی بیعت کرو۔

پس وہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔ یوں سعدؓ بن عبادہ اور خزرجی جس مقصد کیلئے جمع ہوئے تھے وہ چکنا چور ہوگیا۔ پھر لوگ ہر طرف سے ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے آگے بڑھے اور قریب تھا کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ ان کے پاؤں تلے کچلے جاتے۔ یہ دیکھ کر حضرت سعدؓ کے کچھ افراد نے کہا:

سعد کا کچھ خیال کرو، اس کو کچل نہ ڈالو۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

اس کو قتل کردو۔ خدا اس کو ہلاک کردے۔

پھر وہ حضرت سعدؓ کے سر پر کھڑے ہوگئے اور بولے:

میرا اردہ تھا کہ تمہیں کچل دوں یہاں تک کہ تیرے اعضاء الگ ہوجائیں۔

یہ دیکھ کر قیسؓ بن سعد نے حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑلی اور کہا:

بخدا اگر تم نے اس کا ایک بال بھی کاٹ لیا تو جب تک تیرے سارے دانت توڑ نہ دوں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔

اس وقت ابوبکرؓ نے کہا:

اے عمر صبر سے کام لو۔ یہاں نرمی زیادہ موثر ہے۔

پس حضرت عمرؓ نے ان سے توجہ ہٹالی۔ حضرت سعدؓ نے کہا:

اللہ کی قسم! اگر میرے اندر اٹھنے کی سکت ہوتی تو پھر میری جانب سے مدینہ کے گوشہ وکنار اور گلی کوچوں میں گھن گرج کی وہ آواز آتی کہ تم

اور تمہارے ساتھی دم بخود رہ جاتے ۔ اللہ کی قسم اس صورت میں
تمہیں ان لوگوں سے ملحق کرتا جن کے ساتھ تم رہتے تھے۔ پھر تم
مطیع ہوتے نہ کہ امیر۔ مجھے یہاں سے اٹھاؤ ۔ پس لوگ اسے اٹھا
کر اس کے گھر لے گئے۔[1]

ابوبکر جوہری نے نقل کیا ہے:

اس دن (حضرت ابوبکر کی بیعت کے دن) عمرؓ کمر بند باندھے
ابوبکرؓ کے آگے آگے تیز تیز چل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے: سنو!
تحقیق لوگوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کی ہے۔۔۔۔الخ[2]

لوگوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کی پھر وہ انہیں بیعت کے لئے مسجد لے آئے ۔عباسؓ اور حضرت علیؑ نے مسجد سے تکبیر کی آواز سنی جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔علی نے پوچھا:

کیا ماجرا ہے؟

حضرت عباسؓ نے کہا:

ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔میں نے آپ سے کیا کہا تھا؟[3]

خطرے کی گھنٹی

حضرت براءؓ بن عازب نے آکر بنی ہاشم کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا:

اے بنی ہاشم ابوبکرؓ کی بیعت ہوگئی ہے۔

یہ سن کر ان میں سے بعض نے بعض سے کہا:

مسلمان ہماری غیر موجودگی میں کوئی نیا اقدام نہیں کرتے تھے جبکہ
ہم سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی ہیں۔

حضرت عباسؓ نے کہا:

رب کعبہ کی قسم انہوں نے جو کرنا تھا کر لیا۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۴۵۵، ۳۵۹۔

[2] کتاب السقیفہ صفحہ ۴۷، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۳۳ طبع مصر۔

[3] العقد الفرید ج ۴ صفحہ ۲۵۸، ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۳۲، الاخبار الموفقیات لابن بکار صفحہ ۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۳، ۵۹۲ مطبوعہ بغداد۔

عام مہاجرین اور انصار کی اکثریت کو رسول اللہ (ص) کے بعد حضرت علی (ع) کی امارت میں کوئی شک نہیں تھا۔[1] مہاجرین و انصار کو علیؑ کے مسئلے میں کوئی تردد نہیں تھا

طبری نے نقل کیا ہے:

قبیلہ اسلم اپنی جماعت کے ساتھ آیا یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی
گلیاں کھچا کھچ بھر گئیں اور انہوں نے ابوبکر کی بیعت کی۔

چنانچہ عمرؓ کہا کرتے تھے:

جب میں نے قبیلہ اسلم کو دیکھا تو مجھے کامیابی کا یقین ہوگیا۔[2]

جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوگئی تو ان کی بیعت کرنیوالے لوگ انہیں لے کر تیزی سے مسجد کی طرف چلے گئے۔ وہاں و منبر رسول (ص) پر چڑھے پھر شام تک لوگ بیعت کرتے رہے اور انہیں رسول اللہ (ص) کو دفن کرنے کی بھی فرصت نہ ہوئی یہاں تک کہ منگل کی رات ہوگئی۔[3]

عام بیعت

جب سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکرؓ کی بیعت ہوئی تو اس کے دوسرے دن حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے ۔ اتنے میں حضرت عمرؓ کھڑے ہوگئے اور حضرت ابوبکرؓ سے پہلے گفتگو شروع کی۔ انہوں نے خدا کی حمد وثناء کے بعد کہا کہ ان کی کل رات والی بات نہ قرآن کی آیت تھی نہ رسول (ص) کی وصیت ۔ ہاں وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے امور کو چلاتے رہیں گے اور سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوگی ۔ اس کے بعد کہا:

بے شک اللہ نے تمہارے درمیان اپنی وہ کتاب چھوڑی ہے جس
کے ذریعے اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی ۔ اگر تم اس سے
متمسک رہو تو تمہیں خدا اس چیز کی ہدایت کرے گا جس کی اپنے
رسولؐ کو ہدایت کی۔ اللہ نے تمہاری امارت تمہارے سب سے
بہترین فرد کو دی ہے۔ وہ رسول اللہ (ص) کے ساتھی اور
غار میں آنحضرت (ص) کے واحد رفیق تھے۔ پس اٹھو اور ان کی بیعت
کرو۔ پس لوگوں نے بیعت سقیفہ کے بعد ابوبکرؓ کی عام بیعت کی۔

---

[1] الاخبار الموفقیات للزبیر بن بکار صفحہ ۵۸۰ طبع بغداد۔

[2] تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۴۵۸، اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۲۲۴،

[3] الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۷۸، الریاض النغرہ ج ۱ صفحہ ۱۲۴، تاریخ الخمیس ج ۱ صفحہ ۱۸۸ طبع بیروت۔

بخاری میں مرقوم ہے کہ بعض لوگوں نے اس سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کی بیعت کی تھی لیکن ابوبکرؓ کی عام بیعت منبر پر ہوئی، انسؓ بن مالک کا بیان ہے: اس دن میں نے سنا کہ حضرت عمرؓ ابوبکرؓ سے کہہ رہے تھے: منبر پر چڑھو۔ وہ یہی کہتے رہے یہاں تک کہ وہ منبر پر چڑھے اور لوگوں نے ان کی عام بیعت کی۔

پھر ابوبکرؓ گویا ہوئے۔ پہلے خدا کی حمد وثناء کی پھر بولے:

لوگو! بتحقیق مجھے تمہارا امیر بنایا گیا ہے۔ حالانکہ میں تم میں سب سے بہترین آدمی نہیں ہوں۔ پس اگر میں صحیح چلوں تو میری مدد کرو اور اگر غلط چلوں تو مجھے ٹھیک کردینا۔

پھر بولے:

جب تک میں اللہ اور رسول(ص) کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرتے رہو لیکن اگر میں خدا اور رسول (ص) کی نافرمانی کروں تو پھر میری اطاعت نہ کرنا۔ نماز کے لئے اٹھو، خدا تم پر رحم کرے۔[1]

جب حضرت ابوبکرؓ کی عام بیعت ہوچکی

پیر کے دن زوال شمس کے بعد امام الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا اور لوگوں کو آپ کے دفن کی فرصت نہیں ہوئی۔[2] پیر کے دن کے باقی حصے میں بلکہ منگل کی عصر تک لوگوں کو رسول اللہ(ص) پر توجہ دینے کی فرصت نہ ملی۔ پہلے تو لوگ سقیفہ بنی ساعدہ کی تقریروں میں پھنسے رہے پھر حضرت ابوبکرؓ کی پہلی بیعت میں مشغول رہے اور اس کے بعد عام بیعت میں۔ بعدازاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خطبے سنتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوچکی تب کہیں جا کے لوگ منگل کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے پر آئے۔[3] پھر لوگ آتے اور آپ (ص) پر نماز پڑھتے گئے۔ رسول اللہ پر امام کے بغیر نماز پڑھی گئی۔ مسلمان مختلف دستوں کی صورت میں

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۴ صفحہ ۳۴۰، تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۲۰۳، عیون الاخبار الابن قتیبہ ج ۲ صفحہ ۲۳۴، الریاض النضرہ ج ۱ صفحہ ۱۲۷، البدایہ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۲۴۸، تاریخ الخلفا السیوطی صفحہ ۴۷، کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۲۹ حدیث نمبر ۲۲۵۳، سیرت حلفیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۷، صحیح بخاری ج ۴ صفحہ ۱۲۵ خطبہ عمر۔ صفوۃ الصفوۃ ج ۱ صفحہ ۹۸۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷۸ طبع لیدن۔

[3] سیرت ابن ہشام ج ۴ صفحہ ۳۴۳، تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۴۵۰، اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۱۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۲۴۸، سیرت جلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۲، ۳۹۴۔

آتے اور نماز پڑھتے جاتے تھے۔[1]

تدفین رسول (ص) اور اس کے شرکاء

جن افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا انہوں نے ہی آپ (ص) کو لحد میں اتارنے کی ذمہ داری نبھائی۔ وہ یہ تھے:

حضرت عباسؓ، علی (ع)، فضلؓ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام صالح۔ مگر بعض افراد رسول اللہ کو آپ (ص) کے گھر والوں کے پاس چھوڑ کر خلافت کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے اور آپ (ص) کے اہل بیت (ع) نے آپ (ص) کی تکفین و تدفین کی ذمہ داری نبھائی۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر میں حضرت علیؑ، داخل ہوئے۔ فضلؓ بن عباسؓ، قثمؓ بن عباس اور ان کے غلام شقران اور بروایت دیگر اسامہؓ بن زید ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ (ص) کے غسل وکفن اور دیگر تمام امور کو انجام دیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نبی کی تدفین میں شریک نہیں ہوئے۔[3]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کا علم ہی نہیں ہوا یہاں تک کہ ہم نے بدھ کی شب رات گئے بیلچوں کی آواز سنی۔[4]

اس کام کی ذمہ داری فقط آپ (ص) کے رشتہ داروں نے نبھائی اور بنی غنم نے وصال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت بیلچوں کی آواز سنی جب وہ اپنے گھروں میں تھے۔[5]

بنی غنم کے انصاری بزرگوں کا بیان ہے:

ہم نے بیلچوں کی آواز رات کے آخری حصے میں سنی۔[6]

تدفین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رونما ہونے والے واقعات

حضرت سعدؓ بن عبادہ اور ان کو نامزد کرنے والے صحابہ کرامؓ ناکام ہوگئے۔ اس کے بعد

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۴ صفحہ ۳۴۳، طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷۰، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ذکر حوادث سنۃ ۱۱ھ صفحہ ۴۳

[2] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷۰، کنز العمال ج ۴ صفحہ ۵۴ ۱۰۷۵۔

[3] العقد الفرید، ج ۳ صفحہ ۱۶۱، تاریخ الاسلام ذہبی ج ۱ صفحہ ۳۱، کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع دکن۔

[4] تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۴۵۲، ۴۵۵، اسد الغابہ ج ۱ صفحہ ۴۳، ابن ہاشم ج ۴ صفحہ ۴۴

[5] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷۸، مسند احمد ج ۲ صفحہ ۲۷۴، ۲۴۲

[6] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷۸۔

علی(ع) اور آپ کے افراد حضرت ابوبکرؓ کی جماعت کے مقابلے میں باقی رہ گئے۔ ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ انصاریوں کو اپنا حامی بنالیں زبیر بن بکار "الاخبار الموفقیات" میں لکھتے ہیں:

> جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوگئی اور ان کا کام پکا ہوگیا تو اس کے بعد انصار کے بہت سے لوگ ان کی بیعت سے پشیمان ہو گئے اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ وہ علی ابن ابی طالب کو یاد کرتے اور آپ کا نام لے کر پکارتے تھے۔[1]

مہاجرین و انصار کی ایک جماعت نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی اور وہ حضرت علی ابن ابی طالب (ع) کی طرف مائل ہوئے۔ ان لوگوں میں عباسؓ بن عبدالمطلب، فضلؓ بن عباس، زبیرؓ بن عوام، خالدؓ بن سعید مقدادؓ بن عمرو، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسر، براءؓ بن عازب اور ابی بن کعب وغیرہ شامل تھے۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ جراحؓ اور مغیرہ بن شعبہ کو بلا بھیجا اور پوچھا:

کیا رائے ہے؟

وہ بولے:

> رائے یہی ہے کہ تم عباسؓ بن عبدالمطلب سے ملو اور اس حکومت میں اس کے اور اس کے بعد اس کی ذریت کے لئے کچھ حصہ مقرر کر دو۔ اس طرح تم لوگ علی ابن ابی طالبؑ کے حامیوں میں پھوٹ ڈال سکو گے اور اگر وہ تمہاری طرف مائل ہو جائے تو یہ بات حضرت علیؑ کے خلاف تم دونوں کے حق میں ایک دلیل بن جائے گا۔

پس ابوبکرؓ، عمرؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراح اور مغیرہ رات کو حضرت عباسؓ کے ہاں چلے گئے۔ ابوبکرؓ نے اللہ کی حمد و ثناء کی پھر بولے:

> اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی اور مومنین کا حامی بنا کر بھیجا۔ آپ(ص) کا لوگوں کے درمیان موجود ہونا اللہ کا احسان تھا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ کو اپنے ہاں بلا لیا اور لوگوں کے امور انہی پر

[1] الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۸۳ طبع بغداد

> چھوڑ دیے تا کہ وہ اپنی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی کو اپنے لئے احتیاط کے ساتھ چنیں۔ پس لوگوں نے اپنے سرپرست، والی اور اپنے امور کے نگہبان کی حیثیت سے مجھے چنا۔ یوں میں نے یہ عہدہ سنبھالا۔ اللہ کی مدد اور توفیق کے سہارے مجھے نہ کسی کمزوری کا خوف ہے نہ حیرانی و پریشانی کا اور نہ بزدلی کا۔ میری کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کو پکارتا ہوں۔ مجھے ایک طعنہ دینے والے شخص کے بارے میں خبریں مل رہی ہیں کہ وہ عام مسلمانوں کے درمیان غلط باتیں کر رہا ہے اور آپ لوگوں کو اپنا پشت پناہ بنا رہا ہے تا کہ آپ لوگ اس کے لئے مضبوط قلعہ ثابت ہوں۔ پس آپ لوگوں کو چاہئے کہ جس امر پر لوگوں نے اتفاق کرلیا ہے اسے ان کی طرح قبول کرلیں یا انہیں اپنے ارادوں سے باز رکھیں۔ ہم آپ کے پاس آئے ہیں اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ آپ کو بھی اس (حکومت) میں سے ایک حصہ دیں جو آپ اور آپ کی اولاد کے لئے ہو۔ کیونکہ آپ رسول اللہ (ص) کے چچا ہیں۔ اگرچہ لوگ آپ کے اور آپ کے ساتھی کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے ہیں لیکن انہوں نے امارت آپ کو نہیں دی۔ اے بنی ہاشم نرمی سے کام لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ اگرچہ لوگ آپ کے اور آپ کے ساتھی کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے ہیں۔ لیکن انہوں نے امارت آپ کو نہیں دی۔ اے بنی ہاشم! نرمی سے کام لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق ہم سے بھی ہے اور آپ سے بھی۔

تب عمرؓ ابن خطاب نے کہا:

> دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی چیز مانگنے نہیں آئے لیکن ہم نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کو دھچکا آپ کی طرف سے لگے اور نتیجتاً آپ کا اور ان کا معاملہ خراب ہو جائے۔ پس اپنے بارے میں غور وفکر کرلیں۔

پھر حضرت عباسؓ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا:

جس طرح تو نے کہا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی اور مومنین کے لئے سرپرست بنا کر بھیجا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر آپ (ص) کے ذریعے احسان کیا یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کی روح قبض کر لی اور آپ کو اپنے ہاں بلا لیا۔ پھر مسلمانوں کے امور انہی پر چھوڑ دیئے تاکہ وہ حق کے مطابق اپنا حق انتخاب استعمال کریں نہ کہ گمراہ کن خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے۔ پس اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر مانگا تھا تو پھر تو نے ہمارا حق غصب کر لیا ہے اور اگر مومنین کے ذریعے حاصل کیا ہے تو ہمارا شمار بھی مومنین میں ہے۔ ہم نے نہ تو تیرے انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نہ ہی درمیان میں آئیکے بلکہ ہم خشمگین اور ناراض ہیں اور اگر یہ کام مومنین کی وجہ سے تمہارے اوپر لازم قرار پایا ہے تو ہماری خوشنودی کے بغیر تمہارے اوپر لازم نہیں ہے۔ ایک طرف سے تمہارے اس قول کہ ''انہوں نے تیری عیب جوئی کی ہے۔'' اور دوسری طرف سے تمہارے اس قول کہ ''انہوں نے تجھے چنا ہے اور وہ تیری طرف مائل ہوئے ہیں'' کے درمیان کس قدر تضاد ہے؟ تمہاری ان دونوں باتوں میں بھی کس قدر تضاد ہے کہ ایک طرف سے اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ کہتے ہو اور دوسری طرف سے یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے امور ان پر چھوڑ دیئے ہیں تاکہ کسی کا انتخاب کریں؟ پس انہوں نے تجھے چن لیا۔ رہا تیرا یہ کہنا کہ تم حکومت مجھے دو گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حکومت مومنین کا حق ہے تو تجھے اس بارے میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں اور اگر یہ ہمارا حق ہے تو پھر ہم اس میں سے تھوڑا چھوڑ کر تھوڑا قبول نہیں کریں گے۔ پس ہوش سے کام لو۔ یقیناً رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق اس درخت سے ہے جس کی ٹہنیاں ہم ہیں اور تم تو اس کے ہمسائے ہو۔ یہ سن کر وہ حضرت عباسؓ کے ہاں سے چلے گئے۔[1]

---

[1] تاریخ یعقوبی ج۲ صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵ طبع بیروت، شرح ابن ابی الحدید ج۲ صفحہ ۱۳، ج۱ صفحہ ۷۴، الامامۃ والسیاسۃ ج۱ صفحہ ۱۴

حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں پناہ

حضرت عمرؓ ابن خطاب کہتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہمیں خبر ملی کہ علی (ع)، زبیرؓ اور ان کے ساتھی جنہوں نے ہماری بیعت نہیں کی حضرت فاطمہ (ع) کے گھر میں جمع ہو گئے ہیں۔[1]

مورخین نے بیعت ابو بکرؓ سے انکار کرنے اور حضرت فاطمہ زہراء (ع) کے گھر میں علی (ع) اور زبیرؓ کے ساتھ پناہ لینے والوں میں درج ذیل افراد کے نام گنے ہیں:

۱۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب
۲۔ عتبہ بن ابی لہب
۳۔ سلمان فارسیؓ
۴۔ حضرت ابوذر غفاری
۵۔ حضرت عمارؓ بن یاسر
۶۔ مقدادؓ بن الاسود
۷۔ حضرت براءؓ بن عازب
۸۔ حضرت ابی بن کعبؓ
۹۔ حضرت سعد بن ابیؓ وقاص
۱۰۔ حضرت طلحہؓ بن عبداللہ

اس کے علاوہ بنی ہاشم کی ایک جماعت اور بعض مہاجرین و انصار کا بھی ذکر کیا ہے۔[2]

حضرت علی (ع) اور آپ کے حامیوں کا بیعت ابو بکرؓ سے انکار اور فاطمہ زہرا (ع) کے گھر میں پناہ لینے کا واقعہ سیرت، تاریخ، صحاح، مسانید، ادب، کلام اور سوانح کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ مذکور ہے۔ لیکن چونکہ حکمران طبقے اور بیت فاطمہؑ میں جمع ہونے والوں کے درمیان واقع ہونے والی روئیداد انہیں گوارا نہیں ہے۔ اس لئے وہ ان واقعات کو صاف صاف بیان نہیں کرتے سوائے ان باتوں کے جن کا ذکر بھولے سے کہیں ہوا ہو۔ ان میں سے ایک بلاذری کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> جب حضرت علی (ع) نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی تو انہوں نے عمرؓ بن الخطاب کو حضرت علی (ع) کے پاس بھیجا اور کہا: انہیں نہایت سخت گیری کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو ان دونوں میں کچھ لے دے ہوئی اور حضرت علی (ع) نے

---

[1] مسند امام احمد ج۱ صفحہ ۵۵، تاریخ طبری ج۲ صفحہ ۴۶۶، اسد الغابہ ج۲ صفحہ ۱۲۴، البدایہ والنھایہ ج۵ صفحہ ۲۴۶، صفۃ الصفوۃ لابن جوزی ج۱ صفحہ ۹۷، تاریخ الخلفا للسیوطی صفحہ ۴۵ مبایعۃ ابی بکر کے تحت، تیسیر الوصول ج۲ صفحہ ۴۱ طبع قاہرہ

[2] الریاض النضرہ ج۱ صفحہ ۱۶۷، تاریخ الخمیس ج۱ صفحہ ۱۸۸، العقد الفرید ج۳ صفحہ ۶۴، تاریخ ابو الفداء ج۱ صفحہ ۱۵۶، الروض المناظر لابن شحنہ حنفی بر حاشیہ تاریخ کامل صفحہ ۱۱۲، شرح ابن ابی الحدید ج۱ صفحہ ۱۳۴، سیرہ حلبیہ صفحہ ۳۹۴، ۳۹۷۔

کہا: اے عمرؓ خلافت کا دودھ دوہ لو کہ اس میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے۔ اللہ کی قسم ابو بکرؓ کی امارت میں تمہاری دلچسپی اس وجہ سے ہے تا کہ وہ کل اسے تیرے حوالے کر دے۔[1]

حضرت ابو بکرؓ نے مرض الموت میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

آگاہ رہو کہ مجھے دنیا میں کسی چیز پر افسوس نہیں سوائے تین کاموں کے جنہیں میں نے انجام دیا ہے۔ کاش میں ان کو انجام نہ دیتا......... ان میں سے ایک فاطمہؑ کے گھر کی حرمت پامال کرنے کا واقعہ ہے۔ کاش میں ایسا نہ کرتا اور اس گھر کو نہ چھیڑتا اگر چہ وہ میرے خلاف جنگ کرنے والوں کی پناہ گاہ ہوتی۔

بعض کتب میں ہے:

کاش کہ وہ رسول(ص) کی بیٹی فاطمہ(ع) کے گھر کی حرمت پامال نہ کرتا اور اس گھر میں مردوں کو داخل نہ کراتا اگر چہ وہ گھر (میرے خلاف) جنگ کرنے والوں کی پناہ گاہ ہوتا۔[2]

مورخین نے ان لوگوں کی فہرست میں جو دختر رسولؐ کے گھر میں بلا اجازت گھس گئے تھے ان افراد کا نام لیا ہے:۔

۱۔ عمر ابن خطاب
۲۔ خالد بن ولید۔
۳۔ عبدالرحمان بن عوف
۴۔ ثابت بن قیس بن شماس
۵۔ زیاد بن لبید۔
۶۔ محمد بن مسلمہ
۷۔ زید بن ثابت۔
۸۔ سلمہ بن سالم بن وقش
۹۔ سلمہ بن اسلم
۱۰۔ اسید بن حفیر

حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کی بے حرمتی، اس میں پناہ لینے والوں اور دھاوا بولنے والے مردوں کے درمیان واقع ہونے والے ماجرا کو یوں بیان کیا گیا ہے:۔

مہاجرین میں سے کچھ مرد حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے ناراض ہوئے۔ ان میں حضرت علی(ع) ابن ابی طالب اور حضرت زبیرؓ بھی

---

۱ انساب الاشراف صفحہ ۳۹۴، ۳۹۷۔

۲ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۶۱۹، مروج الذہب ج ۱ صفحہ ۴۱۴، العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۶۹، کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۶، الامامۃ و السیاسۃ ج ۱ صفحہ ۱۸، تاریخ الاسلام ذہبی ج ۱ صفحہ ۱۸، تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۱۵

شامل تھے۔ یہ دونوں مسلح ہو کر حضرت فاطمہ(ع) بنت رسول اللہ(ص) کے گھر میں داخل ہوئے۔[1] پس حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو خبر ملی کہ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت حضرت علی(ع) ابن ابی طالب کے ہمراہ فاطمہ(ع) کے گھر میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ حضرت علی(ع) کی بیعت کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ پس ابو بکر نے عمر بن خطاب کو ان کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ ان کو فاطمہ(ع) کے گھر سے نکالے۔ ابو بکر نے ان سے کہا: اگر وہ انکار کریں تو ان کے ساتھ مقاتلہ کرو۔ پس وہ جلتی ہوئی آگ لیکر ان کے گھر کو جلانے کے لئے آگئے۔ پس فاطمہ(ع) ان کے سامنے آگئیں اور بولیں: اے پسر خطاب! کیا تم ہمارے گھروں کو جلانے آئے ہو؟ وہ بولے: ہاں مگر یہ کہ تم لوگ بھی اس چیز کو قبول کر لو جس کی کو امت نے قبول کیا ہے۔[2]

انساب الاشراف میں مذکور ہے کہ دروازے پر حضرت فاطمہ دختر رسول کا ان سے سامنا ہوا تو انہوں نے فرمایا: اے پسر خطاب کیا تیرا ارادہ ہے کہ میرے دروازے پر آگ لگاؤ؟ بولا۔ ہاں...[3] اسی بات کی طرف حضرت عروہؓ بن زبیر نے اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے اس واقعے پر اعتذار کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے جو اس کے اور بنی ہاشم کے درمیان پیش آیا۔ عبد اللہ بن زبیر نے بنی ہاشم کو ایک درے میں محصور کر کے ان کو جلانے کے لئے ایندھن جمع کیا تھا.... تا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں۔ جیسا کہ ماضی میں بنی ہاشم کی طرف سے انکار بیعت پر ان کو ڈرایا گیا تھا اور ان کو آگ میں جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کی گئی تھیں۔[4] یہ اشارہ ہے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے انکار پر ماضی میں لکڑی اور آگ لانے کے واقعے کی طرف۔ شاعر نیل حافظ ابراہیم اس بارے میں کہتا ہے:

---

۱ الریاض النضرۃ ج ۱ صفحہ ۲۱۸، طبع ثانیہ مصر ۱۳۷۲ھ، تاریخ الخمیس ج ۲ صفحہ ۱۶۹ طبع مؤسسۃ شعبان بیروت، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۳۲، ج ۶ صفحہ ۲۹۳ طبع مصر۔

۲ تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۰۲۶، الروض المناظر لابن شحنہ حنفی بر حاشیہ کامل ابن اثیر ج ۱۱ صفحہ ۱۱۳، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۳۴، العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۱۴۰، تاریخ ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۱۵۶۔

۳ انساب الاشراف ج ۱ صفحہ ۵۸۶، کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۴۰، الریاض النضرہ ج ۱ صفحہ ۱۶۷، تاریخ الخمیس ج ۱ صفحہ ۱۷۸، الروض المناظر لابن شحنہ حنفی بر حاشیہ تاریخ کامل ج ۱۱ صفحہ ۱۱۳ طبع قدیم مصر

۴ مروج الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۰، ابن ابی الحدید ج ۲۰ صفحہ ۴۸۱

و قـولـه لـعلـي قـالهـا عـمـر — اكـرم بسـامعـهـا اعـظـم بملقيها
حـرقـت دارك لا ابـقـى عليك بها — ان لم تبايع و بنت المصطفىٰ فيها
مـا كـان غير ابى حفص يفوه بها — امـام فـارس عدنـان و حـاميهـا

حضرت عمر نے حضرت علی(ع) سے ایک بات کی۔ اس بات کے سامع کی عزت کرو اور متکلم کی تعظیم ۔ (وہ بات یہ تھی) کہ اگر تم بیعت نہ کرو تو میں تیرے گھر کو تیرے اور دختر رسولؐ کے ساتھ جلا کر خاکستر کر دوں گا۔ عرب کے شہسوار اور اس کے حامیوں سے یہ بات کہنے والا ابوحفص (عمر) کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ آئے یہاں تک کہ گھر پر دھاوا بول دیا۔ (حضرت علی(ع) کی) تلوار توڑ دی گئی اور گھر میں داخل ہو گئے۔

بروایت دیگر حضرت عمرؓ بن خطاب حضرت علی(ع) کے گھر پر آئے۔ وہاں طلحہؓ، زبیرؓ اور کچھ مہاجرین جمع تھے۔ زبیرؓ تلوار سونت کر ان کی طرف آیا لیکن اس کا پاؤں پھسلا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ لوگ اس (زبیرؓ) پر پل پڑے اور انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔[1]

حضرت علی(ع) نے کہا:

میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہوں۔

یہاں تک کہ وہ آپ کو ابو بکرؓ کے پاس لے گئے۔ پس ان سے کہا گیا کہ بیعت کرو۔ آپ نے فرمایا:

اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اس وقت ابو عبیدہ نے حضرت علی(ع) سے کہا: میں اس امارت کا تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا کیونکہ حق تو یہ ہے کہ تم لوگ میری بیعت کرو۔ تم نے اس امارت کو انصار سے چھین لیا اور ان کے آگے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت کو دلیل بنا کر پیش کیا۔ پس انہوں نے قیادت تمہیں دی اور امارت سپرد کر دی۔ اب میں تمہارے سامنے وہی دلیل رکھتا ہوں جو تم نے انصار کے آگے رکھی تھی۔ پس ہمارے ساتھ انصاف سے کام لو اگر تم اپنے بارے

[1] تاریخ یعقوبی ج۲ صفحہ ۱۲۶، تاریخ طبری ج۲ صفحہ ۴۴۳، ۴۴۴، عبقریۃ عمر از استاد محمود عقاد صفحہ ۱۷۳، الریاض النضرہ ج۱ صفحہ ۱۶۷، تاریخ الخمیس ج۱ صفحہ ۱۸۸ کنز العمال ج۳ صفحہ ۱۲۸

میں اللہ سے ڈرتے ہو۔ انصار نے امارت کے حوالے سے تمہارے بارے میں جو سوچا اب تم ہمارے بارے میں وہی سوچو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو جانتے بوجھتے ہوئے ظلم میں مشغول رہو۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا:

جب تک بیعت نہ کرو گے چھوڑے نہ جاؤ گے۔

حضرت علی(ع) نے کہا:

اے عمر آج خلافت کا دودھ دوہ لو کہ اس میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے۔ آج اس کی کرسی مضبوط کر لو تا کہ وہ اسے کل تمہارے حوالے کر دے۔ خدا کی قسم میں تیری بات قبول نہیں کروں گا اور نہ اس کی اطاعت کروں گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علی (ع) سے کہا:

اے ابوالحسن! آپ کم سن ہیں اور وہ آپ کی قوم یعنی قریش کے سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ آپ کے پاس وہ تجربہ اور معاملہ فہمی نہیں جو ان کے پاس ہے۔ میں ابو بکرؓ کو اس معاملے میں آپ سے زیادہ قوی، ثابت قدم اور قابل پاتا ہوں۔ پس یہ امارت اس کے حوالے کر دیں اور اس سے راضی ہو جائیں۔ اگر آپ زندہ رہیں اور طویل عمر پائیں تو اپنے مرتبے، رسول(ص) کی قرابت، شاندار ماضی اور جہاد کے باعث آپ اس منصب کے سزاوار اور حقدار ہوں گے۔

حضرت علی(ع) نے کہا:

اے گروہ مہاجرین اللہ کا خوف کرو، اللہ کا خوف کرو۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاکمیت کو اس کے گھر اور مکان سے نکال کر اپنے گھروں اور مکانوں میں منتقل نہ کرو۔ اس حاکمیت کے حقدار شخص کو اس مقام اور حق سے محروم نہ کرو جو اسے لوگوں کے درمیان حاصل ہے۔ کیونکہ اے گروہ مہاجرین! جب تک ہم اہل بیتؑ کے درمیان کوئی قاری قرآن، فقیہ دین اور سنت رسول(ص) کا عالم موجود ہو تب تک ہم اس امارت کے تم سے زیادہ حقدار ہیں اور اللہ کی قسم ان صفات کا حامل انسان ہمارے درمیان موجود ہے۔ پس خواہشات نفسانی

کی پیروی نہ کرو ورنہ حق سے دور ہو جاؤ گے۔

بشیر ابن سعد نے کہا:

اے علی (ع)! اگر انصار ابو بکرؓ کی بیعت سے قبل آپ کا یہ کلام سنتے تو آپ کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہ ہوتا لیکن اب وہ بیعت کر چکے ہیں۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ (ع) اپنے گھر چلے گئے اور بیعت نہیں کی۔

اس واقعے کو ابو بکر جوہری نے نقل کیا ہے جیسا کہ شرح ابن ابی الحدید ج ۶ ص ۲۸۵ میں مذکور ہے۔ابو بکر جوہری نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ان دونوں (حضرت علی مرتضیٰ (ع) اور حضرت زبیرؓ) کے ساتھ جو کچھ روا رکھا گیا۔ حضرت سیدہ فاطمہ (ع) نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ پس وہ گھر کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا:

یا ابا بکر ما سبرع ما اغر تم علیٰ اهل البیت رسول الله والله لا اکلم عمر جتی القی الله۔[1]

اے ابو بکرؓ تم لوگوں نے کس قدر جلد اہل بیتؑ پر دھاوا بول دیا۔ خدا کی قسم! میں تادم مرگ عمرؓ سے بات نہ کروں گی۔ ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ فاطمہ روتی چلاتی باہر نکلیں لیکن ان کا راستہ روکا گیا۔

پس حضرت فاطمہ زہراء (ع) باہر نکلیں اور فرمایا:

والله لتخر جن او لا کشفن شعری و لا عجن الی الله فخر جوا و خرج من کان فی الدار۔[2]

اللہ کی قسم تم لوگوں کو یہاں سے نکلنا ہوگا ورنہ ضرور اپنے بال کھول دوں گی اور خدا کے حضور فریاد کروں گی۔ یہ سن کر وہ نکل گئے اور گھر میں موجود دوسرے لوگ بھی نکل گئے۔

جب سقیفہ بنی ساعدہ میں ابو بکرؓ کی بیعت ہوئی اور منگل کے دن دوبارہ بیعت ہوئی تو حضرت علی (ع) باہر نکلے اور فرمایا:

تم نے ہمارے معاملے کو خراب کر دیا ہے۔تم نے نہ مشورہ کیا اور نہ

---

[1] کتاب السقیفہ لابی بکر جوہری صفحہ ۲۸، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۳۴۔
[2] تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۲۶ طبع بیروت

ہمارے حق کی رعایت کی۔ حضرت ابو بکرؓ بولے۔ ہاں لیکن مجھے فساد کا خوف ہوا۔[1]

کچھ لوگ حضرت علی (ع) کے پاس آئے اور آپ کو بیعت لینے کو لئے کہا۔ آپ نے کہا:

کل صبح سر تراش کر میرے پاس آجانا لیکن تین افراد کے سوا دوسرے دن کوئی نہیں آیا۔[2]

اس کے بعد حضرت علی (ع) نے سیدہ فاطمہ (ع) کو ایک گدھے پر سوار کیا اور ان کو لے کر انصاریوں کے گھروں میں گئے۔ حضرت علی (ع) ان سے مدد طلب کر رہے تھے اور فاطمہ (ع) بھی ان سے حضرت علی (ع) کی مدد کرنے کے لئے کہہ رہی تھیں لیکن وہ جواب دیتے تھے:

اے دختر رسول (ص) ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپ کے ابن عم حضرت ابو بکرؓ سے پہلے ہماری طرف سبقت کرتے تو ہم ان سے منہ نہ موڑتے۔

حضرت علی (ع) نے کہا:

کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میت کو ان گھر میں تجہیز و تکفین کے بغیر چھوڑ کر باہر نکل جاتا اور حاکمیت کے مسئلے پر لوگوں سے جھگڑتا رہتا؟

تب حضرت فاطمہ (ع) نے کہا:

ابو الحسن (حضرت علی (ع)) نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا اور ان لوگوں نے وہ کچھ کیا جس کا حساب خدا ان سے لے گا۔[3]

معاویہ نے حضرت علیؑ کے نام اپنے خط میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''مجھے یاد ہے کہ جس دن حضرت ابو بکرؓ کی بیعت ہوئی اس دن آپ اپنی گھر والی کو رات کے وقت ایک گدھے پر سوار کر کے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کے ہاتھوں میں پکڑا کر نکلے تھے۔ پھر آپ نے اہل بدر اور سابقین میں سے ہر ایک سے اپنی مدد کے لئے کہا تھا۔ آپ اپنی بیوی کے ہمراہ ان

---

[1] مروج الذہب ج ۱ صفحہ ۴۱۴، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صفحہ ۱۲، ۱۴ طبع مصر
[2] تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۲۶، شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صفحہ ۴
[3] کتاب السقیفہ ابو بکر الجوہری صفحہ ۲۹، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صفحہ ۱۲ طبع مصر۔

سب کے پاس چل کر گئے تھے اور اپنے دونوں بیٹوں کا بھی سہارا لیا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کے مقابلے کے لئے ان سے نصرت طلب کی تھی لیکن چار یا پانچ افراد کے علاوہ ان میں سے کسی نے آپ کی حامی نہیں بھری۔ مجھے اپنی جان کی قسم اگر آپ حق پر ہوتے تو وہ آپ کی حمایت کرتے لیکن آپ کا دعوی باطل تھا۔ آپ نے ایسی بات کی جسے کوئی نہ جانتا تھا اور ایسی خواہش کی جو پوری نہ ہو سکے۔ آپ لاکھ بھول جائیں لیکن مجھے آپ کی وہ بات یاد رہے گی جو آپ نے ابوسفیان سے اس وقت کی تھی جب اس نے آپ کو اکسانے اور آپ کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ آپ نے کہا تھا: اگر مجھے ان لوگوں میں سے چالیس ارادے کے پکے افراد مل جاتے تو میں مخالفین کا مقابلہ کرتا۔[1]

وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی

۱۔ حضرت فروہ بن عمرو انصاری بدریؓ

انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ یہ صحابی رسول(ص) ہر جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکاب میں جہاد کرنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو گھوڑے دیئے تھے۔ یہ اپنے نخلستان سے ہر سال ایک ہزار اونٹ کے بوجھ کھجوریں بطور صدقہ دیتے تھے۔ یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اور حضرت علی(ع) کے اصحاب میں سے تھے۔ جنگ جمل میں حضرت علی(ع) کے ساتھ تھے۔

محدثین نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت میں اعانت کرنے والے بعض انصاریوں کو ان کی طرف سے سرزنش کا ذکر بھی کیا ہے۔[2]

۲۔ خالد بن سعید امویؓ

یہ صنعاء (ملک یمن) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عامل تھے۔ جب رسول اللہ صلی

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صفحہ ۶۷، صفین لنصر بن مزاحم صفحہ ۱۸۲ طبع مصر

[2] الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۹۰ طبع بغداد۔ حضرت فروہؓ بن عمرو انصاری بیعت عقبہ، جنگ بدر اور بعد والی تمام جنگوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۴ صفحہ ۱۷۸ طبع قاہرہ)

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو وہ اور ان کے دو بھائی ابان و عمر اپنے عہدے کو چھوڑ کر واپس آگئے۔ پس ابوبکرؓ نے پوچھا۔

> تم لوگ اپنے عہدوں کو چھوڑ کر کیوں واپس آگئے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمال سے زیادہ کام کا حقدار اور کون ہوسکتا ہے؟ اپنے کاموں پر واپس چلے جاؤ۔ وہ بولے ہم احیحہ کی اولاد ہیں، ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لئے کام نہیں کریں گے۔[1]

خالدؓ اور ان کے بھائی ابان نے ابو بکرؓ کی بیعت میں تاخیر سے کام لیا۔ خالد نے بنی ہاشم سے کہا کہ آپ لوگ بلند قامت درخت اور پاکیزہ ثمر ہیں۔ ہم آپ کے پیروکار ہیں۔[2] خالدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے دو ماہ تک پہلوتہی کی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاملؓ بنایا تھا اور اس کے بعد مجھے معزول نہیں کیا، یہاں تک کہ آپ(ص) کی وفات ہوگئی۔ ایک بار حضرت علی(ع) بن ابی طالب اور حضرت عثمانؓ سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا۔

> اے عبد مناف کی اولاد۔ آپ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ آپ کی امارت پر دوسرے لوگ قبضہ کر لیں۔ رہے ابو بکرؓ تو انہوں نے کسی کے حق خلافت ہونے کی پرواہ نہیں کی اور ان کے بعد رہے حضرت عمرؓ تو انہوں نے خلافت کے معاملے میں کینہ و بغض سے کام لیا۔[3]

اور وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

> آیئے میں آپ کی بیعت کروں۔ اللہ کی قسم لوگوں میں کوئی شخص آپ سے زیادہ منصب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل نہیں ہے۔[4]

---

[1] حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس صحابی رسولؐ ہیں۔ یہ حضرت ابو بکر سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ آپ حبشہ کے مہاجرین میں شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالدؓ بن سعید اور ان کے بھائیوں کو قبیلہ مذحج کے صدقات کا کام پر معین فرمایا۔ (کتاب المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۱۲۸، الاستیعاب ج ۱ صفحہ ۳۶۸، الاصابہ ج ۱ صفحہ ۴۰۲، اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۸۲)

[2] اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۸۲، شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صفحہ ۱۳۵ طبع اول مصر

[3] تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۵۸۶، تہذیب ابن عساکر ج ۵ صفحہ ۵۱

[4] تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۲۶ طبع بیروت

۳۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری

کتب تاریخ میں ہے کہ کچھ دن تک حضرت سعدؓ کو کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کے بعد ان کو یہ پیغام دیا گیا کہ آپ آئیں اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لیں کیونکہ اکثر لوگ ان کی بیعت کر چکے ہیں اور آپ کی قوم کے کچھ لوگ بھی بیعت کر چکے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔

خدا کی قسم میں ہرگز بیعت نہیں کروں گا، یہاں تک کہ اپنے ترکش میں موجود سارے تیر تمہاری طرف نہ چلاؤں، اپنے نیزے کی نوک کو خون سے رنگین نہ کر لوں، اپنے ہاتھ کی پوری قوت کے ساتھ تمہارے اوپر تلوار کی ضربت نہ لگاؤں، اپنے گھر والوں کے ہمراہ اور اپنی قوم کے وفادار افراد کی معیت میں تمہارے ساتھ جنگ نہ کروں۔ اللہ کی قسم اگر جن و انس مل کر تمہاری حمایت کریں تب بھی تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے رب ذوالجلال کے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنا حساب کتاب معلوم کر لوں۔[1]

جب حضرت ابو بکرؓ کو یہ خبر دی گئی تو عمرؓ نے کہا

اس کو نہ چھوڑو یہاں تک کہ وہ بیعت کر لے۔

لیکن بشیر ابن سعد نے کہا

اس نے لجاجت سے کام لے کر انکار کیا ہے۔ وہ تمہاری بیعت کرنے والا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ قتل ہو جائے۔ اور وہ قتل نہیں ہو گا جب تک اس کے ساتھ اس کا بیٹا، اس کے گھر والے اور اس کی قوم کے کچھ لوگ قتل نہ ہو جائیں۔ پس اس سے دستبردار ہو جاؤ۔ اس دستبردار ہونے میں آپ کا نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک فرد ہی تو ہے۔

پس انہوں نے بشیر ابن سعد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے حضرت سعد بن عبادہؓ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور اس کے رویئے پر اسے نصیحت کی۔ حضرت سعدؓ ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ نہ ان کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ اور ان کے ساتھ حج نہیں کرتے تھے۔ نہ ان

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۴۸۹، کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۴، علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ ان میں سے کسی کو سلام نہیں کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ ج ۴ صفحہ ۳۹۷ طبع مصر۔

کی مشغولیت میں ان کے ساتھ مشغول ہوتے تھے۔ وہ اسی روش پر چلتے رہے حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہوئی اور ان کے بعد حضرت عمرؓ جانشین بن گئے۔[1]

حضرت عمرؓ نے خلافت سنبھالی تو ایک دفعہ مدینہ میں کسی راستے پر دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے کہا

اے سعدؓ!

سعدؓ نے کہا

اے عمرؓ!

حضرت عمرؓ نے کہا

تو نے وہ بات کی تھی؟

حضرت سعدؓ نے جواب دیا

ہاں میں وہ ہوں۔ اب تو حکومت آپ کو مل گئی ہے۔ واللہ تمہارا ساتھی ہمارے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھا۔ میں تمہارے قریب رہ کر تنگ آ چکا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

جو شخص کسی کے قرب سے تنگ آ جائے اسے وہاں سے چلا جانا چاہیے۔

حضرت سعدؓ نے کہا:

میں اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔ میں اس کی طرف چلا جاؤں گا جو تم سے بہتر ہے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے اوائل میں انہوں نے شام میں انتقال کیا......الخ۔[2]

مشہور مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی اور شام چلے گئے۔ پس حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ان کی طرف بھیجا اور کہا

سعدؓ کو بیعت کی دعوت دو اور اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کرو۔ اگر وہ انکار کرے تو اس کے خلاف اللہ سے مدد مانگو۔

---

[1] الریاض النضرہ ج ۱ صفحہ ۱۶۸

[2] طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۱۴۵، تہذیب ابن عساکر ج ۶ صفحہ ۹۰۔

پس وہ شخص شام چلا گیا۔ اس نے حضرت سعدؓ کو حوارین میں ایک چار دیواری کے اندر پایا۔ وہاں اس نے حضرت سعدؓ کو بیعت کی دعوت دی۔ حضرت سعدؓ نے کہا:

میں کسی قریشی کی بیعت ہرگز نہیں کروں گا۔

وہ شخص بولا۔

پس میں تجھے قتل کروں گا۔

انہوں نے کہا

اگرچہ تم مجھے قتل ہی کر دو (میں بیعت نہیں کروں گا)۔

کہنے لگا

کیا آپ اس دائرے سے خارج ہوتے ہو جس میں ساری امت داخل ہو گئی ہے؟

انہوں نے کہا

بیعت کے دائرے سے تو میں خارج رہوں گا۔ تب اس نے ایک تیر حضرت سعدؓ پر چلایا اور انہیں قتل کر دیا۔[1]

تبصرہ العوام میں مذکور ہے۔ انہوں (حکمرانوں) نے محمد بن مسلمہ انصاری کو بھیجا۔ اس نے ایک تیر سے حضرت سعدؓ کو شہید کر دیا۔[2]

حافظ ابن عبد ربہؒ کی روایت ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ پر تیر چلایا گیا وہ ان کے بدن کے اندر پیوست ہو گیا یوں وہ شہید ہو گئے۔ پس ان پر جنوں نے گریہ کیا اور کہا

وقتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ و رمیناہ بسھمین فلم نخطئی فوادہ۔

ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا۔ ہم نے دو تیروں سے اس کو نشانہ بنایا اور تیر دل میں ہی رہ گیا۔[3]

حضرت عمرؓ کی خلافت اور بیعت

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو تنہائی میں بلایا اور کہا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ

---

[1] انساب الاشراف ج۱ صفحہ ۵۸۹، العقد الفرید ج۳ صفحہ ۶۴

[2] تبصرۃ العوام صفحہ ۳۲، مطبوعہ تہران، مروج الذہب ج۲ صفحہ ۳۰۱

[3] العقد الفرید ج۴ صفحہ ۲۵۹

مسلمانوں کے نام ابوبکر ابن ابی قحافہ کی وصیت ہے۔ اما بعد۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ان پر بے ہوشی کا دورہ پڑا اور اپنے آپ سے بے خبر ہو گئے۔ پس حضرت عثمانؓ نے لکھا:

اما بعد بہ تحقیق میں عمرؓ بن خطاب کو تمہارا خلیفہ بناتا ہوں۔ میں نے تمہاری بھلائی کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔

اس کے بعد ابوبکرؓ کو ہوش آ گیا اور کہا۔ پڑھ کر سناؤ۔ پس حضرت عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے تکبیر کہی اور کہا:

میرے خیال میں تمہیں یہ خوف لاحق ہو گیا ہے کہ اگر میں بے ہوشی کی حالت میں مر جاتا تو لوگ اختلاف کا شکار ہو جاتے۔

عثمانؓ نے کہا: ہاں

حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

خدا تمہیں اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر دے۔

یوں حضرت ابوبکرؓ نے مذکورہ جملے کو برقرار رکھا۔

اس سے قبل حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ وہ لوگوں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اور ان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کا غلام شدید بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ تحریر تھی جس میں عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا حکم تھا۔ حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے

ایھا الناس خلیفہ رسول (ص) کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ بہ تحقیق وہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔[1]

ابوحفص (عمر) کے اس موقف اور اس موقف میں کس قدر فاصلہ ہے جو رسول اللہ کی طرف سے وصیت کی تحریر کے سلسلے میں اس نے اختیار کیا تھا۔

شوریٰ اور بیعت عثمانؓ

جب حضرت عمرؓ (قاتلانہ حملے میں) زخمی ہو گئے تو ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کسی کو

---

[1] تاریخ طبری ج۵ صفحہ ۲۱۳

خلیفہ بناتے تو بہتر ہوتا۔ پس انہوں نے کہا:

اگر ابوعبیدہؓ جراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا اور اگر اللہ مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب دیتا، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ بیشک وہ اس امت کا امین ہے اور اگر ابوحذیفہ کا غلام ''سالم'' زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا۔ اگر میرا رب مجھ سے استفسار کرتا تو میں کہتا۔ میں نے تیرے نبی(ص) کو یہ کہتے سنا ہے کہ سالم خدا سے بے حد محبت کرتا ہے۔[1]

لوگوں نے کہا۔ اے امیر المومنین! اگر آپ وصیت فرماتے تو اچھا ہوتا۔ کہا:

تم لوگوں سے گفتگو کے بعد میں نے ارادہ کیا تھا کہ ایک ایسے شخص کو تم لوگوں کی ذمہ داری سونپوں جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں حق پر چلا سکے گا (اور علی(ص) کی طرف اشارہ کیا) اس کے بعد میں نے سوچا کہ میں اسے زندگی میں برداشت کر سکتا ہوں نہ مرنے کے بعد۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا۔ حضرت علی(ع)، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ ابن ابی وقاص کو میرے پاس بلاؤ۔ پھر حضرت عمرؓ نے سوائے علی(ع) اور حضرت عثمانؓ کے ان میں سے کسی سے گفتگو نہیں کی اور کہا:

یا علی(ع)! شاید یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی قرابت، دامادی کے رشتے اور آپ کے خداداد علم و دانش پہچان لیں گے۔ اگر یہ امارت آپ نے سنبھالی تو اس معاملے میں خدا سے ڈرتے رہنا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر کہا:

اے عثمانؓ! شاید یہ لوگ عمر کے لحاظ سے تیری بزرگی کا خیال رکھیں گے۔ اگر تو نے یہ منصب سنبھالا تو اللہ سے ڈرو اور ابو معیط کی آل کو لوگوں کی گردنوں پر سوار مت کرنا۔

اس کے بعد کہا: صہیبؓ کو میرے پاس بلاؤ۔ جب اسے بلایا گیا تو کہا:

تین دن تک لوگوں کی امامت (نماز میں) کرتے رہو۔ اس دوران

---

۱ ہم نے ''العقد الفرید'' ج ۴ صفحہ ۲۷۴، سے نہایت مختصر خلاصہ تحریر کیا ہے۔

اس گروہ کو چاہیے کہ وہ بند کمرے میں مشورہ کریں۔ اگر یہ لوگ آپس میں ایک شخص پر اتفاق کر لیں تو پھر مخالفت کرنے والے کی گردن اڑا دو۔

جب وہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس سے نکلے تو حضرت عمرؓ نے کہا:

اگر ان لوگوں نے امارت اجلح (وہ جس کے سر کے دونوں جانب بال گرے ہوئے ہوں) کو دے دی تو وہ ان کو صحیح راستے پر چلائے گا۔[1]

ریاض النضرہ ج۲ ص۷۲ میں مذکور ہے کہ اسے امام نسائی نے نقل کیا ہے اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا:

اگر یہ لوگ امر خلافت اصیلع (ایسا شخص جس کے سر کے اگلے حصے کے بال گر چکے ہوں) کے سپرد کریں تو اگرچہ اس کی گردن پر تلوار رکھ دی جائے وہ لوگوں سے حق پر کیسے عمل کروا سکے گا۔

محمد بن کعب نے کہا

جب اس کے بارے میں یہ جانتے ہو تو پھر امارت اس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟

جواب دیا۔

اگر میں نے ان کو نظر انداز کر دیا تو کیا ہوا مجھ سے بہتر لوگوں نے بھی ان کو نظر انداز کر دیا تھا۔

بلاذری نے انساب الاشراف ج۵۔ ص۱۷ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس بات چلی کہ وہ کس کو خلیفہ بنائیں گے۔ کسی نے پوچھا۔ حضرت عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہا۔ اگر اس کو خلیفہ بناؤں تو وہ ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کریں گے۔ کہا گیا۔ تو پھر زبیر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہا۔ وہ خوشی کے وقت مومن اور غصے کے وقت کافر ہے۔ کہا گیا۔ تو پھر طلحہ؟ کہا۔ وہ مغرور اور نخوت پسند ہے۔ پوچھا گیا۔ اور سعد؟ بولے۔ وہ گھڑسواروں کے دستے اور بہت ساری بستیوں کا مالک ہے۔ سوال ہوا۔ عبدالرحمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہا۔ اگر وہ اپنی بیوی پر حکم چلا سکے تو یہی اس کے لئے کافی ہے۔

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۲۴۷ طبع لیدن میں تقریباً یہی کچھ مذکور ہے علاوہ ازیں الاستیعاب اور منتخب کنز العمال مطبوعہ بر حاشیہ ج ۴ صفحہ ۴۲۹ میں بھی موجود ہے۔

بلاذری نے انساب الاشراف کی جلد ۵ ص ۱۸ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ضربت کھانے کے بعد عبداللہ بن جدعان کے غلام صہیب کو حکم دیا کہ وہ مہاجرین و انصار کے عمائدین کو ان کے پاس جمع کرے۔ جب یہ لوگ آ گئے تو کہا:

میں نے تمہاری امارت کو مہاجرین اولین کے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کے حوالے کیا ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں ایک شخص کو تمہاری قیادت کے لئے منتخب کریں۔

حضرت عمرؓ نے ان کے نام بھی بتا دئے۔ اس کے بعد ابوطلحہ زید بن سہل خزرجی سے کہا

انصار کے پچاس افراد منتخب کر لو جو آپ کے ساتھ رہیں۔ جب میری وفات ہو جائے تو ان چھ افراد کو ترغیب دو کہ وہ آپس میں کسی کو اپنے اور امت مسلمہ کے لئے امیر منتخب کریں اور اس کام میں تین دن زیادہ تاخیر نہ کیجئے۔

پھر صہیب کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز جماعت پڑھاتا رہے، یہاں تک کہ وہ کسی کی امامت پر اتفاق کر لیں۔ اس وقت طلحہؓ بن عبید اللہ سراۃ میں اپنے اموال کے پیچھے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے کہا

اگر طلحہؓ تین دن کے اندر آ جائے تو ٹھیک ورنہ ان کا انتظار نہ کرو اور کام کو نمٹا دو اور حتمی شکل دو۔ پھر اس شخص کی بیعت کرو جس پر تمہارا اتفاق ہو اور جو شخص تمہاری مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دو۔

طلحہؓ کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا گیا تا کہ وہ انہیں ترغیب دے اور جلدی آنے کے لئے کہے۔ لیکن وہ حضرت عمرؓ کی وفات اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کے بعد مدینہ پہنچے اور وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔ میرے جیسے شخص پر کوئی بات ٹھونسی جائے؟ پس حضرت عثمانؓ ان کے پاس آئے تو طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا۔ اگر میں رد کر دوں تو کیا تم بھی اسے چھوڑ دو گے؟ کہا۔ ہاں بے شک میں اس امر کی تائید کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کی بیعت کر لی۔ عقد الفرید ج ۳ ص ۴۷ میں بھی قریب قریب یہی درج ہے۔ نیز مذکورہ کتاب کے ص ۲۰ میں مذکور ہے۔ کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا۔

میں ڈرتا رہا کہ کہیں یہ مسئلہ بگڑ نہ جائے، یہاں تک کہ طلحہؓ نے جو اقدام کرنا تھا کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ ہمیشہ طلحہؓ کا احترام

کرتے رہے یہاں تک کہ آپ محصور ہو گئے۔ اس وقت طلحہؓ کا رویہ حضرت عثمانؓ کے خلاف سب سے زیادہ سخت تھا۔

بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف کے ص ۱۸ میں ابن سعد کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

اکثریتی فیصلے کو قبول کرنا اقلیت پر ضروری ہے۔ پس جو شخص تمہاری مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دو۔

بلاذری نے اسی کتاب کے ص ۱۹ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اراکین شوریٰ کو حکم دیا:

وہ تین دن باہمی مشورہ کریں۔ اگر دو افراد ایک شخص کی حمایت کریں مگر دو دوسرے اسی شخص کی مخالفت کریں تو دوبارہ مشورہ کر لیں پس اگر چار ارکان ایک شخص پر اتفاق کریں اور ایک شخص مخالفت کرے تو چار کی بات مانی جائے اور اگر تین تین ہو جائیں تو پھر وہ ان تین افراد کے فیصلے کے تابع ہوں گے جن میں عبدالرحمنؓ ابن عوف ہو کیونکہ وہ اپنے دین کے معاملے میں قابل اعتماد ہے اور مسلمانوں کے امیر کے انتخاب میں اس کی رائے امانتداری پر مبنی ہو گی۔

العقد الفرید ج ۳ ص ۴۷ میں بھی قریب قریب یہی بیان ہوا ہے۔ بلاذری نے ہشام ابن سعد سے اس نے زید بن اسلم سے اور اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اگر رائے دینے والے تین تین پر مشتمل دو حصوں میں بٹ گئے تو عبدالرحمانؓ بن عوف والے گروہ کی بات تسلیم کرو ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ جیسا کہ ابن سعد نے طبقات ج ۳ ص ۴۳ میں اسے نقل کیا ہے۔

تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۱۶۰ اور بلاذری کی انساب الاشراف ج ۵، ص ۱۵ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی بیعت اچانک اور سوچے سمجھے بغیر ہو گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے برے عواقب سے بچایا اور یہ کہ عمرؓ کی بیعت بغیر مشورے کے ہوئی۔ اب میرے بعد کا مسئلہ مشورے سے حل ہو گا۔ جب چار ایک طرف ہو جائیں تو باقی ماندہ

دو کو چاہیئے کہ ان کی بات مانیں۔ لیکن تین ایک طرف اور تین
دوسری طرف ہو جائیں تو عبدالرحمان بن عوف کی رائے سنو اور اس
پرعمل کرو۔ اور اگر عبدالرحمانؓ اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارے تو
اس کی اطاعت کرو۔

محمد ابن جبیرؒ سے اور اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا:

اگر عبدالرحمانؓ بن عوف اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارے تو تم
لوگ بھی اس کی بیعت کرو۔ جو شخص انکار کرے اس کی گردن اڑا
دو۔[1]

ان ساری باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نامزدگی کا اختیار عبدالرحمانؓ بن
عوف کو دے رکھا تھا۔ اور ان کے ساتھ یہ طے کر لیا تھا کہ وہ سیرت شیخین پر عمل کو بیعت کی شرط
قرار دیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ حضرت علی(ع) ابن ابی طالب قرآن اور سنت رسول(ص) کی صف
میں سیرت شیخین کی ملاوٹ کو قبول نہیں کریں گے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عثمانؓ اس شرط
کی موافقت کریں گے۔ اس لئے عثمانؓ کی بیعت ہو جائے گی اور حضرت علی (ع) ان کی مخالفت
کریں گے وہ تلوار کی نذر ہو جائیں گے۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل مذکورہ عرائض کے علاوہ
طبقات ابن سعد میں سعید بن العاص سے مروی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

سعید بن عاص حضرت عمرؓ کے پاس آئے تا کہ اپنے مکان میں توسیع
کے لئے ان سے زمین میں اضافے کا مطالبہ کریں۔ انہوں نے صبح
کی نماز کے بعد آنے کا وعدہ دیا اور مقررہ وقت پر ان کے گھر
آئے۔ سعید کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے لئے زمین میں
اضافہ کیا اور اپنے دونوں پیروں سے لکیر کھینچی۔ میں نے کہا۔ اے
امیر المومنین میرے لئے مزید اضافہ کریں کیونکہ میرے اہل وعیال
ہیں۔ انہوں نے کہا تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ میرے بعد
امارت اس شخص کو ملے گی جو تجھ سے صلہ رحمی کرے گا اور تیری
حاجت بر لائے گا۔ البتہ اس راز کو چھپائے رکھنا۔ سعید کہتے ہیں کہ
میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران صبر کرتا رہا یہاں تک کہ

---

[1] کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۶۰

حضرت عثمانؓ شوری کے ذریعے خلیفہ بن گئے۔ عثمانؓ نے میرے
ساتھ صلہ رحمی اور نیکی کی میری حاجت بھی پوری کی اور اپنی امانتوں
میں مجھے شریک قرار دیا۔

بنا بریں حضرت عمرؓ نے سعید کو بتا دیا تھا کہ ان کے بعد سعید کا رشتہ دار یعنی عثمانؓ خلیفہ
ہوں گے اور اس سے یہ بھی کہا کہ اس راز کی حفاظت کرے۔ اس گفتگو سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے
کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا مسئلہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں طے ہو چکا تھا اور چھ افراد پر مشتمل
مشاورتی کونسل کی تعیین اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کا ایک طریقہ تھا تا کہ سب راضی ہو جائیں۔

شوریٰ سے متعلق حضرت علی (ع) کا مؤقف

حضرت علی (ع) جانتے تھے کہ خلافت آپ سے چھینی گئی ہے لیکن پھر بھی آپ نے شوری
میں شرکت کی تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ حضرت علی (ع) نے خود ہی خلافت چھوڑ دی تھی۔ حضرت
علی (ع) کو اپنے خلاف ہونے والی ملی بھگت کا علم تھا۔ اس کی ایک دلیل درج ذیل روایت ہے۔
جسے بلاذری نے بھی اپنی کتاب انساب الاشراف (ج۵۔ ص۱۹) میں نقل کیا ہے۔ روایت یہ ہے کہ
حضرت علی (ع) نے اپنے چچا عباسؓ سے حضرت عمرؓ کے اس قول:

ان حضرات کو چاہیے کہ عبدالرحمانؓ بن عوف جن کے ساتھ ہو ان
کے ساتھ دیں۔

کی شکایت کی اور کہا:

اللہ کی قسم ہم اس امارت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

جناب عباسؓ نے کہا:

اے بھتیجے! آپ نے کیونکر یہ بات کی ہے؟

کہا:

سعد، اپنے چچازاد بھائی عبدالرحمانؓ کی مخالفت نہیں کرے گا اور
عبدالرحمانؓ حضرت عثمان جیسا اور ان کا بہنوئی ہے۔ یہ دونوں یقیناً
ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کریں گے۔ اگر طلحہ اور زبیر میرا ساتھ
دیں تب بھی مجھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ عبدالرحمٰنؓ ابن
عوف دوسرے تینوں میں شامل ہوں گے۔

ابن الکلبی کہتے ہیں کہ عبدالرحمانؓ بن عوف جو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے شوہر

ہیں اور ام کلثوم کی ماں اروی بنت کریز ہے جو حضرت عثمانؓ کی ماں ہے۔ اسی بنا پر ان کو بہنوئی کہہ کر یاد کیا ہے۔ عقد الفرید ج ۳ ص ۷۴ میں بھی اسی سے ملتا جلتا واقعہ مذکور ہے۔

مذکورہ بالا کتاب کے ص ۲۱ میں منقول ہے کہ جب عمرؓ دفن ہوئے تو شوریٰ کے اراکین (جن کی سرپرستی طلحہؓ کر رہے تھے) نے کوئی اقدام نہ کیا اور بیٹھے رہے۔ جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ نے ان کو تبادلہ خیال کے لئے دار المال میں طلب کیا۔ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ قاتلانہ حملہ ہونے کے چوتھے دن بروز اتوار دفن ہوئے۔ صہیب ابن سنان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب عبدالرحمانؓ نے ان لوگوں کی کھسر پھسر، لے دے اور کھینچا تانی دیکھی تو ان سے کہا:

> حضرات میں اپنے آپ اور سعد کو مقابلے سے خارج کرتا ہوں بشرطیکہ مجھے آپ چاروں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا حق مل جائے کیونکہ سرگوشیوں کا سلسلہ کافی طویل ہو چکا اور لوگوں کی پوری توجہ اس بات پر مرکوز ہے کہ وہ اپنے خلیفہ و امام کو پہچان لیں اور اس کے منتظر مختلف علاقوں کے لوگوں نے اپنے اپنے علاقوں کو واپس جانا ہے۔ انہوں نے اس کی تجویز کا جواب دیا کہ سوائے حضرت علی(ع) کے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس پر غور کرتا ہوں۔

پھر ابوطلحہ آیا تو عبدالرحمانؓ نے اسے اپنی پیشکش اور حضرت علی(ع) کے سوا باقی اراکین کے مثبت جواب کے بارے میں بتایا۔ پس ابوطلحہ حضرت علی بن ابی طالب (ع) کے پاس آیا اور کہا:

> اے ابوالحسنؑ بیشک ابومحمد آپ کا اور دیگر مسلمانوں کا خیرخواہ ہے۔ آپ اس کی کیوں مخالفت کرتے ہیں جبکہ وہ خود امارت سے دستبردار ہو چکا ہے؟ بنابریں وہ کسی دوسرے کا گناہ اپنے ذمے نہیں لے گا۔

حضرت علیؑ نے عبدالرحمانؓ بن عوف کو قسم دلائی کہ وہ ذاتی خواہشات کی طرف نہیں جائے گا، حق کو ترجیح دے گا، امت مسلمہ (کے مفادات) کے لئے سعی کرے گا اور رشتہ داری و قرابت کا پاس نہیں کرے گا۔ عبدالرحمانؓ نے قسم کھائی۔ تب حضرت علیؑ نے فرمایا: سوچ سمجھ کر صحیح فیصلہ کیجئے۔ یہ واقعہ دارالمال میں پیش آیا جسے دار المسور بن مخرمہ بھی کہتے ہیں: عبدالرحمانؓ نے حضرت علی ابن ابی طالب (ع) سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا:

> ہم آپ کے اوپر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ اگر یہ امارت آپ کے

> حوالے کر دی جائے تو آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب، نبی(ص) کی سنت اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کریں گے۔

آپ نے جواب دیا:

> میں تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو حتی المقدور اپناؤں گا۔

اس کے بعد عبدالرحمانؓ تنہائی میں حضرت عثمانؓ سے ملا اور کہا:

> ہم آپ کے اوپر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ اگر یہ امارت آپ کو دی جائے تو ہمارے درمیان اللہ کی کتاب، رسول اللہؐ کی سنت اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کریں گے۔

عثمانؓ نے کہا:

> میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے درمیان اللہ کی کتاب، رسول(ص) کی سنت اور ابوبکر وعمر کی سیرت کے مطابق عمل کروں گا۔

اس کے بعد اس نے دوبارہ حضرت علیؑ سے خلوت کی اور پہلی بات دہرائی۔ حضرت علیؑ نے اسے پہلے کی طرح جواب دیا۔ پھر عثمانؓ سے (دوبارہ) خلوت کی اور پہلی بات دہرائی اور انہوں نے پہلے کی طرح جواب دیا۔ اس کے بعد پھر حضرت علیؑ کے ساتھ خلوت میں ملا اور مثل سابق بات کی۔ آپؑ نے جواب دیا:

> اللہ کی کتاب اور سنت رسول(ص) کی موجودگی میں کسی اور کی سیرت کی ضرورت نہیں۔ تمہاری کوشش یہ ہے کہ اس امارت سے مجھے محروم کر دیا جائے۔

اس کے بعد عبدالرحمانؓ پھر عثمانؓ سے تنہائی میں ملا اور سابقہ بات دہرائی اور عثمانؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ پھر اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ یعنی حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی۔[1]

دوسری روایت یہ ہے کہ جب عبدالرحمانؓ نے تیسرے دن عثمانؓ کی بیعت کی تو حضرت علیؑ نے عبدالرحمانؓ سے کہا:

> تو نے اسے ہمیشہ کے لئے عثمانؓ کو بخش دیا ہے۔ یہ پہلا دن نہیں کہ تم لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہو۔ اب صبر وجمیل کے علاوہ کیا چارہ ہے؟ تمہاری باتوں کے مقابلے میں اللہ ہی مددگار ہے۔ بخدا

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۶۲ طبع بیروت

تو نے عثمان کو امارت اس لئے دی تا کہ وہ اسے تیری طرف لوٹائے
اور اللہ (بندوں کے) کسی نہ کسی کام کی تدبیر میں ہے۔[1]

حضرت علی بن ابی طالب (ع) کی بیعت

حضرت عثمانؓ قتل ہو گئے تو مسلمانوں کو اپنی امارت دوبارہ مل گئی اور وہ تمام سابقہ بیعتوں کی زنجیروں سے آزاد ہو گئے۔ وہ علی ابن ابی طالب (ع) کے پاس امنڈ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ آپ لوگوں سے بیعت لیں۔[2] صحابہ کرامؓ آپ کے پاس آئے اور بولے۔

حضرت عثمانؓ قتل ہو چکے ہیں اور لوگوں کے لئے کسی امام کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ آج ہم اس امارت کے لئے آپ سے زیادہ مناسب کسی کو نہیں پاتے۔ نہ کوئی شخص سابقہ خدمات کے لحاظ سے آپ سے مقدم ہے نہ کوئی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت میں آپ سے قریب تر ہے۔ اللہ کی قسم جب تک ہم آپ کی بیعت نہ کریں گے دم نہ لیں گے۔

فرمایا:

بیعت مسجد میں ہونی چاہیے کیونکہ میری بیعت خفیہ نہیں ہوگی۔

لوگ قتل عثمانؓ کے بعد کئی بار آپ کے پاس گئے۔ آخری بار انہوں نے آپ سے کہا:

قیادت کے بغیر لوگوں کی اصلاح حال نہیں ہو سکتی اور کافی دیر ہو چکی ہے۔ آپ نے ان سے کہا۔ تم لوگ بار بار میرے پاس آتے رہے ہو۔ اب میں تم سے ایک بات کرتا ہوں اگر تم اس کو قبول کر لو تو میں بھی تمہاری بات قبول کروں گا۔ ورنہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہنے لگے۔ انشاءاللہ ہم آپ کی بات قبول کریں گے۔ آپ آئے اور منبر پر تشریف لے گئے اور لوگ آپ کے حضور جمع ہو ئے۔ تب آپ نے کہا۔ مجھے تمہاری امارت پسند نہ تھی لیکن تم لوگ اس بات پر مصر ہو کہ میں تمہاری امارت قبول کروں۔ آگاہ رہو کہ

---

[1] تاریخ طبری حوادث ۲۳ھ ج ۳ صفحہ ۲۹، کامل ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۳۷، العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۸۲ العسجدة الثانية في الخلفاء و تواريخهم۔

[2] تاریخ طبری ج ۵ صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳، انساب الاشراف ج ۵ صفحہ ۷۰، المستدرک امام حاکم ج ۳ صفحہ ۱۱۴۔

تمہارے اموال کی چابی میرے پاس ہے۔ مجھے اس سے ایک درہم بھی لینے کا حق نہیں ہے۔ کیا تم اس سے راضی ہو؟ بولے۔ ہاں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اللہ ان لوگوں کے اوپر گواہ رہنا۔ پھر اس بات پر ان لوگوں سے بیعت لی۔[1]

اسلام کے ابتدائی دور میں قیام حکومت سے مربوط تاریخی حقائق کے مطالعے کے بعد اب ہم خلافت و امامت کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات پر بحث کریں گے۔ ابتداء مکتب خلفاء کی آراء سے کریں گے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ صفحہ ۱۵۳، کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۶۱ حدیث نمبر ۲۴۷۱، تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۱۶۰

امامت کے بارے میں
مکتب خلفاء کے نظریات

مکتب خلفاء کا نظریہ اور استدلال

حضرت ابو بکرؓ نے کہا:

یہ امارت قریش کے اس قبیلے کے علاوہ کسی کے لئے تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ وہ نسب اور خاندان کے لحاظ سے سارے عربوں میں ممتاز ہیں۔ میں تمہارے لئے ان دونوں مردوں یعنی حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ میں سے ایک کو پسند کرتا ہوں۔ پس ان دونوں میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو۔[1]

حضرت عمرؓ نے کہا:

کوئی شخص یہ سمجھ کر مغالطہ نہ ڈالے کہ ابو بکرؓ کی بیعت اتفاقاً اور بغیر سوچے سمجھے ہو گئی تھی اور انجام کو پہنچی تھی۔ بیشک معاملہ یونہی تھا لیکن اللہ نے اس کے برے عواقب سے بچایا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو عظمت و فضیلت میں ابو بکرؓ کی برابری کر سکے۔ جو شخص مسلمانوں سے مشورے کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو نہ اس کی بیعت کی جائے گی اور نہ اس کی جس کی اس نے بیعت کی ہو۔ کہیں یہ دونوں (مسلمانوں کو) دھوکہ دینے کے جرم میں قتل نہ کئے جائیں۔[2]

مکتب خلفاء کے پیروکاروں کے نظریات

قاضیوں میں سے بہترین قاضی ماوردی بغدادی (متوفی ۴۵۰ھ) اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں کہتے ہیں نیز علامۂ زماں امام قاضی ابو یعلی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بھی اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں کہا ہے کہ امامت دو طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ ایک تو ارباب حل و عقد کے انتخاب کے ذریعے اور ثانیاً پہلے امام کی وصیت کے ذریعے۔

ارباب حل و عقد کے انتخاب سے وجود میں آنے والی امامت کے بارے میں علماء کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان اختلاف ہے۔ ارباب حل و عقد کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت ہر علاقے کے اہل حل و عقد کی اکثریت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی تا کہ لوگوں کی حمایت کا دائرہ عام ہو اور امام کی اطاعت اجماعی ہو۔ یہ نظریہ ابو بکرؓ

---

[1] صحیح بخاری باب رجم الحبلی ج۴ صفحہ ۱۲۰ [2] حوالہ سابق

کی بیعت کے پیش نظر نا قابل قبول ہے۔ کیونکہ ان کو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود لوگوں نے منتخب کیا تھا اور اس بیعت سے پہلے غائبین کی آمد کا انتظار نہیں کیا گیا تھا۔

دوسرے گروہ کا خیال میں منصب امامت کے پختہ ہونے کے لئے کم از کم پانچ افراد کی ضرورت ہے جو سب مل کر منتخب کریں یا ایک شخص کے انتخاب کو دوسروں کی رضامندی حاصل ہو۔ اس نظریے کی دو دلیلیں ہیں:

پہلی دلیل: ایک تو بیعت ابوبکرؓ سے جو پانچ افراد کے اتفاق سے عمل میں آئی اور اس کے بعد لوگوں نے ان کی متابعت کی۔ یہ پانچ افراد عمرؓ بن خطاب، ابوعبیدہؓ بن جراح، اسیدؓ بن حضیر، بشیرؓ بن سعد اور ابو حذیفہؓ کے غلام سالم تھے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے چھ افراد کی مشاورتی کمیٹی بنائی تا کہ پانچ افراد کی حمایت سے چھٹا آدمی خلیفہ بنے۔

یہ بصرہ کے اکثر فقہاء اور متکلمین کا نظریہ ہے۔ کوفہ کے بعض علماء کہتے ہیں کہ تین افراد کافی ہیں یعنی دو کی رضامندی سے تیسرا شخص امام بن سکتا ہے۔ بنا بریں ایک حاکم اور دو گواہ ہوئے۔ جیسا کہ صیغہ نکاح کے لئے ولی اور دو گواہ کافی ہیں۔ بعض کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ایک شخص کے ذریعے بھی امامت حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت عباسؓ نے حضرت علی (ع) سے کہا تھا کہ اپنا ہاتھ دراز کریں تا کہ میں آپ کی بیعت کروں لوگ کہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی کی بیعت کر لی ہے۔ پھر آپ کے بارے میں دو افراد کے درمیان بھی اختلاف نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ ایک حکم ہے اور ایک شخص کا حکم نافذ العمل ہے۔[1] رہا پہلے امام کی وصیت کے ذریعے انعقاد امامت کا طریقہ تو اس کے جواز پر اجماع قائم ہے اور اس کی صحت اتفاقی مسئلہ ہے۔ اس کی دلیل دو باتیں ہیں جن پر مسلمانوں نے عمل کیا ہے اور ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے وصیت کے ذریعے امامت حضرت عمرؓ کو دی اور مسلمانوں نے بھی ان کو وصیت کے ذریعے حاصل شدہ امامت کی توثیق کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے وصیت کے ذریعے امامت کا مسئلہ مشاورتی کمیٹی کے حوالے کیا..... آگے چل کر کہتے ہیں۔ کہ کیونکہ حضرت عمرؓ کی بیعت صحابہ کی رضامندی پر موقوف نہ تھی اور اس لئے کہ امام اس امر کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔[2]

امام کی معرفت کے لزوم پر بھی علماء کے درمیان اختلاف نقل ہوا ہے۔ ان میں سے

۱۔ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۶، ۷ ۲۔ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۰

بعض کہتے ہیں کہ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ امام کی ذات اور امام کے نام کی معرفت حاصل کریں۔ جس طرح ان پر خدا اور رسول (ص) کی معرفت ضروری ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے عقیدے کی رو سے امام کی اجمالی معرفت سب پر لازم ہے۔ تفصیلی معرفت واجب نہیں ہے۔[1]

قاضی القضاۃ ابویعلی (متوفی ۴۵۸ھ) نے الاحکام السلطانیہ میں مذکورہ اقوال پر کسی اور کے اس قول کا اضافہ کیا ہے۔ امامت طاقت اور قہر و غلبے کے ذریعے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس کے لئے بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص تلوار کے زور سے تسلط حاصل کرے پھر خلیفہ بن کر امیر المومنین کا لقب پائے تو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی فرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے وہ اس کو امام جانے بغیر رات گزارے۔ خواہ وہ نیک ہو یا فاجر وہ ہر حال میں امیر المومنین ہے۔

ابو یعلی اس امام کے بارے میں جس کے مقابلے میں حکومت کا طالب کوئی شخص خروج کرے اور دونوں کے ہمراہ کچھ لوگ ہوں۔ کہتے ہیں ان میں سے جو غالب آ جائے جمعہ کی نماز انہی کے ساتھ ہوگی۔ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے واقعہ حرہ کے دوران اہل مدینہ کے ساتھ نماز پڑھی اور کہا ہم اسی کے ساتھ ہیں جس کا غلبہ ہو۔[2]

امام الحرمین جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) کتاب الارشاد میں خلیفہ کے انتخاب، اس کی کیفیت اور انتخاب کنندگان کی تعداد کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ امامت کے لئے اجماع شرط نہیں ہے بلکہ امامت امت کے اجماع کے بغیر بھی قائم ہوجاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو امامت حاصل ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے امور کو فوری طور پر نپٹانا شروع کیا اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ دور دراز علاقوں میں موجود اصحاب تک اس کی خبر پہنچ جائے۔ اور کسی نے اس بات پر ان کی ملامت بھی نہیں کی اور نہ اسے کسی نے سستی و لاپرواہی پر محمول کیا ہے۔

جب منصب امامت کے پختہ ہونے کے لئے اجماع کی ضرورت نہیں ہے تو ایک خاص تعداد اور معین مقدار کی شرط پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا درست بات یہی ہے کہ ارباب حل و عقد میں سے صرف ایک شخص کے ذریعے بھی امامت کا انعقاد ہوسکتا ہے۔[3] امام ابن عربی (متوفی ۵۴۳ھ) کہتے ہیں۔ امام کی بیعت کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ سارے لوگ بیعت کریں بلکہ اس کے انعقاد کے لئے ایک یا دو آدمی بھی کافی ہیں۔[4]

نیز شیخ الفقیہ امام علامہ مفسر و محدث قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) سورۃ بقرہ کی آیت: انی جاعل

۱۔ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۵ ۲۔ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۷، ۱۱

۳۔ الارشاد فی الکلام صفحہ ۴۲۴ طبع قاہرہ ۱۳۶۹ھ ۴۔ شرح سنن ترمذی ج ۱۳ صفحہ ۲۲۹ طبع بیروت۔

فی الارض خلیفة کی تفسیر کے آٹھویں مسئلے میں کہتے ہیں۔ کہ اگر ایک شخص بھی جس کا تعلق ارباب حل وعقد سے ہو بیعت کر لے تو خلافت ثابت ہو جاتی ہے اور دوسروں کے لئے بھی بیعت لازم ہو جاتی ہے۔ اس قول کے برخلاف کچھ حضرات کہتے ہیں کہ امامت ارباب حل وعقد کی ایک جماعت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کی اور کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ بنابریں دیگر عقود کی طرح ایک خاص تعداد کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ابو المعالی کہتے ہیں کہ جو شخص ایک فرد کی بیعت کے ذریعے امام بن جائے تو پھر اس کی امامت پکی ہو جاتی ہے۔ وہ پھر کسی خاص وجہ یا تبدیلی کے بغیر معزول نہیں کیا جا سکتا۔ بعد ازاں کہتے ہیں کہ اس مسئلے پر اجماع قائم ہے۔ مفسر قرطبی مذکورہ آیت کی تفسیر کے پندرھویں مسئلے میں کہتے ہیں کہ جب ارباب حل وعقد کے متفقہ فیصلے سے یا ایک شخص کی بیعت سے (جیسا کہ ذکر ہو چکا) کوئی شخص امام بن جائے تو پھر اس کی بیعت تمام لوگوں پر واجب ہو جائے گی۔[1]
قاضی القضاة عضد الدین الایجی (متوفی ۷۵۶ھ) اپنی کتاب "المواقف" میں لکھتے ہیں۔ تیسرا مسئلہ اس بات کے بیان میں کہ امامت کس طرح ثابت ہوتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امامت صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان یا سابقہ امام کی تصریح سے ثابت ہوتی ہے اور یہ بات اجماعی ہے۔ اس کے علاوہ ارباب حل وعقد کی بیعت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن مکتب شیعہ اس نظریے کے خلاف ہے۔ ہماری دلیل بیعت کے ذریعے ابوبکرؓ کی امامت کا ثابت ہونا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ جب امامت کا انتخاب اور بیعت کے ذریعے وجود میں آنا ثابت ہو جائے تو جان لو کہ اس کے لئے اجماع کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات پر عقل اور نقل کی روشنی میں کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کے لئے ارباب حل وعقد میں سے ایک دو افراد کا اقدام کافی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ نے دین میں اپنی پختگی کے باوجود اسی پر اکتفاء کیا تھا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی۔ اور عبدالرحمانؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی۔ انہوں نے اس بات کی شرط نہیں رکھی کہ مدینہ میں موجود افراد اتفاق کر لیں چہ جائیکہ پوری امت کے اجماع کو شرط قرار دیتے۔

اس کے علاوہ کسی نے ان کی سرزنش بھی نہیں کی اور آج تک ہر دور میں یہی سلسلہ جاری ہے۔[2] قاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجی کی کتاب "المواقف" کے شارحین مثلاً سید الشریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) وغیرہ نے بھی قاضی صاحب کی تائید کی ہے۔

---

[1] جامع احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۲۶۹، ۲۷۲ طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ
[2] المواقف فی علم الکلام ج ۸ صفحہ ۳۵۱ ـ ۳۵۳ طبع مصر

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کے باوجود امام کی اطاعت کا وجوب

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے بعد ایسے امام آئیں گے جو مجھ سے ہدایت نہیں حاصل کریں گے نہ میری سنت پر عمل پیرا ہوں گے۔ ان میں جلد ہی ایسے اشخاص اٹھیں گے جن کے دل شیطانی ہوں گے لیکن بدن انسانی۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا:

اے اللہ کے رسول (ص) اگر میں اس وقت موجود ہوا تو کیا کروں؟

فرمایا:

تم امیر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ وہ تمہاری پشت پر مارے اور تمہارے مال کو چھین لے۔ پس اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے امام سے ایسے امر کا مشاہدہ کرے جو ناپسندیدہ ہو تو وہ صبر کرے۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت الگ ہو جائے وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرے گا۔

عبد اللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ جب یزید بن معاویہ کے دور میں واقعہ حرہ میں جو ہونا تھا ہو چکا تو عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا۔ جو کسی (حاکم کی) اطاعت سے خارج ہو جائے تو قیامت کے دن خدا کے آگے اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی۔ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت کا طوق نہ ہو تو وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرے گا۔[1]

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں "لزوم طاعة الامراء فی غیر معصیة" نامی باب میں کہا ہے کہ اہل سنت کے فقہا محدثین اور متکلمین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ فسق، ظلم اور حقوق کی پامالی کے باعث امام اپنے منصب سے خود بخود معزول نہیں ہوتا نہ اسے برطرف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے خلاف خروج کی اجازت ہے۔ بلکہ لوگوں پر واجب ہے کہ اس بارے میں موجود احادیث کے ذریعے اسے وعظ و نصیحت کریں اور ڈرائیں۔ اس سے قبل فرماتے ہیں کہ ان کے

---

[1] صحیح مسلم ج ۶ صفحہ ۲۰، ۲۲ کتاب الامارة باب الامر بلزوم الجماعة

خلاف خروج اور جنگ اجماع کی رو سے حرام ہے اگرچہ وہ فاسق اور ظالم ہی ہوں اور اس بارے میں متعدد احادیث ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حکمران ارتکاب گناہ کے باعث معزول نہیں ہوتا۔[1]

قاضی ابو بکر محمد بن طیب باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) نے ''التمہید'' میں امام کی معزولی اور وجوب اطاعت امام کے سقوط کے اسباب سے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ اہل اثبات اور اصحاب حدیث کی اکثریت کہتی ہے کہ امام فسق، ظلم، غصب اموال، ناحق کسی کی جان لینے، حقوق کی پامالی اور احکام خدا کی خلاف ورزی کے باعث اپنے عہدے سے الگ نہیں ہوتا۔ اس کے خلاف خروج بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اسے وعظ ونصیحت کرنی چاہیے اور خدا کا خوف دلانا چاہیے۔ اس کے کسی بھی امر کی حکم عدولی حرام ہے۔ اس بات کے اثبات کے لئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ سے مروی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان احادیث میں حکمرانوں کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ ظلم کریں اور اموال کی تقسیم میں امتیازی سلوک روا رکھیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا۔ ''سنو اور اطاعت کرو اگرچہ (حکم کرنے والا) کٹی ہوئی ناک والا ایک غلام یا ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، نماز پڑھو ہر نیک اور فاجر کے پیچھے'' علاوہ بریں یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان کی اطاعت کرو اگرچہ وہ تمہارا مال کھائیں اور تمہاری پشت پر ضربت لگائیں۔''

آخری صدیوں میں مکتب خلفاء کے پیروکاروں کا استدلال

ماضی میں خلفاء کی حکومت کے قیام کی صحت پر آخری صدیوں میں مکتب خلفاء کے پیروکاروں کا استدلال یہ ہے کہ خلفاء کی حکومت مسلمانوں کے باہمی مشورے کی بنیادوں پر قائم تھی۔ ان کے بعض حضرات اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آج بھی اسلامی حکومت بیعت کی بنیاد پر قائم ہونی چاہیے۔ لہذا مسلمان جس شخص کی بیعت کر لیں وہ اسلامی حکمران ہو گا اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی۔

یہ تھے اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں مکتب خلفاء کے نظریات اور دلائل، ان کے نظریات اور دلائل پر بحث سے پہلے ان اصطلاحات کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے جن پر آنے والی بحث کا دارومدار ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] شرح صحیح مسلم درج بالا باب کے ذیل میں دیکھیں، السنن الکبریٰ بیہقی ج ۸ صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹

بحث امامت وخلافت سے مربوط اصطلاحات

امامت وخلافت کی بحث کا دار و مدار مندرجہ ذیل سات اصطلاحات پر ہے:

الف: شوریٰ

ب: بیعت

ج: خلیفہ

د: امیرالمومنین

ھ: امام

و: اولوالامر اور امر

ز: وصی اور وصیت

ذیل میں ہم ان اصطلاحات میں سے ہر ایک کی تعریف بیان کریں گے۔

الف۔ شوریٰ

عربی زبان میں " المشاور "، " المشاورة "، " المشورة " سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کا ایک دوسرے کی طرف رجوع کر کے رائے معلوم کرنا۔

چنانچہ کہا جاتے ہے شاور یعنی فلاں نے فلاں شخص کی رائے معلوم کر لی نیز اشار علیه بالرأی یا یشیر یعنی اسے رائے دی یا رائے دیتا ہے۔

یہیں سے ہم

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ[1]

اور اپنے معاملات باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں۔

کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جب ہم لوگ کسی مسئلے میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں: صار هذا الشی ء شوری بینهم۔ یہ چیز ان کے درمیان مشورے کا موضوع بن گئی۔[2]

---

[1] سورہ شوریٰ آیت ۳۸

[2] مفردات القرآن راغب اصفہانی مادہ ''شور''، لسان العرب، معجم الفاظ القرآن الکریم وغیرہ۔

اس لفظ اور اس کے مشتقات کے معانی قرآن حکیم، احادیث شریفہ اور مسلمانوں کے ہاں وہی ہیں جو عربی زبان میں پہلے سے تھے۔ یعنی قرآن و حدیث اور مسلمانوں نے ان کے لغوی معانی کو تبدیل نہیں کیا۔ البتہ ہماری بحث اسلامی نقطہ نظر سے شوریٰ اور مشاورت کی شرعی حیثیت اور ان کے حکم کے بارے میں ہے۔

ب۔ بیعت

عربی زبان میں بیعت سے مراد ہے: الصفقة علی ایجاب البیع۔ خرید، فروخت اور سودا طے پانے پر ہاتھ ملانا یا ہاتھ پر ہاتھ مارنا۔[1] چنانچہ تصافقوا سے مراد ہے۔ تبایعوا (آپس میں سودا کیا)۔[2] یہ تھے عربی زبان میں بیعت کے لغوی معنی۔

رہی عہد اور حلف کی بات تو واضح ہو کہ عرب مختلف طریقوں سے عہد و پیمان باندھتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ طریقہ جو بنی عبدمناف نے کعبے کی تولیت، سقایت حجاج اور مکہ کی سیادت سے مربوط دیگر امور میں اختلاف پر بنی عبدالدار سے جنگ کے فیصلے کے وقت اپنایا تھا۔

ابن اسحاق کی روایت ہے:

> عبدمناف کی اولاد نے خوشبو سے لبالب ایک ظرف لا کر مسجد الحرام میں کعبے کے پاس رکھا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو اس میں ڈبویا۔ اس طریقے سے انہوں نے اور ان کے حلیفوں نے آپس میں پیمان کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں سے کعبہ کو مس کیا تا کہ اپنے عہد کو مزید پکا کریں۔ اسی لئے ''مطیبین'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔[3]

ابن اسحاق نے کعبے کی تجدید کے بارے میں ایک اور روایت نقل کی ہے اس کے مطابق جب کعبے کی عمارت (دوران تعمیر) رکن کے مقام پر پہنچی تو جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلے کی کوشش تھی کہ وہ اسے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپس میں بحث و گفتگو کی۔ عہد و پیمان باندھے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ بنی عبدالدار خون سے لبریز ظرف لے آئے۔ پھر انہوں نے اور بنی عدی بن کعب بن لوی نے کٹ مرنے کا عہد کیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اس خون کے برتن میں ڈبوئے۔ اسی لئے ان کو لعقة الدم (خون چاٹنے والے) کہا گیا ہے۔[4]

---

[1] لسان العرب مادہ ''بیع'' [2] لسان العرب مادہ ''صفق''
[3] سیرة ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۴۱، ۱۴۳ طبع قاہرہ [4] سیرت ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۲۱۳

بیعت کا اسلام میں تصور

بیعت یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔ عربی زبان میں سودا پکا ہونے کی علامت تھی۔ پھر اسلامی معاشرے میں یہ عمل بیعت کرنے والے کی طرف سے بیعت لینے والے کے ساتھ اس کی اطاعت کے عہد کی علامت بن گیا۔ چنانچہ بایعه علیه مبایعة سے مراد ہے عاهده علیه معاهده۔ یعنی فلاں چیز کا اس سے عہد و پیمان کیا۔

قرآن کریم میں ذیل کی آیت میں بیعت کا ذکر ہوا ہے:

> اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا۔[1]
>
> بتحقیق وہ لوگ جو آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ کی بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، پس جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ساتھ عہد شکنی کرتا ہے اور جو اس عہد کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کر رکھا ہے تو اللہ عنقریب اسے اجر عظیم دے گا۔

یہاں ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تین واقعات ذکر کرتے ہیں۔ جن میں آپ (ص) نے مسلمانوں سے بیعت لی تھی۔

پہلی بیعت

اسلام کی سب سے پہلی بیعت عقبہ کی پہلی بیعت ہے جس کے بارے میں حضرت عبادہؓ بن صامت کہتے ہیں کہ حج کے ایام میں انصار کے بارہ افراد جو مدینہ میں مسلمان ہو چکے تھے حج کے لئے آئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے عورتوں والی بیعت لی۔ یہ ہمارے اوپر جہاد واجب ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ہم نے اس بات کی بیعت کی:

> اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ اپنے تئیں بہتان نہیں گھڑیں گے۔ نیک کاموں میں اس کی حکم عدولی نہیں کریں گے۔

---

[1] سورۃ فتح آیت ۱۰

(فرمایا)

اگر تم اس عہد پر عملدرآمد کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر تم نے اس میں سے کسی قسم کی کوتاہی کی اور دنیا میں تمہیں اس کی سزا مل گئی تو یہی اس کا کفارہ ہے۔ اگر تم نے اس کو یوم قیامت تک چھپائے رکھا تو تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اگر وہ چاہے تو عذاب دے گا اور اگر چاہے تو بخش دے گا۔[1]

اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

دوسری بیعت

جو عقبہ کی دوسری اور نسبتاً بڑی بیعت ہے۔ حضرت کعبؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ہم مدینہ سے حج کے لئے نکلے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپس میں طے کیا کہ ایام تشریق کے درمیانی عرصے میں عقبہ (ایک گھاٹی) میں ملاقات کریں گے۔ رات کی ایک تہائی گزرنے کے بعد ہم چھپ چھپا کر کھسکتے ہوئے نکلے اور گھاٹی کے قریب درے میں جمع ہو گئے۔ ہم تہتر افراد تھے اور دو عورتیں تھیں۔ تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ(ص) کے چچا عباسؓ تھے۔ آپؐ نے گفتگو کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور اسلام کی طرف ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا:

میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم تین چیزوں سے اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو اور ان چیزوں سے میری بھی حفاظت کرو گے۔

پس براءؓ بن معرور نے آپ(ص) کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا:

جی ہاں قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ ہم ضرور آپ(ص) کی حفاظت کریں گے ان چیزوں سے جن سے ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہم سے بیعت لیجئے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا ہم جنگ جو ہیں۔

اس وقت ابوالہیثم بن تیہان نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اور لوگوں کے درمیان روابط

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج۲ صفحہ ۴۰، ۴۲

ہیں اور ہم نے ان کو توڑنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہ اقدام کریں اور پھر جب آپ(ص) کو غلبہ حاصل ہو تو آپ(ص) ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

بل الدم الدم والھدم الھدم۔

بلکہ تمہارا خون میرا خون ہے اور تمہاری عزت میری عزت ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

تم لوگ اپنے درمیان سے بارہ نمائندے (نقیب) چن کر مجھے دو تاکہ وہ اپنی بساط کے مطابق اپنی قوم کی سرپرستی کریں۔

ان لوگوں نے بارہ نقیب چن کر دیئے۔ نو(۹) افراد خزرج سے اور تین افراد اوس قبیلے سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم لوگ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے حواریوں کی طرح اپنی بساط کے مطابق اپنی قوم کے سرپرست ہو اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا سرپرست ہوں۔

وہ بولے: ٹھیک ہے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے بیعت کی ہے؟ اسعد بن زرارہ نے یا ابوالہیثم بن تیہان نے۔[1]

بیعت رضوان یا بیعت شجرہ

۶ھ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو عمرہ کے لئے چلنے کو کہا۔ آپ(ص) کے ساتھ ایک ہزار تین سو یا ایک ہزار چھ سو افراد نکلے۔ آپ(ص) کے ساتھ ستر(۷۰) قربانی کے جانور تھے۔ آپ(ص) نے فرمایا۔ میں اسلحہ ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ میں تو صرف عمرے کے لئے جا رہا ہوں۔ پھر انہوں نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا اور چلے یہاں تک کہ حدیبیہ پہنچ گئے جو مکہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ خبر اہل مکہ کو پہنچی تو خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آس پاس کے اطاعت گزار قبائل کو کوچ کا حکم دیا اور دو سو سوار خالد بن ولید یا عکرمہ بن ابی جہل کی سرکردگی میں پہلے روانہ کئے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج۲ صفحہ ۴۷، ۵۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تیار ہو گئے اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت کا حکم دیا ہے۔

لوگ آپ (ص) کے پاس آ کر اس بات کی بیعت کرنے لگے کہ وہ کبھی نہیں بھاگیں گے اور آپ (ص) نے موت پر بیعت لی۔ قریش نے مذاکرات کے لئے ایک وفد بھیجا۔ جب انہوں نے وہ حالت دیکھی تو خوفزدہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لی۔[1]

یہ تھیں عہد رسول (ص) میں ہونے والی بیعتوں کی تین اقسام۔

پہلی بیعت : اسلام پر بیعت

دوسری بیعت: حکومت اسلامی کے قیام پر بیعت

تیسری بیعت: جہاد پر بیعت

یاد رہے کہ تیسری بیعت، دوسری بیعت کی تجدید تھی کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو عمرہ کے لئے سفر کرنے کی دعوت دی تھی بعد میں عمرہ جہاد کی صورت اختیار کر گیا۔ نئی صورت حال اس مقصد سے ہم آہنگ نہ تھی جس کے لئے انہیں کوچ کرنے کا حکم ہوا تھا جس کے لئے وہ نکلے تھے۔ گویا یہ صورتحال اس مقصد سے ہماہنگ نہ تھی جس پر ان کے ساتھ عہد و پیمان ہوا تھا۔ اس لئے ایک نئے اقدام کے لئے بیعت کی ضرورت پڑی جو کارگر ثابت ہوئی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ مرعوب ہو گئے اور مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو گیا۔

ہم اس بحث کا اختتام چھ روایتوں سے کرتے ہیں جو امام کی اطاعت اور بیعت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت اس بات پر کرتے تھے کہ ہم سن کر عمل کریں گے۔ پھر آپؐ فرماتے تھے کہ جہاں تک تم میں سکت ہو۔[2]

۲۔ ایک روایت میں حضرت علی (ع) نے فرمایا۔ ما استطعتم۔ یعنی اپنی استطاعت کے مطابق۔[3]

۳۔ ایک روایت میں ہے: جریر نے کہا کہ (رسول اللہ (ص) نے) فرمایا: کہو جہاں تک میرے بس میں ہو۔

---

[1] امتاع الاسماع للمقریزی صفحہ ۲۷۴، ۲۹۱

[2] صحیح بخاری کتاب لاحقام باب البیعۃ حدیث نمبر ۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب البیعۃ علی السمع و الطاعۃ فی ما استطاع حدیث نمبر ۹۰

[3] سنن نسائی باب البیعۃ فی ما یستطیع الانسان۔

۴۔ ہرماس بن زیاد سے مروی ہے کہ اس نے کہا: جب میں لڑکا تھا تب میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے میری بیعت قبول نہ کی۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان مرد پر واجب ہے کہ وہ سنے اور اطاعت کرے خواہ وہ کام اسے پسند ہو یا ناپسند مگر یہ کہ اسے گناہ کا حکم دیا جائے۔ اس صورت میں سننا اور اطاعت کرنا واجب نہیں۔[1]

۵۔ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میرے بعد تمہارے امور کی باگ ڈور ایسے لوگ سنبھالیں گے جو سنت کے چراغ کو بجھائیں گے، بدعت پر عمل پیرا ہوں گے اور نماز کو اس کے اوقات سے موخر کر دیں گے۔

میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول (ص) اگر میرا ان لوگوں سے واسطہ پڑ جائے تو میں کیا کروں؟

فرمایا:

اے ابن ام عبد کے بیٹے کیا تم مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ تجھے کیا کرنا چاہیے؟ جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی کسی قسم کی اطاعت نہ کی جائے۔[2]

۶۔ حضرت عبادہؓ بن صامت ایک طویل حدیث کے آخر میں نقل کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے کی کسی قسم کی اطاعت نہیں ہو سکتی پس اپنے رب کی نافرمانی نہ کرو۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اپنے رب کے راستے سے نہ ہٹو۔[3]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں بیعت کا مطالعہ کرنے سے ہمارے لئے واضح ہوا کہ بیعت کے تین ارکان ہیں۔

الف: بیعت کرنے والا۔

ب: بیعت لینے والا۔

---

[1] صحیح بخاری باب السمع و الطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ حدیث نمبر ۳، صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ حدیث نمبر ۱۸۳۹۔

[2] سنن ابن ماجہ ج ۲ صفحہ ۹۵۶ حدیث نمبر ۲۸۶۵، مسند احمد ج ۱ صفحہ ۴۰۰

[3] مسند امام احمد ج ۵ صفحہ ۳۲۵، تہذیب ابن عساکر ج ۷ صفحہ ۲۱۵ طبع دمشق

ج۔ جس کام کی انجام دہی کے لئے عہد و پیمان لیا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے بیعت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس مقصد کو سمجھا جائے جس کی انجام دہی کے لئے اطاعت مطلوب ہوتی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں موجود کیفیت کے مطابق بیعت لینے والے کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کا ہاتھ مارنے سے معاہدہ ہو جاتا ہے۔ بنابریں بیعت ایک شرعی اصطلاح ہے۔ البتہ اسلام نے جس بیعت کی اجازت دی ہے اس کی شرائط آج بھی بہت سے مسلمانوں کے لئے غیر واضح ہیں۔ چنانچہ ہم عرضکرتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیعت اس وقت صحیح ہے جب اس میں درج ذیل تین شرائط موجود ہوں:

۱۔ بیعت کرنے والا، بیعت کا اہل ہو اور بیعت اختیاری ہو۔

۲۔ جس کی بیعت کی جائے وہ بیعت کا اہل ہو۔

۳۔ بیعت ایسے مقصد کے لئے ہو جس کی انجام دہی جائز ہے۔

درج بالا بیانات کی روشنی میں بچے اور دیوانے کی بیعت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ دونوں احکام شرع کے پابند (مکلّف) نہیں ہیں۔ اسی طرح جبری بیعت بھی کالعدم ہے۔ کیونکہ بیعت بھی خرید و فروخت اور تجارت کی طرح ہے۔ جس طرح کسی کا مال زبردستی چھین کر قیمت دینے سے تجارت یا خرید و فروخت نہیں ہوسکتی اسی طرح زبردستی اور تلوار کی نوک پر لی گئی بیعت کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ایسے شخص کی بیعت بھی صحیح نہیں جو اعلانیہ گناہ کرتا ہو۔ نیز کسی گناہ کی انجام دہی کے لئے بھی بیعت درست نہیں۔ بنا بریں بیعت ایک شرعی اصطلاح ہے اور بیعت اسلامی نقطہ نگاہ سے مخصوص احکامات کی حامل ہے۔

ج۔ عربی زبان میں
خلافت اور خلیفہ سے مراد

خلافت کے لغوی معنی ہیں کسی اور کی نیابت، اور خلیفہ سے مراد ہے وہ شخص جو دوسرے کے نیابت کرے یا اس کی جگہ سنبھالے۔[1] ایک اور تعریف کی رو سے خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی کے بعد اس کی جگہ لے اور اس کے مقام کو سنبھالے۔

قرآن حکیم میں خلیفہ کے لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ مفردات راغب مادہ ''خلف'' لسان العرب مادہ ''خلف'' نہایۃ اللغۃ ابن اثیر۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ۔

اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

نیز اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی یہی معنی مراد ہے:

خدایا! میرے خلفاء پر رحم فرما۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے خلفاء کون ہیں؟

فرمایا:

وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث وسنت کو نقل کریں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ ابن اثیر ''نہایۃ اللغۃ'' میں کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے پاس ایک اعرابی آیا اور پوچھا:

کیا آپ خلیفہ رسول خدا (ص) ہیں؟

کہا:

نہیں۔

اس نے پوچھا:

پھر آپ کون ہیں؟

انہوں نے کہا:

انا الخالفة بعده۔ میں رسول (ص) کے بعد کا خالفہ ہوں۔

ابن اثیر کہتے ہیں۔ ''الخالفة'' سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی استطاعت نہ ہو اور جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ اس وضاحت کے بعد ابن اثیر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے یہ بات تواضع کے طور پر کہی تھی۔[1]

یہ لفظ اسی لغوی معنی میں حضرت عمرؓ کے دور میں مستعمل تھا۔ جیسا کہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ وہ ''فصل فی نبذ من اخباره و قضایاه'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں:

ابو ہلال عسکری نے ''الاوائل'' میں، طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں اور حاکم نے ''مستدرک'' میں نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے، ابوبکر بن سلیمان بن ابوحثمہ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ابوبکرؓ کے دور

۱۔ لسان العرب میں ابن اثیر کے حوالے سے نقل ہوا ہے۔

میں ''من خلیفة رسول اللهؐ'' لکھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ ابتداء میں ''من خلیفة ابی بکر'' لکھا کرتے تھے؟ نیز جس شخص نے سب سے پہلے ''من امیر المومنین''۔ لکھا وہ کون تھا؟ کہنے لگا: شفاء (جو ایک مہاجرہ تھی) نے مجھ سے بیان کیا کہ ابو بکرؓ لکھا کرتے تھے ''من خلیفة رسول اللهؐ'' اور عمرؓ لکھا کرتے تھے۔ من خلیفة خلیفة رسول الله (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے خلیفہ کی طرف سے) یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے عراق اور عراقیوں کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ اس نے لبیدؓ بن ربیعہ اور عدیؓ بن حاتم کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا۔ وہ دونوں مدینہ آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں عمرو بن عاص کو پایا۔ ان دونوں نے اس سے کہا:

ہمارے لئے امیر المومنین سے ملاقات کی اجازت لے لو۔

عمرو نے کہا:

تم دونوں نے ان کا صحیح نام لیا ہے۔

پس عمرو بن العاص حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور کہا:

السلام علیك یا امیرا لمومنین۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔

تمہیں اس نام میں کیا خوبی نظر آئی؟ تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے۔

اس نے کہا:

آپ امیر ہیں اور ہم مومنین ہیں۔

بس اس دن کے بعد سے ''امیر المومنین'' لکھا جانے لگا۔

امام نووی سے ان کی کتاب ''تہذیب الاسماء'' میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا۔ آپ لوگ مومنین ہیں اور میں آپ لوگوں کا امیر۔ پس وہ امیر المومنین کہلائے گئے۔ اس سے پہلے انہیں خلیفة خلیفة رسول اللہ(ص) (خلیفہ رسول(ص) کا خلیفہ) کہا جاتا تھا۔ لیکن پھر طوالت کی بناء پر اسے ترک کیا گیا۔[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸، مطبعة السعادة مصر ۱۳۷۱ھ، المستدرک الامام حاکم ج ۳ صفحہ ۸۱، ۸۲، اوائل ابو ہلال عسکری صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ طبع مدینہ منورہ

خلفاء کو امیر المومنین کہنے کا سلسلہ عباسی خلفاء کے عہد تک جاری رہا۔ کبھی کبھار ان کو خلیفہ کے نام سے بھی پکارتے تھے اور اس سے مراد خلیفة اللہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے نماز جمعہ کے خطبہ میں کہا۔ خدا کے خلیفہ اور اس کے برگزیدہ بندے عبدالملک بن مروان کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[1]

جب مہدی عباسی کی محفل میں کہا گیا کہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک بے دین اور زندیق تھا تو مہدی نے کہا: خدا کسی زندیق کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔[2]

عثمانی بادشاہوں کے دور میں بھی لفظ خلیفہ کا استعمال ہوتا تھا اور اس سے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لیتے تھے۔ یہاں تک کہ خلیفہ کا لفظ مسلمانوں کے سلطان اعظم کا نام بن گیا۔

خلاصہ کلام

لفظ خلیفہ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس سے مراد خلیفہ رسول (ص) نہیں ہے نیز رسول (ص) کی حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث کے راویوں کو مراد لیا ہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے دور میں بھی یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا۔ چنانچہ عمرؓ بن خطاب کو ''خلیفہ رسول کا خلیفہ'' کہتے تھے۔ امویوں اور عباسیوں کے دور میں اس لفظ کا استعمال ہوتا رہا اور اس سے خلیفة اللہ مراد لیتے رہے۔ ترکی کے عثمانی حکمرانوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا تھا اور اس سے مراد خلیفة اللہ ہوتا تھا۔ بنا بریں یہ اصطلاح شرعی اصطلاح نہیں بلکہ اصطلاح متشرعہ ہے جسے تسمیة المسلمین بھی کہا جاتا ہے۔

امیر المومنین

ہماری گزشتہ بحث سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ لفظ امیر المومنین کا استعمال حضرت عمرؓ بن الخطاب کے دور سے شروع ہوا۔ اس سے مراد سب سے بڑا اسلامی حاکم ہوتا تھا۔ اس کے بعد سے یہ لفظ عثمانیوں کے دور تک اسی طریقے سے استعمال ہوتا رہا ہے۔

لفظ امام کے لغوی معنی

اس لفظ سے مراد وہ انسان ہے جس کے قول اور فعل کی پیروی اور اقتداء کی جائے۔ خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔[3] جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ذکر ہوا ہے:

---

[1] سنن ابو داود ج ۲ صفحہ ۲۱۰ حدیث نمبر ۴۶۴۵ باب فی الخلفا۔

[2] تاریخ کامل ابن اثیر ج ۱۰ صفحہ ۷، ۸ طبع مصر

[3] عربی لغت کی کتابوں میں مادہ ''ام'' کی طرف رجوع فرمائیں

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا o وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًاo[1]

قیامت کے دن ہم ہر گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے پھر جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ اندھے سے بھی بدتر ہو گا۔

باطل امام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ[2]

تو کفر کے اماموں سے جنگ کرو کیونکہ ان کے قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید وہ باز آجائیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے امام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ کے راستے کی ہدایت کرے۔ جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔

وَاِذِابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۗ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۗ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۗ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ[3]

اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیمؑ کو ان کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور ان کو پورا کر دکھایا۔ ارشاد ہوا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ ارشاد ہوا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

نیز ارشاد رب العزت ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا....[4]

اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق راہ نمائی کرتے ہیں۔

---

[1] سورۃ الاسراء آیت ۷۱،۷۲
[2] سورۃ توبہ آیت ۱۲
[3] سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۴
[4] سورۃ الانبیاء آیت ۷۳

یا انسان کے علاوہ کوئی کتاب امام ہو جیسے ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً۔[1]

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (بھی دلیل ہو جو) راہنما اور رحمت بن کر آئی ہو؟

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے مفہوم سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کے اندر امام کی شرائط کیا ہیں۔ پس اگر امام کتاب ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں پر لوگوں کی ہدایت کے لئے اتری ہو جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب ''قرآن مجید'' ہے اور اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ''تورات'' اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں۔

اور اگر امام انسان ہو تو پھر اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے معین شدہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۗ۔

میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

نیز ''عہدی'' کا لفظ بھی اس بات کی دلیل ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہو، نہ دوسروں پر۔ بالفاظ دیگر وہ خدا کی نافرمانی نہ کرتا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ

میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

ان باتوں کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ اسلامی اصطلاح میں امام سے مراد ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے اس کے رسولوں پر نازل شدہ کتاب۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے معین شدہ انسان جس کے لئے گناہوں سے محفوظ اور معصوم ہونا ضروری ہے۔

امر اور اولو الامر

اس بات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کہ لفظ امر اور اولوالامر سے کیا مراد ہے اور

---

[1] سورہ ہود آیت ۱۷

اور کیا یہ دونوں شرعی اصطلاحات ہیں یا نہیں؟ ہم یہاں عربی زبان اور عام مسلمانوں کے ہاں عام استعمال اور کتاب وسنت میں ان دونوں کے استعمال کی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں:

ا۔عربی زبان میں استعمال

سیرت ابن ہشام، طبری اور دیگر کتب میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے موقعوں پر قبائل عرب سے ملتے۔ ان کو اسلام کی دعوت دیتے اور ان کو بتاتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور ان سے اپیل کرتے تھے کہ وہ آپ کی تصدیق کریں اور حمایت کریں تا کہ خدا کا پیغام پہنچا سکیں۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی عامر، بنی صعصعہ کے پاس تشریف لائے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور بنی عامر کے ایک شخص نے جس کا نام بیحرہ بن فراس[1] تھا کہا:

> اللہ کی قسم اگر قریش کا یہ جوان میرے ہاتھ آ جائے تو میں اس کے ذریعے پورے عرب کو ہڑپ کر جاؤں گا۔

اس کے بعد آپؐ سے عرض کیا:

> آپ کا کیا خیال ہے؟ اگر ہم آپ کے مشن میں آپؐ کی متابعت کریں اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دشمنوں پر غالب کر دے تو کیا آپ کے بعد حکومت ہماری ہو گی؟

فرمایا:

> حکومت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ وہ جسے چاہے عطا کرے۔

وہ بولا:

> کیا ہم اپنی گردنوں کو عربوں کا نشانہ بنا کر پیش کریں اور پھر جب آپ کو فتح حاصل ہو تو حکومت دوسروں کی ہو جائے؟ ہمیں آپ کی امارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[2]

یہ عرب شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''امر'' کو درک کر رہا تھا کہ یہ عرب پر حکومت اور تسلط سے عبارت ہے۔ بنابریں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ

---

[1] اس کے والد کا نام فراس بن عبداللہ بن سلمہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر ابن صعصعہ تھا ملاحظہ ہو: سیرۃ ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۳۳۔

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۳۱، ۳۴۔ تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶

کرنے کا ارادہ کیا تا کہ عرب کی قیادت اور حکمرانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس کے قبیلے کو مل جائے۔ لیکن آپ نے اس کو مثبت جواب نہیں دیا۔ حالانکہ ان دنوں آپ کو حمائتیوں کی شدید ضرورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت کا اختیار آپ کو حاصل نہ تھا۔ بلکہ اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جسے چاہے عطا کرے۔

اسی طرح کا واقعہ ہوذہ بن علی حنفی کے ساتھ اس وقت پیش آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس نے آپ سے حکومت کا مطالبہ کیا۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد مذکور میں ہے اس واقعے کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوذہ بن علی الحنفی کو خط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے جواب میں لکھا کہ آپ کی دعوت کس قدر اچھی اور پیاری ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں۔ عرب لوگ میرے مرتبے کا احترام کرتے ہیں۔ پس آپ اقتدار میں مجھے شریک کریں تو میں آپ کی متابعت کروں گا۔ آپ(ص) نے جواب دیا: لو سألنی سیابة من الارض مافعلت۔ اگر تم مجھ سے زمین کے ایک بیکار ٹکڑے (سیابہ) کا بھی سوال کرو گے تو میں نہیں دوں گا۔[1]

ہمارے خیال میں ''سیابہ'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد بیکار اور متروک زمین تھی۔ جبکہ ہوذہ آپ(ص) سے اقتدار میں شریک یعنی کسی علاقے یا قبیلے وغیرہ کی امارت کا مطالبہ کر رہا تھا، لیکن آپ(ص) نے اسے جواب دیا کہ ہم زمین کے ایک بنجر ٹکڑے کی بھی امارت نہیں دے سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اہل کوفہ اور بصرہ کے قول کی مانند ہے جب ان کے والی نے ان میں سے ہر ایک پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ وہ کچھ کنکر اپنی جامع مسجد میں پہنچائیں تا کہ مسجد میں بچھائے جائیں۔ ان لوگوں کی نظارت کے لئے ان میں سے ایک شخص کو معین کیا گیا۔ یہ شخص ان لوگوں سے کنکر حاصل کرنے میں جانبداری برتتا تھا۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں نے کہا۔ اے واہ کیا کہنے اقتدار (کی خواہش) کے اگرچہ پتھروں پر ہی سہی۔ یہی حال مذکورہ روایت کا ہے۔ کیونکہ ہوذہ نے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتدار طلب کیا اگرچہ پتھروں پر ہی سہی لیکن آپ(ص) نے جواب دیا کہ اسے پتھروں کی امارت بھی نہیں مل سکتی۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ قسم الثانی صفحہ ۱۸ طبع لیدن

۲۔ عام مسلمانوں کے ہاں ان الفاظ کا استعمال

مسلمانوں کے ہاں لفظ امر کا زیادہ استعمال سقیفہ بنی ساعدہ کے دن ہوا اور اس کے بعد تسلسل سے استعمال ہونے لگا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن انصار سے کہا:

استبدّ وابهذا الامر دون الناس....

حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرلو۔

اس کے جواب میں انصار نے کہا:

نولیك هذا الامر۔

ہم یہ امر تیرے سپرد کرتے ہیں۔

اس کے بعد آپس میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور کہنے لگے:

اگر قریش کے مہاجرین ان کو تسلیم نہ کریں اور کہیں کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار اور حامی ہیں پس تم کس بناء پر آپ (ص) کے بعد اس ''امر'' میں ہمارے ساتھ نزاع کرتے ہو تو پھر؟

اس دن حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف استدلال کے طور پر کہا:

یہ امارت قریش کے اس خاندان کے علاوہ تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

نیز حضرت ابوبکرؓ نے قریش کے بارے میں فرمایا:

هم احقّ الناس بهذا الامر من بعده و لا ينازعهم ذالك الاظالم۔

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس ''امر'' کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس میں ان کے ساتھ کوئی شخص نزاع نہیں کرسکتا سوائے ظالم کے۔

حضرت عمرؓ نے بھی سقیفہ بنی ساعدہ کے دن فرمایا:

من ذاينازعنا سلطان محمد و امارته و نحن اهله و عشيرته۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلطنت اور امارت میں ہمارے ساتھ کون نزاع کرسکتا ہے؟ جبکہ ہم اس کے رشتہ دار ہیں۔

پھر حبابؓ ابن منذر نے ان کے جواب میں کہا تھا۔ اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی بات نہ سنو ورنہ اس ''امر'' میں اپنے حصے سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ واللہ تم ہی اس ''امر'' کے زیادہ

حقدار ہو۔

اس دن بشیرؓ ابن سعد نے قریش کی حمایت میں کہا:

لا یرانی اللّٰہ أنازعهم هذا الامر۔[1]

میں اس ''امر'' میں ہرگز ان کی مخالفت نہیں کروں گا۔

۳۔ قرآن و حدیث میں
امر و اولی الامر کا استعمال

احادیث مبارکہ میں لفظ امر کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ آئندہ بحثوں میں ان پر روشنی ڈالیں گے۔ یہاں ہم عامری کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جملہ زیب قرطاس کریں گے۔ فرمایا:

ان الامر الی اللّٰه یضعه حیث یشاء۔

بیشک ''امر'' اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے عطا کرے۔

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال اس آیت میں ہوا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ۔[2]

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

تمام مذکورہ مقامات پر خواہ عام عربوں کے ہاں لغوی معنی کے لحاظ سے ہو یا عرف مسلمین کے نقطۂ نظر سے ہو یا قرآن و سنت کے الفاظ کی روشنی میں، لفظ ''امر'' سے مراد امامت اور مسلمانوں پر حکمرانی ہے۔ بنابریں لفظ ''امر'' اسلامی شریعت میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جس معنی میں عام عربوں اور مسلمانوں نے اسے استعمال کیا ہے۔ اس لئے اگر ہم ''اولی الامر'' کو اصطلاح شرعی یا اصطلاح اسلامی کہیں اور اس سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے والا امام ہو تو درست ہوگا۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ البتہ دونوں مکاتب فکر کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ حقیقی اولی الامر کون ہے؟ کیونکہ مکتب اہل بیت کا یہ نظریہ ہے کہ چونکہ اولی الامر سے مراد ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اولی الامر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوب اور گناہوں سے محفوظ و معصوم ہو۔ اس بات کی تفصیل اسی کتاب میں اپنے مقام پر آئے گی۔ اس

---

۱ سقیفہ بنی ساعدہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۱۸۳۷، ۱۸۵۱
۲ سورۃ النساء آیت ۵۹

کے برعکس مکتب خلفاء کے عقیدے کی رو سے اولی الامر وہ ہے جس کی لوگ بیعت کریں۔ اس عقیدے کی رو سے وہ ہر اس شخص کی اطاعت ضروری سمجھتے ہیں کہ جس کی لوگ بیعت کریں۔ اسی نظریئے کی بنیاد پر انہوں نے یزید بن معاویہ کی اطاعت کی جس نے میدان کربلا میں آل رسول (ص) کا قتل عام کیا اور ان کو قیدی بنا کر زندان میں ڈال دیا۔ مدینہ رسولؐ میں تین دن تک قتل عام کیا اور عورتوں سے تجاوز کی اجازت دی گئی نیز کعبے پر منجنیق سے سنگباری کی گئی۔ جس کی تفصیل انشاءاللہ بعد میں آئے گی۔

وصی اور وصیت

لفظ وصی اور لفظ وصیت (ان دونوں) کے مشتقات عربی زبان میں درج ذیل معانی میں استعمال ہوئے ہیں:

جب کوئی زندہ انسان کسی دوسرے انسان کو اپنی وفات کے بعد کسی کام کی ذمہ داری سونپے تو ذمہ داری ڈالنے والے کو موصی، دوسرے کو وصی اور اس کام کو وصیت کہتے ہیں۔

وصیت کرنے کے لئے کبھی لفظ وصیت اور اس کے مشتقات کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً موصی، وصی سے کہے:

اوصیك بعدی برعایة اهلی او ادارة مدرستی۔

میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میرے گھر والوں کا خیال رکھنے اور میرے مدرسے کو چلانے کی یا فلاں فلاں کام کرنے کی۔

اور گاہے ایسے الفاظ سے بھی کام لیا جا سکتا ہے جو وصیت کے مفہوم کو ادا کریں۔ مثلاً موصی اپنے وصی سے کہے:

اطلب منك ان تقوم بعدی برعایة اهلی و مدرستی۔

میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے بعد میرے گھرانے اور مدرسے کا خیال رکھو اور فلاں فلاں کام انجام دو۔

بسا اوقات موصی (وصیت کرنے والا) اپنی وصیت سے دوسرے لوگوں کو ان الفاظ میں باخبر کرتا ہے:

اوصیت الیٰ فلان و وصیی فلان۔

یعنی میں نے فلاں کو وصیت کی یا میرا وصی فلاں ہے۔

اور کبھی ان الفاظ میں:

عهدت الیٰ فلان یا او کلت الیه ان یقوم بکذا

میں نے فلاں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے یا میں نے فلاں کام فلاں شخص کے ذمے لگایا ہے۔

ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا۔ یہی حال ان سے مشابہ دیگر الفاظ کا ہے۔

یہ عربی میں لفظ وصی، وصیت اور ان دونوں کے مشتقات کے معنی کا خلاصہ ہے۔ قرآن کریم اور سنت نبویہؐ میں بھی یہ الفاظ انہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیات ۱۸۰ تا ۱۸۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ.... فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ۔

اسی طرح سورۃ مائدہ آیت ۱۰۶ میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ۔

اسی طرح سورۃ نساء کی آیت ۱۱ اور ۱۲ میں بھی یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

سنت نبوی میں ان کے استعمال کی مثال اس حدیث میں ملتی ہے جسے امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الوصایا کی ابتدا میں اور مسلم نے صحیح مسلم کی کتاب الوصیۃ میں نقل کیا ہے۔[1] روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما حق امرء مسلم له شیء یوصی فیه ان یبیت لیلتین الا و صیته مکتوبة عنده

مسلمان جس کے پاس کوئی قابل وصیت چیز ہو اسے حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس حالت میں دو راتیں گزارے کہ اس کی تحریری وصیت اس کے پاس نہ ہو۔

اسلامی فقہ میں وصیت کے مخصوص احکام ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا معروضات کی رو سے لفظ ''وصی'' اور لفظ ''وصیت'' کا تعلق اصطلاحات اسلامی یا اصطلاحات شرعیہ سے ہے۔

انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی وصیت جیسا کہ ہم تورات و انجیل سے اس کی مثالیں پیش

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۔ صحیح مسلم شرح النووی ج ۱۱ ص ۷۴

کریں گے یہ ہے کہ وہ اپنی شریعت لوگوں تک پہنچانے اور امت کی نگہبانی کرنے کے لئے اپنے بعد آنے والے اوصیاء کو وصیت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں حضرت علی مرتضٰی (ع) کو ''وصی'' کا لقب حاصل ہوا اور یہ لقب آپ کے لئے اسم علم بن گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے:

> آپ (ع) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ رسولوں کی طرح عمل کرتے ہوئے حضرت علی مرتضٰی (ع) کو اپنے بعد شریعت کی ترویج وتبلیغ اور امت کی نگہبانی کی ذمہ داری سونپی۔ پھر آپ (ص) نے حضرت علی (ع) کے واسطے سے بعد میں آنے والے اپنے گیارہ فرزندوں کو بھی یہ ذمہ داری سونپی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ان تمام باتوں سے باخبر رکھنے کے لئے کبھی لفظ وصی، وصیت اور ان دونوں کے مشتقات کو استعمال کیا ہے اور کبھی دیگر الفاظ کو جو اس مفہوم کو ادا کریں جیسا کہ ان سب کا ذکر آپ (ص) سے مروی ان احادیث میں موجود ہے جن میں آپ (ص) نے اپنے ''ولی الامر'' کی تعین فرمائی ہے۔ ساتھ ہی اس بات کا انکار کرنے والوں کے عقیدے کا بھی ذکر ہے جو آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے اور یہ ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی امارت کی کوئی فکر نہیں کی اور اپنے بعد کسی کو وصی مقرر نہیں کیا۔ (معاذ اللہ)

☆☆☆☆☆

مکتب خلفاء کے
نظریات کا تحقیقی جائزہ

اس سے قبل ذکر شدہ سات عدد اصطلاحات کے مطالعے کے بعد اب خلافت و امامت کے بارے میں دونوں مکاتب کے نظریات اور اس سلسلے میں ان کے استدلالات کا تحقیقی جائزہ لینا آسان ہو جائے گا۔ یہاں ہم مکتب خلفاء کے نظریات سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مکتب خلفاء کا عقیدہ اور ان کے دلائل۔

الف۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: یہ امارت قریش کے علاوہ کسی کے لئے تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ یہ لوگ نسب اور خاندان کے لحاظ سے پورے عرب میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ میں تمہارے لئے ان دونون مردوں ''عمرؓ اور ابوعبیدہؓ'' کو پسند کرتا ہوں۔ پس دونوں میں سے جس کی چاہو بیعت کرو۔

ب۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا: کوئی شخص یہ سوچ کر دھوکہ نہ کھائے کہ ابوبکرؓ کی بیعت اتفاقاً اور بغیر سوچے سمجھے کامل ہوگئی۔ بیشک معاملہ یونہی تھا لیکن اس کے برے عواقب سے اللہ نے بچایا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو ابوبکرؓ کی برابری کر سکے۔ جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر کسی کی بیعت کرے تو نہ اس کی بیعت کی جائے گی اور نہ اس کی جس کی اس نے بیعت کی کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ دونوں دھوکہ بازی کے جرم میں قتل کر دیئے جائیں۔[1]

ان دونوں دلیلوں کا تنقیدی جائزہ

یہاں پہلے ہم نے سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کے استدلال کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنے بعد ولی امر کے تعین کے لئے شوریٰ کا نعرہ لگانے کا ذکر کیا۔

---

۱ صحیح بخاری باب رجم الحبلیٰ۔

رہا سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کا استدلال تو حقیقت یہ ہے کہ اس دن ان سب کے استدلالات قبیلہ پرستی پر مبنی طرز فکر کی عکاسی کر رہے تھے کیونکہ جب انصار آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے کو آپ (ص) کے اہل خانہ کے پاس چھوڑ کر حضرت سعدؓ بن عبادہ کو امارت سونپنے کی غرض سے جلدی میں سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو انہوں نے یہ نہیں کہا

حضرت سعدؓ بن عبادہ سب سے افضل ہے اور اس امارت کا سب سے زیادہ سزاوار ہے بلکہ انہوں نے کہا کہ لوگ تمہارے زیر سایہ رہ رہے ہیں اور کوئی تمہاری مخالفت کی جرات نہیں کر سکتا۔

قریش کے مہاجرین جب ان کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے بھی قبیلہ پرستی پر مبنی سوچ کے مطابق استدلال کرتے ہوئے کہا:

بیشک قریش خاندانی لحاظ سے تمام عرب میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت ہیں اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت میں ہمارے ساتھ کون نزاع کر سکتا ہے جبکہ ہم اس کے اہل اور رشتہ دار ہیں؟

یہی حال اس انصاری کی گفتگو کا تھا کہ جس نے کہا:

ایک امیر ہم میں سے ہوگا ایک تم میں سے اور اس مہاجر کی بات کا بھی جس نے کہا: امارت ہماری ہوگی اور وزارت تمہاری۔

اسی طرح اسیدؓ بن حضیر اور سقیفہ میں موجود قبیلہ اوس کے دیگر افراد کے نقطہ نظر بھی قبائلی سوچ پر مبنی تھا۔ اسی لئے انہیں خوف ہوا کہ کہیں قبیلہ خزرج کو ان کے اوپر تسلط حاصل نہ ہو جائے۔ انہیں اوس وخزرج کے درمیان ہونے والی جنگ بعاث یاد آ گئی جس کو واقع ہوئے دو دہائیاں بھی نہیں گزری تھیں۔ چنانچہ وہ بولے:

اللہ کی قسم اگر خزرج کو ایک بار تمہارے اوپر امارت حاصل ہوگئی تو انہیں تمہارے مقابلے میں فضیلت ہو جائے گی اور وہ ہرگز تمہیں امارت میں شریک نہیں کریں گے۔ پس اٹھو اور ابوبکرؓ کی بیعت کرو۔

آخر کار قبیلہ اسلم کی آمد سے مہاجرین قریش کا پلہ بھاری ہوگیا کیونکہ قبیلہ اسلم سے مدینہ کی گلیاں بھر گئیں۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اور انصاریوں کے مقابلے میں مہاجرین قریش کی حمایت کی۔ اسی لئے بعد میں حضرت عمرؓ نے بجا طور پر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کو ایک ناگہانی اور سوچے سمجھے بغیر انجام پانے والا عمل قرار دیا۔

یہ تھی اس واقعے کی حقیقت خواہ اس میں استدلال کے طور طریقے جس قسم کے بھی ہوں۔ رہی حضرت عمرؓ کی پیش کردہ شوری والی تجویز تو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے مکتب خلفاء کے پیروکاروں کے نظریات کا جائزہ لیتے وقت ذیل میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

مسئلہ خلافت میں مکتب خلفاء کے پیروکاروں کے نظریات

خلافت اور نظام خلافت کو عملی شکل دینے کے بارے میں مکتب خلفاء کے نظریات کا خلاصہ درج ذیل دو باتیں ہیں:

پہلی بات: نظام خلافت درج ذیل طریقوں سے قائم ہوتا ہے:

۱۔ شوری سے
۲۔ بیعت سے
۳۔ اس سلسلے میں صحابہؓ کی سیرت پر عمل سے۔
۴۔ طاقت کے زور سے

دوسری بات: بیعت کے بعد خلیفہ کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ خدا کی نافرمانی کرے۔

گزشتہ صفحات میں ذکر شدہ اصطلاحات کے مطالعے کی روشنی میں اب ہم ان آراء پر یکے بعد دیگرے بحث کا سلسلہ بہ آسانی شروع کر سکتے ہیں۔

شوریٰ سے استدلال پر تحقیقی بحث

سب سے پہلے جس شخص نے شوری کا ذکر چھیڑا اور خلیفہ کے تعین کے لئے شوریٰ کی تشکیل کا حکم دیا وہ حضرت عمرؓ تھے۔ البتہ انہوں نے اسلام میں شوریٰ کے ذریعے امامت کی تعیین کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ بعد میں آنے والے مکتب خلفاء کے پیروکاروں نے شوری کے ذریعے امام کی تعیین کی صحت پر قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے نیز اس بات کا بھی حوالہ دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے بعض اہم امور میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضرت علی(ع) کے ایک فرمان سے بھی استدلال کیا ہے۔ یہاں ہم ان کی دلیلوں سے بحث کی ابتدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے حکم سے وجود میں آنے والی مجلس شوری پر گفتگو کریں گے۔

شوریٰ کے حق میں قرآن
اور سنت رسول(ص) سے استدلال

پہلی دلیل: شوری کے حق میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ...... [1]

دوسری دلیل: یہ اس قرآنی آیت سے عبارت ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ [2]

تیسری دلیل: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہم معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

ان دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں:

الف۔ قرآن کی آیت:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ.......

اور اپنے معاملات باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں۔

سے استدلال کے بارے میں واضح ہو کہ یہ جملہ سورۃ شوریٰ کی آیت ۳۸ کا ایک حصہ ہے۔ اس جملے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ [3]

نیز جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

یہ دونوں جملے مشورے اور انفاق کے بہتر ہونے پر دلالت تو کرتے ہیں لیکن ان کے وجوب پر نہیں۔ یہ تھا پہلا نکتہ۔

دوسرا نکتہ یہ کہ مشورہ وہاں درست ہے جہاں اللہ اور رسولؐ کی طرف سے کوئی حکم موجود نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ [4]

اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے معاملے کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی

[1] سورۃ شوریٰ آیت ۳۸ [2] سورۃ آل عمران آیت ۵۹ [3] سورۃ البقرہ آیت ۳ [4] سورۃ الاحزاب آیت ۳۶

وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اس کے بعد ہم جلد ہی امامت کے بارے میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ فرامین نقل کریں گے جن کی موجودگی میں مشورے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

ب۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ والی آیت سے استدلال کے بارے میں عرض ہے کہ یہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۹ ہے۔ اس آیت کا ذکر اس سورت کی ۱۳۹ ویں آیت سے لے کر ۱۷۶ ویں آیت تک کے تسلسل میں ہوا ہے۔ ان سب میں غزوات رسول(ص) اور ان میں سے بعض آیتوں میں مسلمانوں خاص کر جنگ کرنے والوں کو مخاطب قرار دیا گیا ہے اور انہیں نصیحت کی گئی ہے اور بعض میں فقط رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہوا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک آیت یہ بھی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۝ [1]

(اے رسول) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت طلب کرو اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرو پھر جب آپ عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کر لیں، بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

قارئین کرام بات واضح ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مشورہ کرنے کا حکم لوگوں کے ساتھ ملائمت اور شفقت کے اظہار کی خاطر دیا گیا ہے نہ کہ ان کی رائے پر ضرور بالضرور عمل کرنے کے لئے۔ چنانچہ ساتھ ہی فرمایا ہے: فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ "جب اپنا ارادہ کر لو تو پھر توکل کرو"۔ اپنی رائے پر عمل کرو۔ پھر تمام آیات پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مشورے کا تعلق جنگوں سے ہے۔ روایات کے مطابق حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب سے جو مشورے کئے تھے ان کا تعلق بھی جنگوں سے ہی ہے جیسا کہ ہم ذیل میں ذکر کرنے والے ہیں۔

ج۔ رہی بات اس دلیل کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا

[1] سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹

کرتے تھے تو واضح ہو کہ اصحاب کے ساتھ آپ(ص) کے مشورے جنگوں کے دوران ہوتے تھے۔

اس مشورے کی داستان کچھ یوں ہے کہ آپ(ص) نے اصحاب کو شام سے ابوسفیان کی قیادت میں لوٹنے والے قریش کے تجارتی قافلے کا سامنا کرنے کے لئے نکلنے کا حکم دیا۔ آپ ۳۱۳ افراد کے ساتھ تجارتی قافلے کا سامنا کرنے کے لئے نکلے۔ آپ کا مقصد جنگ کرنا نہ تھا۔ ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی۔ پس اس نے اپنا راستہ بدل لیا اور مکہ میں قریش کے پاس واویلا مچایا۔ قریش جنگ کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ اس لشکر میں تقریباً ایک ہزار جنگجو تھے۔ ادھر ابوسفیان اپنے قافلے کے ساتھ بچ کر نکل گیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ صحیح سلامت مدینہ لوٹ جاتے اور دوسرا یہ کہ جنگ کے لئے آمادہ لشکر قریش کے ساتھ اپنے اس لشکر کے سہارے جنگ فرماتے جو تعداد اور ساز و سامان کے لحاظ سے دشمن کی برابری نہ کر سکتا تھا۔

واقعے کی تفصیل

ابن ہشام نے نقل کیا ہے: آپ(ص) کو قریش اور قافلے کی حفاظت کے لئے ان کی روانگی کی اطلاع ملی۔ پس آپ(ص) نے لوگوں سے مشورہ کیا اور انہیں قریش کے بارے میں بتایا۔ تب ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر گفتگو کی اور خوب گفتگو کی۔ اس کے بعد عمرؓ بن خطاب نے کھڑے ہو کر بات کی اور عمدہ بات کی۔ پھر مقداد کھڑے ہو گئے۔ ابن ہشام نے اس کے بعد انصار کی باتوں کو نقل کیا ہے جبکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی باتوں کا تذکرہ نہیں کیا۔[1] صحیح مسلم میں مذکور ہے: پس ابوبکرؓ نے بات کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ موڑ لیا پھر عمر نے بات کی لیکن حضورؐ نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد مقداد کھڑے ہو گئے۔[2]

یہ تھا مسلم کا بیان جس میں حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو کو نقل نہیں کیا گیا نیز دونوں کتابوں میں مکمل روایت بیان نہیں کی گئی۔ یہاں ہم کتاب المغازی اور مقریزی کی امتاع الاسماع سے پوری روایت نقل کرتے ہیں۔ المغازی کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت عمرؓ نے کہا:

> اے اللہ کے رسول(ص)! اللہ کی قسم یہ قریش اور ان کی عزت کا معاملہ ہے۔ اللہ کی قسم جب سے قریش کو عزت ملی ہے اس کے بعد سے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور اللہ کی قسم! جب سے وہ کافر ہوئے ہیں ایمان نہیں لائے۔ اللہ کی قسم قریش اپنی عزت پر ہرگز حرف نہیں

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۵۳
[2] صحیح مسلم باب غزوۃ بدر ج ۳ صفحہ ۱۴۰۳

> آنے دیں گے اور ضرور آپ سے جنگ کریں گے۔ پس اس کے لئے سامان جنگ آمادہ کر لیں اور اپنی تیاری کر لیں۔

اس کے بعد حضرت مقدادؓ بن عمرو کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

> اے اللہ کے رسول(ص)! خدا کے کام کے لئے چل پڑیں۔ ہم آپ(ص) کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہی تھی:
>
> فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ [1]
>
> آپ اور آپ کا پروردگار جا کر جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔
>
> بلکہ ہم کہتے ہیں: آپ اپنے رب کے ساتھ جائیں اور جنگ کریں ہم بھی آپ دونوں کی معیت میں جنگ کریں گے۔ قسم ہے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کرنیوالے کی اگر آپ ہمیں ''برک الغماد'' [2] لے جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سراہا اور دعائے خیر دی۔ اس کے بعد فرمایا: لوگو مجھے مشورہ دو۔ آپ کی مراد انصار تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ انصار آپ کی مدد صرف مدینہ میں کریں گے، اس سے باہر نہیں کیونکہ انہوں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنی جانوں اور اولاد کی۔ پس آپ نے فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ بن معاذ نے کھڑے ہو کر کہا: انصار کی طرف سے جواب دیتا ہوں۔ اے رسول خداؐ! شاید آپ کی مراد ہم ہیں۔ فرمایا: ہاں۔ تو سعدؓ نے کہا:

> شاید آپ کسی اور کام کے لئے وحی کے مطابق نکلے تھے۔ بلاشبہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کی تحقیق کر چکے ہیں کہ آپ کا ہر پیغام برحق ہے ہم نے آپ سے عہد و پیمان باندھا ہے کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ پس اے اللہ کے نبیؐ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اگر آپ اس سمندر میں پھاندیں گے تو ہم آپ کے ساتھ پھاندیں گے جب

[1] سورۃ المائدہ آیت ۲۴
[2] برک الغماد مکہ کے پیچھے سمندر سے متصل ساحل کے پار پانچ دنوں کی مسافت پر واقع ہے۔ مکہ سے یمن جاتے ہوئے یہاں تک آٹھ دن لگتے تھے۔

تک ہمارا ایک مرد بھی باقی ہے۔ آپ جسے چاہیں عطا کریں، جسے
چاہیں عطا نہ کریں۔ ہمارے اموال سے جس قدر چاہیں لے لیں۔
آپ ہمارے اموال سے جو لیں گے وہ ہمارے لئے اس مال سے
زیادہ عزیز ہے جو آپ چھوڑیں گے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ
میں میری جان ہے، میں اس راستے پر کبھی نہیں چلا تھا اور نہ مجھے
اس کا کوئی علم ہے۔ ہمیں اپنے دشمنوں سے روبرو ہونے میں
کراہت محسوس نہیں ہوتی۔ ہم جنگوں میں بہت صابر ہیں اور دشمن
کے مقابلے میں بے جگری سے لڑتے ہیں۔ شاید خدا ہمارے ذریعے
آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔

ایک اور روایت ہے کہ سعدؓ نے کہا:

اے رسول خدا (ص) ہم اپنے پیچھے اپنی قوم کے بعض ایسے لوگوں کو
چھوڑ آئے ہیں جو آپ کی محبت میں ہم سے بھی آگے اور آپ کی
اطاعت میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ جہاد میں دلچسپی رکھتے
ہیں اور اس کا ارادہ بھی۔ اے رسول اللہ اگر انہیں پتہ چلتا کہ آپ کا
دشمن سے سامنا ہونے والا ہے تو وہ پیچھے نہ رہتے۔ لیکن وہ تو بس
یہی سمجھے تھے کہ وہ ایک قافلہ ہے۔ ہم آپ کے لئے ایک تخت
بناتے ہیں جس پر آپ تشریف رکھیں گے اور ہم آپ کے لئے
سواریوں کا انتظام کریں گے پھر اپنے دشمن سے جنگ کریں گے۔
پس اگر اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ہمیں دشمن پر غالب کر دے تو
ہمارا مقصود ہوگا لیکن اگر اس کے برعکس ہوا تو آپ اپنی سواریوں پر
بیٹھ کر ہمارے پیچھے موجود لوگوں سے جا ملیں گے۔

پس سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سراہا اور فرمایا: اے سعد شاید خدا اس سے
بھی بہتر فیصلہ کرے۔

جب حضرت سعدؓ مشورہ دے چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدا کی برکت کے سہارے چل پڑو کیونکہ خدا نے مجھ سے ایک گروہ
(پر فتح) کا وعدہ کیا ہے۔ واللہ میں دشمن کے گر کر مرنے کی جگہوں
کا منظر دیکھ رہا ہوں۔

صحابہؓ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس دن دشمنوں کے گر کر
مرنے کی جگہوں کی نشاندہی کی اور فرمایا: یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے۔ یوں
آپ (ص) نے ہر ایک کے مقتل کی نشاندہی فرمائی۔ پس لوگوں کو معلوم ہوا کہ انہیں جنگ سے روبرو
ہونا پڑے گا اور یہ کہ اب قافلہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی
وجہ سے انہیں فتح کی امید ہوگئی۔[1] یہ تھا اس مقام پر رسول اللہ (ص) کا اپنے اصحاب کے ساتھ
مشورے کا واقعہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے مشورہ لے رہے تھے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے
جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ مسلمان جنگ کریں گے اور فتح یاب
ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کے گر کر مرنے کی جگہوں سے بھی آگاہ کیا
تھا۔ اور آپ (ص) نے بھی اصحاب کی طرف سے جنگ کے مسئلے میں آپ سے موافقت کرنے پر
انہیں دشمنوں کی قتل گاہوں کے بارے میں بتا دیا۔ جب آپ ان سے مشورہ لے رہے تھے تو
مقصد یہ نہ تھا کہ ان کی رائے سے فائدہ حاصل کریں بلکہ ایک قسم کی شفقت و ملائمت کا اظہار نیز
قریش کے تجارتی قافلے کے چھوٹنے کے بارے میں ان کو باخبر کرنا اور یہ بتا دینا مقصود تھا کہ
معاملہ مال تجارت پر قبضے کی بجائے جنگ کی صورت اختیار کر چکا ہے اس لئے جنگ کی تیاری کرو۔

غزوہ احد

یہ تھا جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصحاب کے ساتھ مشورہ۔ اس کے بعد
اب جنگ احد میں اصحاب کے ساتھ مشورے کا واقعہ بیان ہوگا۔ اس دفعہ باہمی مشورے میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی رائے پر عمل کیا۔ چنانچہ کتاب المغازی اور مقریزی
کی کتاب امتاع الاسماع میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیب منبر ہوئے اور خدا کی
حمد و ثناء کے بعد فرمانے لگے:

لوگو میں میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں
ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور گویا میری تلوار ذوالفقار میان
سے ٹوٹ چکی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی
ہے اور میں ایک مینڈھے کو اپنے پیچھے لئے جا رہا ہوں۔

---

[1] امتاع الاسماع صفحہ ۷۴، ۷۵، کتاب المغازی ج۱ صفحہ ۴۸ طبع آکسفورڈ، عیون الاثر لابن سید الناس ج۱ صفحہ ۲۴۷، دلائل النبوۃ بیہقی ج۲ صفحہ ۳۷۷

لوگوں نے پوچھا:

یا رسول اللہ(ص) ! اس کی تعبیر آپ نے کیا کی ہے؟

فرمایا:

یہ مضبوط زرہ شہر مدینہ ہے پس اسی کے اندر بیٹھے رہو۔ میری تلوار کا ٹوٹنا ایک مصیبت کی علامت ہے جو مجھے پیش آئے گی۔ رہی ذبح ہونے والی گائے تو اس سے مراد میرے شہید ہونے والے اصحاب ہیں اور ایک مینڈھے کو اپنے ساتھ لے جانے کی تعبیر یہ ہے کہ ہم فوجی دستے کے سردار کو انشاء اللہ قتل کر دیں گے۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے:

میری تلوار کا ٹوٹنا میرے گھرانے کے ایک فرد کے قتل ہونے کی علامت ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

مجھے مشورہ دو۔

آپؐ کا خیال تھا کہ مدینہ سے نہ نکلیں گے۔ عبد اللہ بن ابی جیسے منافق اور بڑے بڑے صحابہؓ نے بھی اس رائے کی حمایت کی۔ ان میں مہاجرین بھی تھے انصار بھی۔ تب آپؐ نے فرمایا:

مدینہ میں ہی رہو۔ عورتوں اور بچوں کو (پتھر کے) قلعوں میں رکھو۔ اگر وہ شہر میں داخل ہو گئے تو ہم گلی کوچوں میں ان سے جنگ کریں گے کیونکہ ہم ان سے زیادہ ان گلیوں کو جانتے ہیں۔ پھر انہیں قلعوں اور پتھر کے گھروں کے اوپر سے نشانہ بنائیں گے۔

انہوں نے شہر مدینہ میں ہر طرف عمارتوں کا جال بچھا دیا تھا۔ یوں مدینہ ایک قلعے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس وقت چند نو عمر جوانوں نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور شہادت کے طالب اور دشمن سے روبرو ہونے کے شوقین تھے کہنے لگے:

دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں لے کر باہر نکلیں۔

حضرت حمزہؓ، سعدؓ بن عبادہ اور نعمانؓ بن مالک بن ثعلبہ نے انصار کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر کہا:

اے اللہ کے رسول(ص)! ہمیں خوف ہے کہیں ہمارے دشمن یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان کے ساتھ جنگ کے معاملے میں بزدلی کی وجہ

سے باہر نہیں نکلے۔ اس صورت میں ہمارے خلاف ان کے حوصلے بلند ہوں گے۔ جنگ بدر میں آپ کے ساتھ تین سو افراد تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح دی جبکہ آج ہماری تعداد زیادہ ہے۔

ہم اس دن کی تمنا کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرتے تھے۔ اب اللہ اسے ہمارے ہاں کھینچ لایا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اصرار کو دیکھ کر رنجیدہ خاطر تھے، جبکہ وہ مسلح ہو چکے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے کہا:

قسم ہے اس کی جس نے آپ پر کتاب اتاری میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک ان پر مدینہ سے نکل کر اپنی تلوار سے پے در پے وار نہ کر لوں۔

وہ جمعہ کے دن روزے سے تھے اور ہفتہ کے دن بھی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کے باپ مالکؓ بن سنان اور نعمانؓ بن مالک بن ثعلبہ نیز ایاسؓ بن اوس بن عتیک نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے بارے میں گفتگو کی، جب وہ لوگ اس بات پر اڑ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جمعہ لوگوں کے ساتھ پڑھی پھر انہیں استقامت اور جہاد کے بارے میں وعظ و نصیحت کی نیز انہیں خبر دی کہ اگر وہ صبر کریں تو انہیں فتح حاصل ہو گی۔ یہ سن کر لوگ دشمن کے مقابلے کے لئے باہر نکلنے کے معاملے میں خوش ہو گئے لیکن بہت سے لوگ باہر نکلنے سے خوش نہ تھے۔ اس کے بعد آپ(ص) نے لوگوں کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی جس میں لوگوں کا اژدہام تھا پھر اہالیان عوالی[1] بھی آ گئے۔ انہوں نے عورتوں کو پتھر کے قلعہ نما مکانات میں منتقل کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے جبکہ آپ(ص) کے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے۔ ان دونوں نے آپ(ص) کو عمامہ اور جنگی لباس پہنایا۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے سے لے کر آپ کے منبر تک آپ کے لئے صف بستہ کھڑے تھے۔ پھر سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر آئے اور ان دونوں نے لوگوں سے کہا:

تم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کہنا تھا سو کہا اور ان کے سامنے مدینہ سے باہر نکلنے پر ناخوشی کا اظہار کیا ہے حالانکہ آپ پر آسمان سے حکم نازل ہوتا ہے۔ پس اس مسئلے کو خود ان پر چھوڑ دو اور وہ جو فیصلہ کریں اس پر عمل کرو۔ نیز ان کی رائے اور خواہش کی

---

[1] واضح رہے کہ ''عوالی'' ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

اطاعت کرو۔

جب وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے۔ آپ نے سامان جنگ زیب تن کر رکھا تھا۔ آپ نے زرہ اوپر پہن رکھی تھی اور اس کے وسط میں ایک کمربند باندھا ہوا تھا جو چمڑے کا تھا اور اس میں تلوار لٹکائی جاسکتی تھی۔ پھر آپ نے عمامہ پہنا اور تلوار لٹکائی۔

پھر جو لوگ اصرار کر رہے تھے وہ کہنے لگے:

یا رسول اللہ(ص)! ہمیں آپ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ جو آپ کو مناسب لگے وہی کیجئے۔

آپ(ص) نے فرمایا:

میں نے تمہیں اس بات کی دعوت دی لیکن تم لوگوں نے انکار کیا اور کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں کہ اپنا سامان جنگ پہننے کے بعد اسے اتارے۔ یہاں تک کہ خدا اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ میں جو حکم دیتا ہوں اس پر غور کرو اور اس کی پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلو۔ اگر تم صبر کرو گے تو تمہیں فتح حاصل ہوگی۔

مدینہ سے نکلنے کے بارے میں اصحابؓ کے اصرار کی حکمت شاید یہ ہو کہ اگر آپ ان کی بات منظور نہ کرتے تو ان کے ذہنوں پر برا اثر مرتب ہوتا اور شجاعت و پامردی کی بجائے کمزوری اور سستی کے شکار ہو جاتے۔ رہا یہ سوال کہ جب انہوں نے آپ کی رائے سے موافقت کر لی تو اس کے بعد آپ(ص) نے ان کی بات قبول کیوں نہیں کی تو اس کی حکمت عملی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیان فرمائی۔

اصحاب کی رائے پر آپ(ص) کے عمل کی ایک اور مثال غزوہ خندق میں پیش آنے والے ایک واقعہ میں ملتی ہے جس کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

غزوہ خندق

مؤرخین نے غزوہ خندق کے بارے میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ(ص) کے صحابہؓ کئی دنو ں تک محصور رہے یہاں تک کہ تکلیف سنگین ہوگئی۔ آپ(ص) نے فرمایا:

خدایا میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ خدایا اگر تو چاہتا ہے

تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔

آپ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو (جو غطفان کے سردار تھے) بلا بھیجا کہ ان دونوں کو مدینہ کے کھجوروں کا ایک تہائی حصہ دینے کا معاہدہ کر لیا جائے تاکہ اس کے عوض وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لوٹ جائیں۔ ان دونوں نے کھجوروں کا نصف حصہ طلب کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تہائی سے زیادہ دینے سے انکار کر دیا تو وہ دونوں راضی ہو گئے۔ وہ دونوں اپنی قوم کے دس افراد کے ساتھ آئے یہاں تک کہ معاملہ طے ہونے کے قریب ہوا۔ اس کے بعد کاغذ اور دوات لائے گئے تاکہ باہمی صلح نامہ تحریر کریں۔ اس وقت عباد بن بشر آپ(ص) کے پاس لوہے میں غرق کھڑا تھا۔ اتنے میں حضرت اسیدؓ بن حضیر آئے جبکہ عیینہ اپنے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا۔ پس جناب اسیدؓ نے اس سے کہا:

اے لومڑی کے بچے اپنی ٹانگیں سمیٹ لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے اپنے پاؤں پھیلاتے ہو؟ واللہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں نہ ہوتے تو میں تمہاری دونوں چھاتیوں کو نیزے سے چھلنی کر دیتا۔

اس کے بعد کہا:

یا رسول اللہ(ص)! اگر یہ آسمانی حکم ہے تو اسے انجام دیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ کی قسم ہم انہیں نہیں دیں گے مگر تلوار کا تحفہ۔ تمہیں ہم سے اس کی طمع کب سے ہونے لگی ہے؟

پس آپ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کو بلایا اور ان دونوں سے خفیہ مشورہ لیا۔

ان دونوں نے کہا:

اگر یہ آسمانی حکم ہے تو اسے انجام دیں اور اگر یہ آسمانی حکم نہیں ہے بلکہ آپ(ص) کی ذاتی خواہش ہے تب بھی ہم آپ کے حکم کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ لیکن اگر محض ایک رائے ہے تو پھر ہمارے پاس ان کے لئے صرف تلوار ہے۔

یہ سن کر آپ(ص) نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ عرب تمہیں ایک ہی کمان سے تیر کا نشانہ بنا رہے ہیں یعنی سب تمہارے خلاف متحد ہو کر جنگ کے لئے آئے ہیں تو میں نے سوچا کہ میں ان کو راضی کر لوں گا اور ان سے جنگ نہیں

کروں گا۔

پس وہ دونوں بولے:

یا رسول اللہ(ص)! قسم ہے اللہ کی جب یہ لوگ ایام جاہلیت میں مجبوری کے ہاتھوں علھز کھاتے تھے اس وقت وہ ہم سے ہرگز اس بات کی توقع نہ رکھتے کہ وہ بغیر خریدے یا بغیر مانگے ہم سے میوہ حاصل کریں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے پاس بھیجا اور آپ کے ذریعے ہمیں عزت و ہدایت دی تو اس کے بعد ہم انہیں کمزوری دکھائیں؟ ہم انہیں ہرگز نہیں دیں گے مگر تلوار۔

تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کاغذ کو پھاڑ دو۔

تو حضرت سعدؓ نے اسے پھاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر عیینہ اور حارث کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا:

لوٹ جاؤ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

یہ تھا اس جنگ میں آپ(ص) کا اپنے صحابہؓ سے مشورہ لینے کا واقعہ۔ اس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ(ص) دشمن قبائل کے درمیان افتراق ڈالنا چاہتے تھے۔ خاص کر آپ نے آخر میں بلند آواز سے فرمایا: لوٹ جاؤ ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، تاکہ یہ خبر قریش کے درمیان پھیل جائے اور ان کے درمیان اختلاف پڑ جائے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعیم بن مسعود کو حکم دیا اور کامیابی ہوئی۔ اس طرح سے آپ نے بنی قریظہ اور قریش کے درمیان افتراق، شکوک اور شبہات پیدا کئے اور یہ ان کی شکست کی ایک وجہ تھی۔[1]

ہم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشوروں پر جو تبصرے کئے ان کی روشنی میں ہمارے لئے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان مشوروں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ(ص) اپنے صحابہؓ سے صحیح رائے سیکھ کر ان پر چلتے بلکہ گاہے مقصد یہ ہوتا تھا کہ آپ(ص) مشورے کی صورت میں انہیں صحیح رائے سے آگاہ فرماتے تھے جو آپ کے علم میں پہلے سے ہوتا تھا تاکہ وہ اس پر عمل کرتے۔

غزوہ بدر میں بھی صحابہؓ کے ساتھ آپ(ص) کے مشورے کی نوعیت یہی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو پہلے ہی نتیجہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ مسلمان قریش سے جنگ کر کے فتح

[1] امتاع الاسماع مقریزی صفحہ ۲۳۵، کتاب المغازی ج ۲ صفحہ ۴۷۷

حاصل کریں گے۔ مشورے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نتیجے سے آگاہ بھی کر دیا اور کفار قریش کے قتل ہونے کی جگہوں کی نشاندہی بھی فرمائی۔ بنابریں اصحاب کے ساتھ مشورے کی غرض و غایت مشورے کی شکل میں مسلمانوں کو ان امور سے آگاہ کرنا تھی جن پر عمل کرنا ان کے لئے ضروری تھا، ان جابر حکمرانوں کے برعکس جو اپنی آراء کو لوگوں پر جبراً ٹھونستے ہیں اور (مثال کے طور پر) کہتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہیں اور یہ ہے ہمارا شاہی فرمان....وغیرہ۔

آیت مجیدہ کا ابتدائی حصہ اس امر پر صاف دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ[1]

(اے رسول) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت طلب کرو اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرو۔

پس یہاں مشورے کی غرض و غایت لوگوں کے ساتھ شفقت و نرمی اور خدا کی رحمت کا اظہار تھی جیسا کہ ان دونوں باتوں کا ذکر آیت مبارکہ کے پہلے حصے میں ہوا۔

گاہے مشورے کا مقصد اظہار شفقت و نرمی ہوتا تھا جیسا کہ سابقہ مثالوں سے واضح ہوا اور کبھی مسلمانوں کی ذہنی تربیت جس کی مثال جنگ احد والا مشورہ ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رائے لینے کے بعد احد کی طرف جانے کے لئے سامان حرب زیب تن کیا تو صحابہؓ شہر مدینہ سے نکلنے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے اصرار پر نادم ہو گئے اور کہنے لگے:

اے اللہ کے رسول(ص) ہمیں آپ(ص) کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی، پس آپ، وہی کیجیے جو آپ کو مناسب لگے۔

آپ(ص) نے فرمایا:

میں نے تمہیں اس بات کی دعوت دی لیکن تم نے انکار کیا اور کسی نبی کے لئے مناسب نہیں کہ سامان جنگ زیب تن کرنے کے بعد

[1] سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹

اسے اتار دے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے ظاہر ہے کہ اگر آپ شہر سے نکلنے کے معاملے میں ان کی شدید خواہش کو رد کر دیتے تو ان کے ذہنوں پر برے اثرات مرتب ہوتے، ان کے حوصلے کمزور ہو جاتے، وہ تردد کا شکار ہوتے اور ان میں جنگ کی ہمت نہ رہتی۔

بیعت سے استدلال پر تحقیقی بحث

قبل ازیں معلوم ہو چکا ہے کہ بیعت بھی بیع (خرید وفروخت) کی طرح مرضی اور اختیار سے ہونی چاہیے نہ کہ جبر واکراہ اور تلوار کے زور سے نیز آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ گناہ پر بیعت نہیں ہوسکتی۔

☆ حکم خدا کی مخالفت میں بیعت نہیں ہوسکتی اور

☆ گناہ گار کی بیعت نہیں ہوسکتی۔

ہم یہ بھی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلی بار جو بیعت لی گئی وہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت تھی اور بیعت عمرؓ کی صحت اس بیعت کی صحت پر موقوف ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کی بیعت حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے ہوئی۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کی بیعت بھی تب صحیح ہوسکتی ہے جب حضرت عمرؓ کی بیعت برحق ہو کیونکہ حضرت عثمانؓ کی بیعت حضرت عمرؓ کے اس حکم کی بدولت ہوئی کہ ان کی طرف سے معین شدہ چھ قریشیوں میں سے اس شخص کی بیعت کی جائے جس کی بیعت عبدالرحمانؓ بن عوف کرے اور اس حکم کی مخالفت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔

پھر ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کس طرح سے بزور لی گئی۔ پھر قبیلہ اسلم کی پشت پناہی سے مدینہ کی گلیوں میں یہی ہوا۔ نیز یہ بھی آپ نے مشاہدہ کر لیا کہ دختر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر کس طرح سے آگ لے جائی گئی اس جرم میں کہ وہاں بیعت سے انکار کرنے والے پناہ لئے بیٹھے تھے۔ ادھر بیعت سے انکار پر حضرت سعدؓ ابن عبادہ کو جنوں نے دو تیروں سے قتل کر دیا۔ یہ تھا شہر مدینہ میں بیعت کا حال۔ رہی مدینہ سے باہر کی حالت تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور ان کے عاملوں کو زکوۃ دینے سے انکار کرنے والے مردوں کے عامل صحابی رسول (ص) حضرت مالکؓ بن نویرہ جن کا

تعلق بنی تمیم سے تھا اور ان کے خاندان کو اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ خالد بن ولید کے لشکر نے رات کے وقت ان پر اچانک یورش کر دی اور انہوں نے بھی اپنے دفاع میں اسلحہ اٹھا لیا۔ خالد کے لشکر نے کہا:

بیشک ہم مسلمان ہیں۔

مالک کے خاندان نے کہا:

ہم بھی مسلمان ہیں۔

خالد کے لشکریوں نے کہا:

اگر ایسا ہی ہے تو اسلحہ رکھ دو۔

پس انہوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور خالد کے لشکر کے ساتھ نماز پڑھی۔[1] اس کے بعد مالکؓ کو خالد بن ولید کے پاس لے گئے۔ خالد نے مالکؓ کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ حضرت مالکؓ اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہوئے اور خالد سے مخاطب ہو کر کہا:

درحقیقت اِس نے مجھے قتل کیا ہے۔

وہ نہایت حسین وجمیل تھی۔ خالد نے کہا:

نہیں بلکہ تجھے اللہ نے اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کیا ہے۔

حضرت مالکؓ نے کہا:

بے شک وشبہ ہم مسلمان ہیں۔

مالکؓ کو قتل کرنے کے بعد خالد کے حکم سے مالکؓ کے سر کو ہانڈی کے پتھر کی جگہ استعمال کیا گیا۔ پھر خالد نے اسی رات مالکؓ کی بیوی سے ہم بستری کی جبکہ مالک دفن بھی نہیں ہوئے تھے۔[2]

اسی طرح قبائل کندہ کو بھی یہی دن دیکھنے پڑے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کے عامل زیاد بن لبید البیاضی نے بنی کندہ کے ایک جوان شخص کی اونٹنی پر قبضہ کر لیا۔ کندی جوان نے کہا:

اس کے بدلے کوئی اور اونٹنی لے لو۔

لیکن عامل انکار پر مصر رہا کیونکہ اس نے اونٹنی پر زکات وصدقات کے حیوانوں کا نشانہ لگا دیا تھا۔[3] پس وہ جوان کندہ کے ایک رئیس حارثہ بن سراقہ کے پاس گیا اور کہا:

---

[1] تاریخ طبری ج۱ صفحہ ۱۹۶۷، ۱۹۲۸ طبع یورپ، تاریخ یعقوبی ج۲ صفحہ ۱۳۱ طبع بیروت

[2] تاریخ ابو الفداء صفحہ ۱۵۸، وفیات الاعیان حالات وثیمہ وغیرہ کتب معتبرہ [3] فتوح البلدان "ردۃ بنی ولیعۃ والاشعث بن قیس"۔

اے میرے بھائی زیاد بن لبید نے میری ایک اونٹنی زبردستی لے لی ہے اور اسے زکات کے اونٹوں کے ساتھ رکھا ہے حالانکہ مجھے یہ اونٹنی بہت پسند ہے۔ اگر آپ اس کے ساتھ اس اونٹنی کے بارے میں بات کرنا مناسب سمجھیں تو شاید وہ اسے چھوڑ دے اور اس کے بدلے میں میرے اونٹوں میں سے کوئی اور لینے پر راضی ہو جائے۔

پس حارثہ، زیاد کے پاس آیا اور کہنے لگا:

اگر آپ اس جوان کی اونٹنی واپس کر کے اس کے بدلے میں کوئی اور لے لیتے تو احسان ہوتا۔

زیاد نے کہا:

اس پر تو زکات کا نشان لگ چکا ہے۔

پھر ان دونوں میں تلخ کلامی ہوئی۔ اس کے بعد حارثہ زکات کے اونٹوں کے پاس آیا۔ اس نے اونٹنی کو نکال لیا اور جوان سے کہا:

اپنی اونٹنی لے لو۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے تو میں تلوار سے اس کی ناک توڑ دوں گا۔

اس کے بعد وہ کہنے لگا:

ہم نے تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ کی اطاعت کی تھی۔ اگر آپ کے اہل بیتؑ میں سے کوئی شخص آپ کی جگہ لیتا تو ہم اس کی اطاعت کرتے، لیکن ابو قحافہ کے بیٹے کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اللہ کی قسم ہم اس کی اطاعت اور بیعت کے پابند نہیں ہیں۔

پھر اس نے کچھ اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

اطعنا رسول اللہ اذ کان بیننا　　فیا عجبا ممن یطیع ابابکر

ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ کی اطاعت کی لیکن تعجب ہے اس شخص پر جو ابوبکرؓ کی اطاعت کرے۔

کندہ کے ایک رئیس حارث بن معاویہ نے زیاد سے کہا:

تم ایک ایسے شخص کی اطاعت کی دعوت دے رہے ہو جس کے بارے میں نہ ہمیں کوئی وصیت ہوئی ہے نہ تمہیں۔

زیاد نے کہا:

تیری بات صحیح ہے لیکن ہم نے اسے امارت کے لئے چن لیا ہے۔

حارث نے کہا:

مجھے بتاؤ کہ تم لوگوں نے اہل بیت رسولؐ کو اس منصب سے کیوں محروم کر دیا ہے؟ حالانکہ وہ لوگوں میں اس منصب کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔[1]

اور کتاب اللہ کی رو سے رشتہ دار آپس میں مومنین اور مہاجرین سے زیادہ حق دار ہے۔

زیاد نے اس سے کہا:

مہاجرین وانصار اپنے بارے میں تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

حارث نے کہا:

نہیں قسم ہے اللہ کی تم لوگوں نے اہل بیت رسول(ص) کو امارت سے محروم نہیں کیا مگر حسد کی بناء پر۔ میرا دل قبول نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے شخص کو معین کئے بغیر دنیا سے چلے گئے ہوں جس کا لوگ اتباع کریں۔ لہذا آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ تم ایک ناپسندیدہ امر کی دعوت دے رہے ہو۔ پھر حارث کہنے لگا:

کان الرسول هو المطاع فقد مضى صلى عليه الله لم يستخلف۔

اطاعت کے قابل تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے جن پر اللہ کا سلام ہو۔ آپ کسی کو جانشین بنائے بغیر چلے گئے۔

اس کے بعد زیاد نے زکات کے اونٹ مدینہ بھیج دیئے پھر خود بھی مدینہ کی طرف چل پڑا اور ابوبکرؓ کو وہ روئیداد سنائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے زیاد کو چار ہزار سپاہیوں سے لیس کر دیا۔ زیاد حضرموت کے ارادے سے نکلا۔ راستے میں قبائل کندہ پر وہ بے خبری میں حملے کرتا، ان کو قتل کرتا اور اسیر بناتا چلا گیا جس طرح انہوں نے بنی ہند پر حملہ کر کے بعض کو قتل کیا تھا نیز ان کی عورتوں

---

[1] سورہ احزاب آیت ۶

اور بچوں کو اسیر بنا لیا تھا۔ انہوں نے کندہ کے قبیلہ بنی عاقل کی بے خبری میں خبر لی۔ جب لشکر ان کے سر پر پہنچ گیا تو عورتیں چلانے لگیں۔ کچھ دیر تک مردوں نے جنگ کی پھر ان کی شکست ہو گئی۔ پس زیاد نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اس کے علاوہ زیاد نے رات کی تاریکی میں اپنے سواروں کے ساتھ قبیلہ کندہ کی ایک شاخ بنی حجر پر حملہ کر کے دو سو افراد کو قتل اور پچاس کو اسیر بنا لیا۔ باقی مرد بھاگ گئے۔ عورتیں اور بچے اسیر بنا لئے گئے۔

پھر اشعث بن قیس نے اس کے ساتھ جنگ کی اور اسے تیم کے شہر میں محصور کر دیا۔ پھر اموال اور بچوں کو واپس لے کر متعلقہ افراد کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اشعث کو راضی کرنے کے لئے ایک خط لکھا۔ اشعث نے نامہ بر سے کہا:

> تمہارا ساتھی ابوبکرؓ ہمیں اس لئے کافر قرار دیتا ہے کہ ہم اس کے مخالف ہیں لیکن اپنے ساتھی کو جس نے میری قوم اور میری قوم کے بھائی بندوں کو قتل کیا کافر نہیں سمجھتا۔

یہ سن کر نامہ بر نے کہا:

> ہاں اے اشعث وہ تمہیں کافر سمجھتا ہے کیونکہ خدا نے تمہیں مسلمانوں کی جماعت سے مخالفت کرنے کی بناء پر کافر قرار دیا ہے۔

یہ سنکر اشعث کے چچا کی اولاد سے ایک جوان نے اپنی تلوار کی ضرب مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اشعث نے اس کے اقدام کو سراہا۔ اس بات سے اشعث کے اکثر ساتھی ناراض ہو گئے یہاں تک کہ قریباً ایک ہزار افراد اس کے ساتھ رہ گئے۔ پس زیاد نے ابوبکرؓ کو پیام رسان کے قتل ہونے سے اپنے محاصرے کی اطلاع دی۔ تو انہوں نے مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے مشورہ دیا: ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اگر وہ جمع ہونا چاہیں تو بہت بڑی جماعت بن جائے گی۔ اگر آپ اس سال لشکر کشی نہ کریں تو مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ اپنی مرضی سے زکات دیں گے۔ ابوبکرؓ نے کہا:

> واللہ اگر یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان پر واجب شدہ اموال میں سے ایک رسی (جس سے اونٹ کا پاؤں باندھتے ہیں) بھی ادا نہ کریں تو میں ان کے ساتھ آخری دم تک جنگ کروں گا مگر یہ کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابوجہل کو خط لکھا کہ مکہ سے اس کے ساتھ جانے پر تیار لوگوں کو لے کر زیاد سے جا ملے اور راستے میں موجود عرب قبائل کو بھی آمادہ کرتا جائے۔ پس

عکرمہ قریش کے دو ہزار سواروں، ان کے غلاموں اور حلیفوں کو لے کر چلا۔ پھر وہ مارب کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی خبر اہالیان دبا کو پہنچی اور وہ طیش میں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اسے کندہ کے بھائی بندوں کے ساتھ جنگ سے روکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ابوبکرؓ کے عامل کو نکال دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے خط لکھا کہ ان کی طرف چل پڑے اور ان کو نہ بخشے اور جب ان سے فارغ ہو جائے تو ان کو اسیر بنا کر روانہ کرے۔ پس عکرمہ ان کی طرف بڑھا۔ اس نے ان سے جنگ کی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے صلح کرنے اور زکات دینے کی درخوست کی لیکن اس نے قبول نہیں کیا مگر یہ کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور انہوں نے قبول کر لیا۔ پس عکرمہ ان کے قلعے میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان کے رؤساء کو باندھ کر قتل کیا، عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا، اموال کو چھین لیا اور باقی ماندہ لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو قتل کرنے نیز عورتوں اور بچوں کو تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ تب حضرت عمرؓ کو کہنا پڑا:

> اے ابوبکرؓ! یہ لوگ مسلمان ہیں اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے دین اسلام نہیں چھوڑا۔

پس حضرت ابوبکرؓ نے انہیں قید رکھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہو گئی پھر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں انہیں آزاد کر دیا۔

اس کے بعد عکرمہ، زیاد کے پاس چلا گیا۔ اس بات کی خبر اشعث بن قیس کو مل گئی تو اس نے قلعہ نجیر میں پناہ لی۔ وہاں اس نے اپنی اور قوم کی عورتوں کو جمع کیا۔ ابوبکرؓ کے پیام رساں کے قتل کے بعد اشعث کو چھوڑ کر چلے جانے والے قبائل کندہ کے لوگ اس سے مطلع ہوئے تو انہوں نے اپنے ہم قبیلہ بھائیوں کو محاصرے میں بے یار و مددگار چھوڑنے پر ایک دوسرے کی ملامت کی اور زیاد سے جنگ کے لئے چل پڑے۔ زیاد گھبرا گیا۔ عکرمہ نے کہا:

> میری رائے یہ ہے کہ تم قلعے والوں کا محاصرہ جاری رکھو اور میں جا کر ان لوگوں کی خبر لیتا ہوں۔

زیاد نے کہا:

> ٹھیک ہے لیکن اگر اللہ نے فتح دی تو تلوار نیام میں نہ رکھو یہاں تک کہ ان کا ایک فرد بھی باقی نہ رہے۔

عکرمہ نے کہا:

> میں مقدور بھر کوشش کروں گا۔

اس کے بعد عکرمہ روانہ ہو گیا یہاں تک کہ دشمنوں سے آمنا سامنا ہو گیا اور ان میں

جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں کبھی ایک طرف کا پلہ بھاری ہوتا کبھی دوسرے کا۔ اشعثؓ بن قیس کو اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ محاصرہ طول پکڑ گیا۔ نیز بھوک اور پیاس کی شدت نے ستانا شروع کیا تو اس نے زیاد سے اپنے گھر والوں اور اپنے دس چیدہ چیدہ افراد کے لئے امان طلب کی۔ ان میں خط وکتابت ہوئی۔ زیاد نے وہ تحریر عکرمہ کو بھیجی۔ عکرمہ نے قبائل کندہ کو اس کی اطلاع دی انہیں وہ تحریر دکھائی چنانچہ وہ جنگ سے دست بردار ہو کر چلے گئے۔ ادھر زیاد قلعے میں داخل ہو گیا اور لڑنے والوں کو باندھ کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر اس کو حضرت ابوبکرؓ کا خط ملا کہ اس کی اطاعت کرنے والوں کو مدینہ بھیج دیا جائے۔ زیاد نے باقی ماندہ ولوگوں کو زنجیروں میں باندھ کر مدینہ روانہ کیا۔[1]

یوں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پوری ہو گئی جسے حضرت عمرؓ ایک ناگہانی اور بلا سوچے سمجھے سرزد ہونے والا عمل قرار دیتے تھے۔

اسی بیعت پر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت استوار ہوئیں اور وہ اسی کی بنیاد پر استدلال کرتے ہیں۔

عملِ اصحاب سے استدلال کا تنقیدی جائزہ

اصحاب کے عمل اور ان کی سیرت سے استدلال اس وقت صحیح ہے جب ان کی سیرت قرآن وسنت کی طرح اسلامی شریعت کا منبع اور سرچشمہ قرار پائے۔ یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [2]

بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول(ص) میں بہترین نمونہ ہے۔

نیز

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [3]

اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

اسی طرح کا فرمان ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہو۔ اس کے بغیر صحابہؓ کا عمل ہمارے لئے حجت نہیں ہوگا۔ پھر ہمیں کیا معلوم کہ کس صحابی کی پیروی کریں جبکہ

[1] فتوح البلدان ذکر ردۃ بنی ولیعۃ والاشعث ابن قید الکندی صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳، معجم البلدان حموی مادہ "حضرموت" فتوح ابن اعثم ج ۱ صفحہ ۵۷، ۵۷

[2] سورۃ احزاب آیت ۲۱ [3] سورۃ حشر آیت ۷

اقوال واعمال کے لحاظ سے صحابہؓ کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ خلافت کے قیام کی کیفیت میں علماء کی آراء میں اختلاف ہے۔ کیا ہم اس قول کو مانیں کہ ایک ہی شخص کی بیعت قیام خلافت کیلئے کافی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب عباسؓ نے حضرت علی(ع) سے کہا تھا: اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں تو دوسرے لوگ بھی بیعت کریں یا حضرت عمرؓ کے اس قول کو مانیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اچانک اور سوچے سمجھے بغیر واقع ہوئی تھی یا معاویہ کی روش پر چلیں جس نے خلیفہ برحق حضرت علیؑ سے جنگ کی ہے؟ اور منبروں پر ان کو سب وشتم کیا۔ یہاں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں اور جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کا مطالعہ کافی ہے۔ رہا نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے کلام سے بعض لوگوں کا استدلال تو اس پر ہم جلد ہی روشنی ڈالیں گے۔

شوریٰ، بیعت اور سیرت صحابہؓ کے ذریعے استدلال کے حق میں نہج البلاغہ سے استدلال

مکتب خلفاء کے بعض پیروکاروں نے شوریٰ، بیعت اور سیرت اصحاب (کے ذریعے تعیین امام) کی صحت پر حضرت علیؑ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے جسے سید شریف رضی نے نہج البلاغہ میں مکتوبات کے باب میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: ومن کتاب له الی معاویه ۔ معاویہ کے نام آپ کا ایک خط:

انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوهم علیه فلم یکن للشاهد ان یختار و لا للغائب ان یردو انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموه اماماً کان ذلك رضی فان خرج عن امرهم خارج بطعن او بدعة رده الی ما خرج منه فان ابی قاتلوه علیٰ اتباعه غیر سبیل المومنین و ولاه اللّٰه ما تولیٰ......[1]

بہ تحقیق جن لوگوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی، انہوں نے میری بیعت انہی اصولوں پر کی ہے جن پر ان کی بیعت کی تھی۔ پس موجود افراد کے لئے اس میں نظرثانی کا حق نہیں اور جو بروقت حاضر نہ ہوا سے رد کرنے کا حق نہیں۔ شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و

[1] نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۶

انصار کو ہے۔ اگر وہ کسی پر اتفاق کر لیں اور اسے خلیفہ بنا دیں تو یہ (اللہ کی) خوشنودی کا حامل ہوگا۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا جدید نظریہ اپناتا ہوا ان کی صف سے خارج ہو جائے تو وہ سب اسے اسی جانب واپس لائیں گے جہاں سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر وہ انکار کرے تو مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنے پر اس سے لڑیں گے اور اللہ اسے اسی طرف پھیرے گا جس طرف وہ پھر گیا ہے۔

(مکتب خلفاء والوں کے مطابق) امام(ع) نے اس خط میں معاویہ کے مقابلے میں بیعت شوریٰ اور مہاجرین و انصار کے اجماع سے استدلال کیا ہے۔ بنابریں حضرت علی مرتضیٰ (ع) مذکورہ امور کے ذریعے امام(ع) کے انتخاب کو صحیح مانتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریف رضیؒ گاہے امامؑ کے خطوط اور خطبات سے ان حصوں کا انتخاب کرتے تھے جو بلاغت کے اعلیٰ معیار کے مطابق ہوں اور باقی حصے کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس خط کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ نصر ابن مزاحم نے اپنی کتاب ''الصفین'' اور حافظ عبد البر اندلسی نے ''العقد الفرید'' میں اس خط کو مکمل طور پر نقل کیا ہے جس کا متن یہ ہے:

بسم الله الرحم الرحيم اما بعد فان بيعتى بالمدينة لزمتك انت بالشام لانه بايعنى القوم الذين بايعوا ابا بكر و عمر و عثمان علىٰ ما بويعوا عليه فلم يكن للمشاهدان يختار و لا للغائب ان يرد والما الشورى للمهاجرين و الانصار فاذا اجتمعوا علىٰ رجل فسموه اماماً كان ذالك لله رضى فان خرج من امرهم خارج بطعن او رغبة ردوه الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه علىٰ اتباعه غير سبيل المومنين و ولا ه الله ما تولى و يصليه جهنم و ساء ت مصيرا وان طلحة و الزبير بايعانى ثم نقضا بيعتى و كان نقضهما كردهما فجاهدتهما على ذلك حتى جاء الحق و ظهر امر الله وهم كارهون فادخل فيما دخل فيه المسلمون فان احب الامور الى فيك العافية الا ان تتعرض للبلاء فان تعرضت له قاتلتك واستعنت الله عليك وقد اكثرت فى قتلة عثمان فادخل فيما دخل فيه المسلمون ثم حاكم القوم الى احملك

واياهم على كتاب الله فاما تلك التى تريدها فخدعة الصبى عن اللبن و لعمرى لئن نظرت بعقلك دون هواك لتجدنى ابراً قريش من دم عثمان و اعلم انك من الطلقاء[1] الذين لا تحل لهم الخلافة ولا تعرض فيهم الشورى وقد ارسلت اليك والى من قبلك جرير بن عبد الله و هو من اهل الايمان و الهجرة فبايع ولاقوة الابالله۔[2]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد مدینے میں میری جو بیعت ہوئی ہے تم شام میں اس کے پابند ہو۔ کیونکہ جن لوگوں نے جن اصولوں پر ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی ان لوگوں نے انہی اصولوں پر میری بیعت کی ہے۔ پس جو حاضر ہے اسے نظر ثانی کا اختیار نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ اگر وہ متفق ہو کر کسی کو خلیفہ بنا دیں تو اسی میں اللہ کی خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو شخص اس پر تنقید یا نیا نظریہ اپناتا ہوا الگ ہو جائے تو وہ سب اسے وہیں واپس لائیں گے جہاں سے وہ الگ ہوا تھا اور انکار کی صورت میں اس سے لڑیں گے کیونکہ وہ مومنوں کی روش چھوڑ کر دوسری راہ پر لگ گیا اور اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دے گا جس طرف وہ پھر جائے اور اسے جہنم کے حوالے کرے گا جو نہایت برا ٹھکانہ ہے۔ بلاشک وشبہ طلحہ و زبیر نے میری بیعت کرنے کے بعد اسے توڑا۔ ان دونوں کا بیعت توڑنا بیعت کو رد کرنے کے مترادف ہے۔ پس میں نے ان دونوں کے ساتھ اس امر پر جہاد کیا یہاں تک کہ حق غالب آ گیا اور ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی خدا کا امر ظاہر ہو گیا۔ پس تم بھی اس دائرے میں داخل ہو جاؤ جس میں دوسرے مسلمان داخل ہو چکے ہیں۔ تمہارے بارے میں میرے ہاں سب سے

---

[1] روایت میں ''انک من لطلقاء'' آیا ہے طلقاء طلیق کی جمع ہے جس کا معنی ہے کہ وہ اسیر جسے آزاد کیا گیا ہو۔ اس سے مراد کفار ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن چھوڑ دیا تھا اور غلام نہیں بنایا تھا۔

[2] کتاب الصفین نصر بن مزاحم صفحہ ۲۹ مطبوعہ ۱۳۸۲ھ، العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۱۰۲ طبع قاہرہ

پسندیدہ چیز عافیت ہے مگر یہ کہ تم خود مصیبت میں کود پڑو۔ اگر تم
مصیبت کو دعوت دو گے تو میں تجھ سے جنگ کروں گا اور تیرے
خلاف اللہ سے مدد مانگوں گا۔ تم نے قاتلین عثمانؓ کا خوب ڈھونگ
رچایا ہے۔ پس میری بیعت کے دائرے میں داخل ہو جاؤ جس میں
سب مسلمان داخل ہو چکے ہیں۔ اگر میری عدالت میں ان کے
خلاف مقدمہ دائر کرو تو میں کتاب خدا کے مطابق تمہارا اور ان کا
فیصلہ کروں گا لیکن تمہارا دوسرا ارادہ ایک دھوکہ ہے جو بچے کو دودھ
سے روکنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ مجھے اپنی جان کی قسم اگر تم
خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر عقل کی آنکھوں سے دیکھو تو ضرور
مجھے قتل عثمانؓ کے معاملے میں قریش کے درمیان سب سے زیادہ
بے گناہ پاؤ گے۔ جان لو کہ تم طلقا (آزاد شدہ اسیروں) میں سے
ایک ہو جن کے لئے خلافت جائز نہیں اور نہ ہی وہ مشورہ لئے
جانے کے قابل ہیں۔ میں نے تیری اور تجھ سے پہلے والوں کی
طرف جریر بن عبداللہ کو بھیجا ہے۔ وہ صاحب ایمان اور مہاجر ہے۔
پس بیعت کرو۔ ولا قوۃ الا باللہ۔

اس خط سے ہمارے لئے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت علی(ع) نے معاویہ بن ابی سفیان کے خلاف اس چیز کے ذریعے استدلال کیا ہے جس کا معاویہ اور اس جیسے افراد خود کو پابند سمجھتے تھے۔ اسی لئے فرمایا:

اے معاویہ تم شام میں رہتے ہوئے میری اس بیعت کے پابند ہو
جو مدینہ میں ہوئی ہے۔ یعنی جس طرح تم نے شام میں رہتے
ہوئے مدینہ میں ہونے والی بیعت عثمانؓ کا اپنے آپ کو پابند سمجھا تھا
اسی طرح اب میری بیعت کے بھی پابند بن جاؤ۔ اسی طرح مدینہ
سے باہر موجود تیرے جیسے دیگر لوگ بھی میری بیعت کے پابند
ہیں جس طرح وہ اس سے قبل دیگر مقامات پر رہتے ہوئے مدینہ
میں ہونے والی بیعت عمرؓ کے پابند تھے۔

یوں ان دنوں معاویہ اور مکتب خلافت سے تعلق رکھنے والے اس جیسے دیگر افراد اپنے آپ کو جن چیزوں کا پابند سمجھتے تھے۔ حضرت علیؑ انہی چیزوں کے ذریعے ان کو پابند بنانا چاہتے

تھے اور ظاہر ہے کہ استدلال کی یہ روش اہل دانش کے ہاں مقبول ہے کیونکہ عقلاً اپنے مخالفین کے مقابلے میں ان چیزوں کے ذریعے استدلال کرتے ہیں جن کو وہ تسلیم کرتے ہوں۔ یہ تھا پہلا نکتہ۔

دوسرا نکتہ: رہی امام(ع) کی یہ عبارت:

فاذا اجتمعوا علیٰ رجل فسموہ اماماً کان ذالک للّٰہ رضاً
جب لوگ کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اسے امام کا نام دیں تو خدا
کی رضایت اسی میں مضمر ہے۔

تو واضح رہے کہ بعض نسخوں میں کان ذالک رضاً[1] نقل ہوا ہے یعنی وہ لوگ اپنی مرضی سے بیعت کرنے، جبر اور تلوار کے بغیر بیعت واقع ہونے پر خوش ہوتے ہیں اور اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ امام نے کان للّٰہ رضاً فرمایا تھا (لفظ اللہ کے ساتھ) تو بھی ہم کہیں گے جی ہاں جس چیز پر سارے مہاجرین و انصار بشمول امام علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے متفق ہوں اس سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

تیسرا نکتہ: نہ معلوم یہ لوگ نہج البلاغہ کے اس قول سے کیسے استدلال کرتے ہیں جبکہ وہ حضرت علی(ع) کے باقی اقوال جنہیں شریف رضی نے نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے بھول جاتے ہیں یا بھولنے کا بہانہ کرتے ہیں مثال کے طور پر امام(ع) کا وہ قول جو باب الحکم میں مذکور ہے۔ شریف رضی کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ کی خبریں امیر المومنین (ع) کو پہنچیں تو آپ نے فرمایا:

انصار نے کیا کہا؟
بولے کہ انصار نے کہا:
ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔
امام(ع) نے فرمایا:
تم لوگوں نے یہ دلیل پیش نہیں کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
وصیت کی تھی انصار میں سے جو اچھا ہو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا
جائے اور جو برا ہو اس سے درگزر کیا جائے؟
بولے:
اس میں ان کے خلاف کون سی دلیل ہے؟

---

۱ آپ کو لفظ ''اللہ'' بریکٹ میں لکھا ہوا ملے گا ملاحضہ ہو نہج البلاغہ مطبوعہ المطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' اصل نسخوں میں موجود نہیں

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر امارت ان کا حق ہوتی تو پھر ان کے بارے میں دوسروں کو کیوں وصیت کی جاتی؟

اس کے بعد فرمایا:

پھر قریش نے کیا کہا؟

بولے:

قریش نے یہ دلیل پیش کی کہ ان کا تعلق شجر رسول(ص) سے ہے۔

امام(ع) نے فرمایا:

انہوں نے شجر سے تو استدلال کیا لیکن اس شجر کے پھلوں کو ضائع و برباد کر دیا ہے۔[1]

امامؑ کے حکمت آمیز فرمودات کے باب میں مروی ہے کہ آپ(ع) نے فرمایا:

واعجباه اتكون الخلافة في الصحابة والقرابة؟

کس قدر تعجب کا مقام ہے۔ کیا خلافت کا معیار صحابیت اور قرابت ہی ہے؟

سید رضی کہتے ہیں: اس مضمون کے اشعار بھی حضرت سے مروی ہیں جو یہ ہیں:

فان كنت بالشورىٰ ملكت امورهم
فكيف بهذا والمشيرون غيب
وان كنت بالقربىٰ حججت خصيمهم
فغيرك اولىٰ بالنبي و اقرب

اگر تم شوریٰ کے ذریعے لوگوں کے سیاہ وسفید کے مالک ہو گئے ہو تو یہ کیسے جبکہ مشورہ دینے کے اہل افراد غیر حاضر تھے؟ اور اگر تم قرابت کی بنیاد پر اپنے حریف پر غالب آئے ہو تو پھر ایک اور شخص ہے جو تم سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی اور حقدار ہے۔

اس مسئلے میں حضرت علی مرتضیٰ(ع) کا سب سے جامع کلام ''خطبہ شقشقیہ'' ہے جس میں آپ(ع) فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! ابو قحافہ کے بیٹے نے خلافت کی قمیص پہن لی حالانکہ وہ

[1] پھل (ثمرۃ) سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیتؑ ہے۔

اچھی طرح جانتا تھا کہ خلافت میں میرا وہی مقام ہے جو چکی کے اندر چکی کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ کوہ بلند ہوں جس پر سیلاب کا پانی گزر کر نیچے جاتا ہے اور میری بلندیوں تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلوتہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے زیادہ بھیانک تاریکی پر صبر کر لوں، جس میں سن رسیدہ آدمی مکمل ضعیف اور کمسن آدمی بوڑھا ہو کر رہ جاتا ہے نیز مومن اس میں ہاتھ پیر مارتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے؟ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہذا میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کے سپرد کر گیا

پھر حضرتؑ نے بطور تمثیل اعشیٰ کا یہ شعر پڑھا:

شتان ما يومي علىٰ كورها ويوم حيان اخي جابر

کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر گزرتا ہے اور کہاں وہ دن جو جابر کے بھائی حیان کی صحبت میں گزرتے تھے۔[1]

جب حضرت علی(ع) خطبہ دیتے ہوئے اختتام کے قریب پہنچے ہی تھے کہ اچانک ایک عراقی باشندہ آگے بڑھا اور ایک نوشتہ حضرت کے سامنے پیش کیا۔ آپ اسے دیکھنے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو ابن عباسؓ نے کہا:

یا امیر المومنین! آپ نے جہاں سے خطبہ قطع کیا تھا وہیں سے اس کا سلسلہ آگے بڑھائیں۔

حضرتؑ نے فرمایا:

[1] حیان جو قبیلہ حنیفہ کا ایک مالدار آدمی تھا اور اعشیٰ یعنی ابو بصیر میمون بن قیس بن جندل اس کا ہمنشیں تھا اور مشہور شاعر تھا جابر اسی حیان کا چھوٹا بھائی تھا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ پالان شتر پر بیٹھ کر سفر کرنے اور حیان کے ساتھ پر کیف زندگی گزارنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ اول الذکر نہایت سخت ہے اور مؤخر الذکر عیش و آرام سے عبارت ہے۔ اس شعر کو بطور مثال بیان کرنے سے حضرت علیؑ کا مقصد واضح ہے۔

یہ تو ایک شقشقہ (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا جو اونٹ کے منہ سے مستی و
ہیجان کے وقت نکلتا ہے) تھا جو ابھر کر دب گیا۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ مجھے کسی کلام پر اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام پر کیونکہ امیر المومنین(ع) اپنا مدعا بیان نہ کر پائے تھے۔

اس پورے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مکتب خلفاء کے عقیدت مند حضرت علی علیہ السلام کے ان فرمودات کو بھول جاتے ہیں یا بھولنے کا بہانہ کرتے ہیں اور امام علی(ع) کے اس کلام کو فہم و ادراک کئے بغیر اپنے مدعا میں استعمال کرتے ہیں حالانکہ حضرت علی(ع) نے معاویہ کے خلاف استدلال کیا۔ کیونکہ معاویہ اور اس جیسے دوسرے افراد خود کو اس میں مذکور باتوں کا پابند قرار دیتے تھے۔

اس دلیل کا تنقیدی جائزہ کہ خلافت طاقت کے ذریعے قائم ہوتی ہے

اسلامی تاریخ کے عملی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کے عثمانی خلفاء کے عہد تک خلافت طاقت اور ڈنڈے کے بل بوتے پر قائم رہی اور اس روش سے ہٹ کر قیام خلافت کی مثال تقریباً ناپید ہے۔ ہاں اس کی ایک مثال حضرت علی(ع) کی بیعت کا واقعہ ہے (جو ایک مکمل آزادانہ اور جمہوری انتخاب تھا) یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں ہمیں کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا مکتب خلفاء کے بعض معتقدین کا یہ کہنا کہ جب کوئی شخص تلوار کے زور سے خلیفہ بن بیٹھے اور امیر المومنین کے لقب سے معروف ہو جائے تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ اسے امام سمجھے خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر و فاسق، تو اس بارے میں عرض ہے کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان بزرگان دین کا مقصود کلام کیا ہے۔ کیا وہ اسلامی معاشرے میں اسلامی شریعت کے نفاذ کی بات کر رہے ہیں یا شیروں اور چیتوں کے ماحول میں قانون جنگل کی؟

چونکہ ہم نے سابقہ علماء کے اقوال کو نقل کیا ہے اس لئے ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس سلسلے میں یہ اعتراض کریں کہ عصر حاضر کے لوگ ان نظریات و اعتقادات سے موافقت نہیں کرتے اور ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں کہ آج ہمیں موجودہ اسلام کی بات کرنی چاہیے۔[1] بنابریں ہم یہاں ایک کتاب کے سرورق کی تصویر من و عن پیش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب ایک ایسے ملک کے تعلیمی اداروں کے لئے چھاپی گئی ہے جس ملک میں بیت اللہ الحرام کعبہ، مسجد نبوی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

[1] "رسالة الازهر" جلد ۳۲ (باب الکتب حصہ دہم) صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۰ھ

وسلم کا حرم واقع ہے۔ سعودی حکومت کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں یزید بن معاویہ کی مدح سرائی کی گئی ہے اور اس کی تعریف میں بند باندھے گئے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی یزید ہے جس نے منجنیق سے کعبے پر سنگباری کی تھی، مسجد رسول(ص) اور مدینہ رسول(ص) کی حرمت کو پامال کیا تھا اور تین دن تک مدینہ منورہ کو اپنے لشکر کے لئے مباح قرار دیا تھا۔ اس دوران انہوں نے لوگوں کا قتل عام کیا اور عورتوں سے تجاوز کیا جس کی تفصیل ''لشکر خلافت کے ہاتھوں حرمت رسول(ص) مدینہ کی پامالی'' اور ''لشکر خلافت کی مکہ کی طرف روانگی'' نامی عنوانات کے ذیل میں آئے گی۔

یزید کی حمایت اور اس کی تعریف و توصیف کی خاطر حرمین شریفین میں اس کتاب کی نشر و اشاعت اور ترویج کا کام انجام پاتا ہے۔ وہ کتاب یہ ہے:
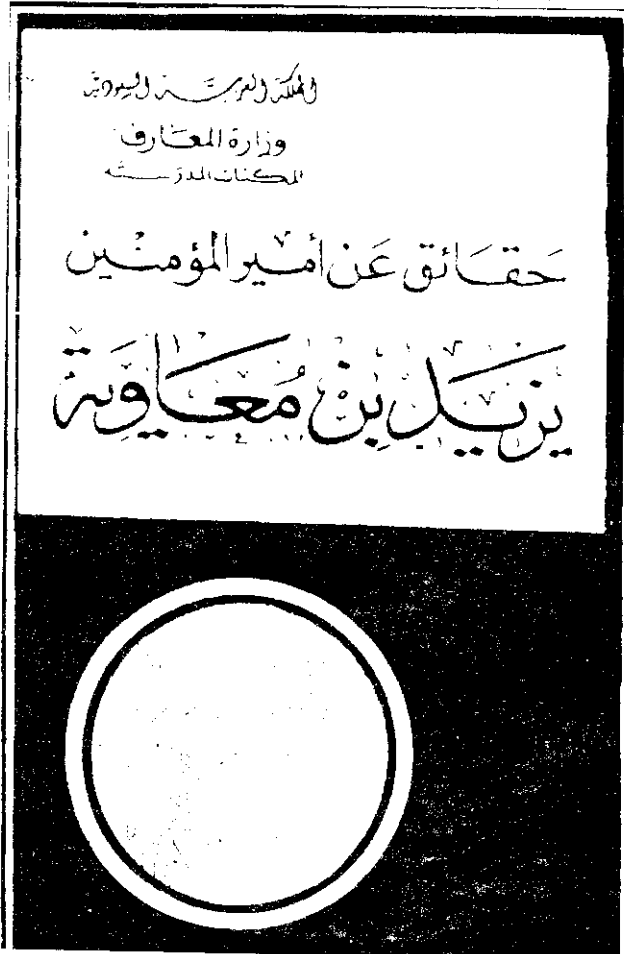
سنت رسول(ص) کے
مخالف ظالم حکمران کی اطاعت

مکتب خلفاء کے ہاں اطاعت امام کے وجوب کی بحث میں ہم نے ان روایات کا تذکرہ کیا ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور جن کے مطابق سنت رسول(ص) کے مخالف ظالم حکمرانوں کے خلاف قیام ممنوع ہے اور اس کی اطاعت واجب۔ لیکن اس کے برعکس مکتب اہل بیت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی احادیث مروی ہیں جو مذکورہ روایات کو جھٹلاتی ہیں مثال کے طور پر سبط رسول(ص) امام حسین علیہ السلام کی اپنے جد سے روایت کردہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا:

جو شخص کسی ظالم حکمران کو دیکھے جو اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیتا ہو، خدا کے ساتھ عہد کو توڑتا ہو، رسول اللہ(ص) کی سنت کا مخالف ہو اور خدا کے بندوں کے درمیان گناہ اور ظلم کی روش اپناتا ہو پھر وہ اپنے قول وفعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اس ظالم کے ساتھ رکھے گا۔[1]

یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث کا موازنہ جب ہم مکتب خلفاء کی احادیث سے کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مکتب خلفاء نے یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس لئے منسوب کی ہیں تاکہ (بزعم خویش) ایک کار خیر انجام دیں اور مسلمانوں پر حاکم طبقے کی حمایت کریں۔ یہ کام اموی دور کے اوائل میں انجام پایا۔ اس کے بعد دوسری صدی ہجری کے اوائل میں تدوین حدیث کا دور شروع ہونے پر احادیث کی کتب میں انہیں شامل کیا گیا خواہ وہ کتب صحاح ستہ ہوں یا مسانید۔ پھر وہ سب ان کتب کی صحت اور ان پر عمل کرانے میں متفق ہو گئے۔ حکمران طبقے کے درباری علماء (خواہ وہ محدث ہوں یا قاضی یا خطیب یا ائمہ جمعہ و جماعت وغیرہ) مدتوں تک مختلف علاقوں میں ان کی شرحیں اور تعلیقات لکھتے رہے اور ہر دور میں ان کی تائید کرتے رہے۔ یہ سلسلہ شام اور اندلس کی اموی حکومتوں اور بغداد میں عباسی حکومت کے دور سے لے کر ترکی میں عثمانیوں کی حکومت، مصر میں ممالیک کی حکومت، ایران میں سلجوق اور غزنوی حکومتوں اور شام میں کردوں کی حکومت کے دوران بھی جاری رہا۔ ان حکومتوں نے مذکورہ لوگوں کو جاہ و مال اور اپنے درباروں میں مقام و مرتبہ مال و متاع سے خوب نوازا۔ ان لوگوں کی متابعت ان کے دیگر پیروکاروں نے کی جو آج تک جاری ہے۔

---
۱ تاریخ طبری، کامل ابن اثیر وغیرہ کتب تاریخ میں جناب حر ریاحی کے لشکر سے حضرت امام حسین کا خطاب ملاحظہ فرمائیں۔

یوں مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک تو خلفاء پسند گروہ تھا جس کے حکمرانوں نے اپنے عقائد کے مبلغ و مروّج افراد پر مال و دولت، جاہ و مقام، عہدوں اور مراتب کے دروازے کھول دیئے۔ دوسرا گروہ اہل بیتؑ کے ماننے والوں کا تھا جو مذکورہ نظریات کے سامنے ڈٹ گئے نیز انہوں نے حکمرانوں اور ان کے من پسند اجتہادات کی تائید میں نقل ہونے والی روایات کی مخالفت کی۔ یوں حکمران ان کو صدیوں تک قتل و بند، جلاوطنی اور تباہ کن حملوں سے دوچار، ان کے کتاب خانوں اور کتابوں کو نذر آتش[1] کرتے رہے تاکہ ان لوگوں کے افکار سے معاشرے کو محروم کر دیں جو سنت رسول(ص) کی حفاظت کے امین تھے اور ان افکار کو مسلمانوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھیں۔

گزشتہ بحث کا خلاصہ

سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود حضرات مہاجر ہوں یا انصار ان کے قول وفعل میں جس سوچ کی حکمرانی نظر آرہی تھی وہ تھی قبیلہ پرستی پر مبنی سوچ اور اس دن حضرت ابوبکرؓ کی بیعت حضرت عمرؓ کے بقول بغیر سوچے سمجھے اور اچانک ہوگئی تھی نیز حضرت عمرؓ نے خلافت کو شوریٰ کے حوالے کرنے کے معاملے میں قرآن وسنت پر مبنی کسی دلیل پر استناد نہیں کیا بلکہ اپنے من پسند اجتہاد پر بھروسہ کر لیا۔ انہوں نے ذاتی اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ولی امر کی تعیین کو اپنے بعد چھ افراد کے حوالے کیا اور اس تعداد میں اضافہ نہیں کیا۔ انہوں نے اجتہاد سے کام لیا اور کسی انصاری کو شوریٰ میں شامل نہیں کیا بلکہ اسے مہاجرین تک محدود رکھا۔ انہوں نے ذاتی اجتہاد سے کام لیا اور چناؤ کا حق صرف عبدالرحمانؓ بن عوف کے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے دوسروں کو اس سے محروم رکھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے کہا اگر دو افراد ایک فرد پر اور دوسرے دو افراد کسی اور پر اتفاق کر لیں تو جس طرف عبدالرحمنؓ بن عوف ہو ان کی حمایت کرو۔

نیز انہوں نے اجتہاد سے کام لے کر فرمایا:

جب عبدالرحمنؓ تالی بجائے تو اس کے فیصلے پر عمل کرو۔

پس جو لوگ قرآن وسنت رسول(ص) کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے اجتہادات کو بھی اسلامی شریعت کا منبع اور سرچشمہ سمجھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ امامت چھ افراد کی شوریٰ کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ ان چھ میں سے پانچ افراد ایک فرد کی بیعت کر لیتے ہیں۔ رہی وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ والی آیت جس کے ذریعے مکتب خلفاء کے پیروکار استدلال کرتے ہیں تو واضح ہو کہ یہ آیت زیادہ سے زیادہ شوریٰ کے رجحان پر دلالت کرتی ہے (نہ کہ وجوب پر) کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی

---
۱ عالم اسلام پر مغلوں کے حملے کے ضمن میں اس کی وضاحت اسی کتاب میں آئے گی انشا اللہ۔

چیز کو واجب قرار دینا چاہے تو وہ فرماتا ہے: اللہ نے تمہارے اوپر فلاں چیز کو لازم قرار دیا ہے یا اسے فرض قرار دیا ہے یا بنایا ہے یا اس کے بارے میں حکم کیا ہے یا اس قسم کے دیگر الفاظ سے تعبیر فرماتا ہے جو وجوب پر دلالت کریں۔

رہی شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ والی آیت جس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب قرار دیا گیا ہے تو یہ جنگوں سے مربوط ہے نیز اس مشورے کا مقصد مسلمانوں کو ذہنی تربیت دینا اور مشرکین کے درمیان شکوک وشبہات اور اختلاف پیدا کرنا تھا۔ پھر ان سب باتوں کا تعلق شرعی احکام کے نفاذ کے طریقہ کار سے تھا نہ کہ حکم شرعی معلوم کرنے یا وضع کرنے سے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اس بات کی تعیین نہیں کی کہ امام کے انتخاب کے لئے شوریٰ کو کن معیاروں کے مطابق وجود میں لانا ہو گا۔ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانے والی مجلس شوریٰ کا حال ہم دیکھ چکے ہیں۔ یہ تھی شوریٰ کی بحث۔

رہی بیعت والی دلیل تو واضح ہے کہ بیعت جبر وتشدد اور تلوار کے زور سے نہیں ہوسکتی نہ کسی گناہ کی انجام دہی کے لئے بیعت ہوسکتی ہے اور نہ ہی خدا کی نافرمانی کرنے والے کی بیعت جائز ہے۔

رہا سیرت صحابہؓ سے استدلال تو اگر آپ سیرت صحابہؓ کو بھی قرآن وسنت کی طرح شریعت اسلامی کا منبع قرار دیں تو اس سے استدلال درست ہے وگرنہ نہیں۔

حضرت علی(ع) کے جس کلام سے استدلال کیا گیا ہے اس کے بارے میں یاد رہے کہ یہاں امام نے اپنے مخالف کے خلاف خود اس کے ہاں مسلمہ باتوں سے استدلال کیا ہے اور یہ کام صاحبان عقل کے ہاں مرسوم ہے۔

پھر امامؑ کے مذکورہ خطبہ میں ذکر شدہ اجماع صحابہؓ کے بارے میں عرض ہے کہ حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی شرکت کی صورت میں اجماع رضائے الٰہی کی دلیل ہوگا۔

رہا مکتب خلفاء کے پیروکاروں کا یہ قول کہ تلوار کے زور سے غالب آنے والا شخص امیرالمومنین کہلائے گا اور اس کی اطاعت واجب ہوگی خواہ وہ نیک ہو یا فاجر و فاسق تو یہ وہ تاریخی حقیقت ہے جس پر وہ چلتے آئے ہیں۔ جیسا کہ اسلامی تاریخ میں خلفاء کے حالات کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوگا۔

یہ تھے امامت کے بارے میں مکتب خلفاء کے نظریات اور ان کے دلائل۔ آنے والے صفحات میں ہم انشاء اللہ مکتب اہل بیت کے نظریات اور ان کے دلائل پر تبصرہ کریں گے۔

----☆-----

امامت کے بارے میں
مکتب اہل بیت (ع) کے نظریات

گزشتہ بحث میں ہم نے امامت کے بارے میں مکتب خلفاء کے نظریات اور ان کی دلیلوں کا ذکر کیا ہے۔ان کے برخلاف مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کا یہ نظریہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے والے امام کا معصوم عن الخطا اور گناہوں سے محفوظ ہونا ضروری ہے نیز اسے خدا وندعالم کی طرف سے منصوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منصوص ہونا چاہیے ۔کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا:

اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ[1]

میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ ارشاد ہوا: میرا عہد ظالموں کونہیں پہنچے گا۔

امامت ایک منصب خداوندی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نبی اپنی امت کو یہ بتا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منصب کسے عطا کیا ہے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے ہوئے احکامات و فرامین سے لوگوں کو باخبر کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا کی طرف سے امامت کا منصب ظلم کرنے والوں کو حاصل نہیں ہوتا نیز یہ کہ جو شخص نہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہو نہ دوسروں پر وہ معصوم ہے۔

پس امامت خدائی فرمان اور اس کی طرف سے تعیین کا نام ہے اور رسولؐ اس کا اعلان کر دیتا ہے نیز اس کے لیے عصمت شرط ہے ۔اور یہ دونوں شرطیں ائمہ اہل بیتؑ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں ۔جیسا کہ ان دونوں نکات کا ذکر آئندہ صفحات میں ہوگا۔

اہل بیت علیہم السلام کی عصمت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل بیت رسول(ص) جو علی ،فاطمہ ،حسن ،حسین صلوات اللہ علیہم

---

[1] سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴

سے عبارت ہیں کو گناہوں سے محفوظ اور معصوم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا۔[1]

اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اے اہل بیتؑ ! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب[2] روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب رحمت کو نازل ہوتے دیکھا تو فرمایا: میرے پاس بلاؤ،میرے پاس بلاؤ ۔جناب صفیہؓ نے کہا :یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کو کسے بلائیں ؟فرمایا: میرے اہل بیت یعنی علیؑ ،فاطمہؑ ،حسنؑ اور حسینؑ (علیہم السلام) کو پس وہ بلا کر لائے گئے ۔تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اوپر اپنی چادر ڈال دی پھر اپنے دونوں ہاتھ بلند کرکے فرمایا :خدایا! یہ لوگ میری آل ہیں ۔پس محمد(ص) اور آل محمد(ص) پر رحمت بھیج۔

تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ایک روایت کی رو سے یہ خز کی بنی ہوئی یا اونی چادر تھی ۔اس پر سیاہ بالوں سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت واثلہؓ بن الاسقع کی روایت ہے کہ آپ(ص) نے علی(ع) اور فاطمہؑ کو قریب بلایا اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور حسنؑ وحسینؑ کو اپنی ران پر بٹھایا.....الخ[3]

ام المومنین ام سلمہؓ سے مروی ہے :

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ.....الخ

والی آیت میرے گھر نازل ہوئی اس وقت گھر میں سات ہستیاں موجود تھیں، جبرائیلؑ، میکائیلؑ، علیؑ(ع)، فاطمہؑ، حسنؑ، اور حسینؑ میں گھر کے دروازے پر تھی۔ میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ(ص) کیا میں اہل بیت میں شامل نہیں ہوں؟

---

[1] سورہ احزاب آیت ۳۳ [2] مستدرک امام حاکم ج ۳ صفحہ ۱۴۷ طبع دکن
[3] السنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ صفحہ ۱۵۲، مسند امام احمد صفحہ ۱۰۷، مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۴۱۶، ج ۳ صفحہ ۱۴۷، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۶۷، اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۲۰ طبع مصر۔

فرمایا:

تمہاری بازگشت نیکی پر ہے۔ تم نبی(ص) کی بیوی ہوا۔[1]

مذکورہ راویوں کے علاوہ آیہ تطہیر کے شان نزول کو درج ذیل راویوں نے بھی نقل کیا ہے: حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوتیلا بیٹا)، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت انس بن مالکؓ۔

ان کے علاوہ امام حسن بن علیؑ نے منبر پر اور علی ابن الحسین زین العابدینؑ نے شام کے بازار میں اس سے استدلال کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد کئی ماہ تک علیؑ اور فاطمہؑ کے دروازے پر آتے، ان کو سلام کرتے اور آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلسل نو مہینے تک روزانہ ہر نماز کے وقت علی(ع) ابن ابی طالبؑ کے دروازے پر آتے اور یہ فرماتے دیکھا:

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ اھل البیت انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس..... الصلاة رحمکم اللّٰہ

حضرت ابوالحمراءؓ سے مروی ہے کہ میں شہر مدینہ میں نو ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محافظ رہا۔ اس دوران آپ جب بھی نماز صبح کے لیے نکلتے تو حضرت علی علیہ السلام، کے دروازے پر آتے، دروازے کے دونوں جانب دست مبارک رکھتے اور فرماتے:

الصلاة انما یرید اللہ ..... الخ

حضرت ابوبرزہؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے سات ماہ تک رسول اللہ(ص) کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب بھی آپ گھر سے نکلتے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازے پر آتے اور..... الخ انسؓ بن مالک نے چھ مہینوں کا ذکر کیا ہے۔[2] ان کے علاوہ دوسرے راویان حدیث نے بھی اس آیت کے متعلق یہی نقل کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے معصومین کا ذکر کیا ہے اور آپؐ نے ان کے اوپر چادر ڈال کر اور کئی ماہ تک ان کے گھر کے دروازے پر اپنے اصحاب کی ایک جماعت کی موجودگی میں آیہ تطہیر پڑھ کر ان ہستیوں کی نشاندہی کی ہے۔

یہ آیت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس آیت کی عملی وقولی تفسیر اہل بیتؑ کی

---

[1] سنن ترمذی ج ۱۳ صفحہ ۲۴۸، مسند احمد ج ۶ صفحہ ۳۰۶، تفسیر درمنثور سیوطی ج ۵ صفحہ ۱۹۸، تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۱۲۶ طبع سعودیہ۔

[2] مسند امام احمد ج ۳ صفحہ ۲۵۲، مسند طیالسی ج ۷ صفحہ ۲۷۴ حدیث نمبر ۲۷۰۹، اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۵۶۱، تفسیر طبری، تفسیر درمنثور وغیرہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

عصمت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ علمی نقطہ نظر سے تاریخ نے آئمہ اہل بیتؑ کے بارے میں کوئی ایسی چیز درج نہیں کی جو ان کی عصمت کے منافی ہے حالانکہ اسلامی تاریخ کی کتابوں میں غالباً ایسی چیزیں لکھتے تھے جن کے ذریعے وہ ہر زمانے کے خلفاء کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ علاوہ ازیں خلفاء کی بھی ہر دور میں یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے نور کو بجھا دیں تاکہ مسلمانوں کا میلان ان کی طرف نہ ہونے پائے اور لوگ ان کی خلافت پر بیعت نہ کریں۔ اسی لیے ان خلفاء نے ان میں سے بہت سوں کو قتل کرایا، بہت سوں کو قید کردیا اور کتنے ہی افراد کو گھر سے بے گھر کردیا خاص کر بنی امیہ نے جنہوں نے نماز جمعہ کے خطبوں میں منبروں سے اعلانیہ طور پر خلیفہ راشد حضرت علی(ع) پر سب وشتم کا حکم دیا۔ شیعیان ومحبان اہل بیت علیہم السلام اور ان کی امامت کے معتقدین ان حکام کی ایذا رسانیوں اور ظلم وستم کی چکی میں پستے رہے لیکن اس کے باوجود ہم تاریخ کی کتابوں میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ ائمہ اہل بیتؑ کی طرف کسی گناہ صغیرہ یا کسی معمولی لغزش کی بھی نسبت نہیں دی گئی۔ یہ حقیقت اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کی برائی سے محفوظ ومعصوم اور اس طرح پاک وپاکیزہ بنایا ہے جس طرح پاک کرنے کا حق ہے۔

اہل بیتؑ کی عصمت پر مکتب اہل بیتؑ کی سب سے اہم دلیل یہی نصوص صریحہ ہیں۔ آیندہ سطور میں ہم ان کی امامت کے بارے میں بعض احادیث مبارکہ کا تذکرہ کریں گے کیونکہ اللہ نے اپنے رسول(ص) کے بارے میں فرمایا ہے:

وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیۚ اِنْ ھُوَاِلَّاوَحْیٌ یُّوْحیٰ۔[1]

وہ خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورہ نجم آیت ۳،۴

اپنے بعد اولی الامر کی تعیین کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدابیر

اپنے بعد ولی امر کی تعیین کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کے مطالعے سے پہلے ہم یہاں اس بارے میں آپؐ کی بعض تدابیر کا تذکرہ کریں گے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امامت کا مسئلہ ان اہم مسائل میں سے ایک تھا جن پر آپ کے قریبی افراد کی توجہ تھی۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں شروع ہی سے سوچ رہے تھے چنانچہ ہم گذشتہ اوراق میں بنی عامر بن صعصعہ کے بجیرہ نامی شخص کا واقعہ پڑھ چکے ہیں جس نے مسلمان ہونے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے یہ شرط رکھی کہ آپ(ص) کے بعد امارت میں اس کا حصہ ہو۔ اسی طرح ہم نے ہوزہ حنفی کے واقعے کا بھی مطالعہ کیا جو آپ(ص) سے اقتدار میں حصہ مانگ رہا تھا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے بعد امارت کے مسئلے پر دعوت اسلام کے پہلے روز اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے لی گئی بیعت کے ابتدائی دن سے ہی نظر رکھے ہوئے تھے اور اس سلسلے میں تدبیر فرمارہے تھے۔

اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے لی گئی بیعت کے ابتدائی دن آپ(ص) کی تدبیر کے بارے میں امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن کی کتابوں میں، مالک نے موطا میں، احمد نے مسند میں اور ان کے علاوہ دیگر مصنفین نے اپنی کتابوں میں ایک روایت نقل کی ہے جو بخاری کے الفاظ میں یہ ہے کہ حضرت عبادہؓ بن صامت نے کہا: ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت اس شرط پر کی کہ ہم سختی و آسائش اور خوشی و پریشانی دونوں صورتوں میں آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے نیز امارت کے مسئلے میں آپ کے اہل سے نزاع نہیں کریں گے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری باب کیف یبایع الامام الناس ج ۴ صفحہ ۱۶۳، صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ حدیث نمبر ۴۱، ۴۲۔ سنن نسائی با البیعۃ علی ان لا تنازع الامراحلۃ سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب البیعۃ حدیث ۲۸۶۶

یہ وہی حضرت عبادہؓ ہیں جو عقبہ کی آخری اور بڑی بیعت کے موقع پر انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔[1] اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سترہ سے کچھ زیادہ انصاریوں سے جنہوں نے آپ(ص) کی بیعت کی تھی کہا تھا:

> مجھے بارہ نقیب چن کر دو تاکہ وہ اپنی اپنی قوم کے تمام امور کی سرپرستی کریں۔

پس انہوں نے اپنے درمیان سے بارہ نمائندے چن کر دیے۔ آپ(ص) نے ان نقیبوں سے فرمایا:

> تم لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے حواریوں کی طرح تمام امور میں اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار اور سرپرست ہو۔[2]

حضرت عبادہؓ بن صامت ان بارہ نقیبوں میں سے تھے۔ انہوں نے بیعت رسول(ص) کی شرائط اور شقوں میں سے ایک شق یہ بتائی:

> ان لا ینازعوا الامر اھلہ۔
>
> امارت کے معاملے میں اس کے اہل سے نزاع نہیں کریں گے۔

اس صحیح حدیث میں مذکور لفظ ''الامر'' (جس کے اہل سے نزاع نہ کرنے کے لیے بہتر مردوں اور عورتوں سے بیعت لی گئی) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد وہی ''الامر'' ہے جس پر لوگوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں نزاع کیا اور ''الامر'' کے اہل وہی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں اللہ نے کیا ہے:

> اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔
>
> اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

اگرچہ اس (بیعت عقبہ کے) موقع پر آپ(ص) نے اپنے بعد آنے والے اولی الامر کی تعیین نہیں فرمائی کیونکہ اس ولی الامر کی تعیین جس کا تعلق ان انصاریوں سے نہ ہو عقل وحکمت کے خلاف بات تھی اور شاید اس دن بعض بیعت کنندگان اس چیز کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے متحمل نہ ہوسکتے لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس بات کی بیعت لی کہ جب بعد میں آپ ولی امر کی تعیین فرمائیں تو اس کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔

اس اجتماع کے مقابلے میں ایک نسبتاً چھوٹے اجتماع میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] الاستیعاب ج ۲ صفحہ ۴۱۲، اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۰۶ طبع مصر
[2] تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۱۲۲۱ طبع یورپ۔

اپنے بعد آنے والے ولی امر کی نشاندہی کر دی تھی اور اپنے وصی وخلیفہ کی تعیین فرمائی تھی یعنی اس دن جب آپ نے پہلی مرتبہ اپنے رشتے داروں کو اسلام کی دعوت دی جیسا کہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے مثال کے طور پر طبری ،ابن عساکر ،ابن اثیر ،صاحب کنز العمال وغیرہ میں۔[1] طبری کہتے ہیں کہ علی(ع)ابن ابی طالب سے روایت ہے :جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا:

اے علی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرانے کا حکم دیا ہے ۔میں پریشان ہوں ۔میں سوچتا ہوں کہ جب میں اس امر کی ابتداء کروں گا تو مجھے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔پس میں خاموش رہا یہاں تک کہ جبرائیلؑ میرے پاس آئے اور کہا :اے محمد(ص) اگر حکم خدا کو انجام نہ دو گے تو تیرا رب تجھے عذاب میں مبتلا کرے گا ۔پس اب ایک صاع (قریباً تین کلو) کا کھانا ہمارے لیے تیار کرو اور اس پر گوسفند کی ایک ران کا اضافہ کرو۔ پھر دودھ کا ایک برتن بھی بھر کر رکھ دو۔اس کے بعد نبی عبدالمطلب کو میری طرف سے بلاؤ تاکہ میں ان سے بات کروں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ان تک پہنچاؤں۔

پس میں نے آپ(ص) کے حکم پر عملدرآمد کیا اور ان کی طرف سے نبی عبد المطلب کو دعوت دی ۔اس دن ان کی تعداد چالیس مردوں سے ایک کم یا ایک زیادہ تھی ۔ان میں حضرت ابو طالبؑ ،حمزہؓ ،عباسؓ اور ابولہب وغیرہ بھی شامل تھے۔

جب وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہوگئے تو آپ نے مجھے وہ کھانا لانے کے لیے کہا جو میں نے ان کے لیے تیار کیا تھا ۔پس میں اسے لے آیا ۔میں نے کھانا رکھ دیا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے گوشت کا ایک ٹکڑالیا،اسے کاٹا اور برتن کے کناروں پر رکھا ۔پھر فرمایا:

اللہ کے نام سے شروع کرو۔

حاضرین نے اس قدر کھایا کہ پھر کسی چیز کی حاجت نہ رہی لیکن مجھے ان کی انگلیوں کے

---

[1] تاریخ طبری ج۲ صفحہ ۱۷۱ طبع یورپ، تاریخ دمشق ج۴۲ صفحہ ۸۵ طبع بیروت، تاریخ کامل ابن اثیر ج۲ صفحہ ۲۲۲ طبع مصر، کنز العمال ج۱۵ صفحہ ۱۰۰، ۱۱۵ طبع بیروت، سیرت حلبیہ ج۱ صفحہ ۲۸۵ طبع جدید بیروت۔

نشانات کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ قدرت میں علی(ع) کی جان ہے کہ ان میں سے ایک شخص اتنا کھا سکتا تھا جتنا کہ ان سب کے لیے لایا گیا تھا۔اس کے بعد فرمایا:

ان لوگوں کو پلاؤ۔

پس میں وہ برتن لے آیا۔ان سب نے اس برتن سے پیا یہاں تک کہ سب سیر ہوگئے۔ اللہ کی قسم ان میں سے ایک شخص بھی اسے پی کر ختم کر سکتا تھا۔جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات کرنی چاہی تو ابولہب نے پیش دستی کرتے ہوئے کہا:

تمہارے ساتھی نے خوب مسحور کیا ہے۔

پس وہ لوگ متفرق ہوگئے اور آپ(ص)ان سے بات نہ کر سکے ۔آپ(ص) نے فرمایا:

اے علی(ص) اس شخص نے مجھ سے پہلے وہ بات کی جو تم نے سنی اور میری گفتگو سے پہلے ہی وہ لوگ چلے گئے ۔پس کل اسی طرح کا کھانا تیار کرو پھر ان کو میرے پاس جمع کرو۔

حضرت علی(ع) کہتے ہیں :

پس میں نے ایسا ہی کیا اور ان کو جمع کیا۔

آپ(ص) نے مجھے کھانالانے کے لیے کہااور میں نے کھانا ان کے نزدیک رکھ دیا۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دن والا عمل دہرایا۔حاضرین نے اتنا کھایا کہ رچ بس گئے ۔پھر فرمایا ان کو پلاؤ۔میں وہی (لسی کا) برتن لے آیا۔انہوں نے اس قدر پیا کہ سب سیر ہوگئے ۔اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

اے عبدالمطلب کی اولاد !اللہ کی قسم میں عرب کے کسی ایسے جوان کو نہیں پہچانتا جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی چیز لے آیا ہو جو میں لے آیا ہوں ۔میں تمہارے پاس دنیاو آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی دعوت دینے کے لیے کہا ہے۔پس تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا معاون مدد گار بنے تاکہ وہ میرا بھائی ،میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ قرار پائے؟

یہ سن کر سب نے چپ سادھ لی ۔تب میں نے کہا:(جب کہ میری عمران سب سے کم تھی)

اے اللہ کے رسول(ص)!میں اس امر میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔

یہ سن کر آپ (ص) نے فرمایا:

بے شک یہ ہے میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ۔
پس اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

وہ لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابو طالبؑ سے کہنے لگے:

لو اس نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تو اپنے بیٹے کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے۔

یہ دعوت بعثت کے تیسرے سال دی گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کر اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اپنے بعد والے امام کی نشاندہی کر رہے تھے اور نزدیکی رشتہ داروں کو اس کا تعارف کرا رہے تھے۔ آپ (ص) نے یہ اقدام یہاں تو کیا لیکن بعد کے دس سالوں میں ایسا نہیں کیا نیز اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے انصار سے بیعت لیتے وقت ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام کا تعلق اس انصاری قبائل سے نہ تھا جبکہ ان کے ہاں معاشرتی زندگی کی بنیاد قبائلی رسوم پر استوار تھی۔ بنابریں یہ بات قرین حکمت نہ تھی کہ اپنے بعد کے لیے ان سے کسی ایسے ولی امر کی بیعت لیتے جس کا تعلق قبائل انصار سے نہ تھا۔ چنانچہ آپ (ص) نے وہاں اسی پر اکتفاء کر لیا کہ ان سے ولی امر کے ساتھ نزاع نہ کرنے کی بیعت لی جائے۔

یہاں (دعوت ذوالعشیر ہ میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزدیکی رشتہ داروں کو حضرت علی علیہ السلام کی نشاندہی ایک ایسی گفتگو کے ساتھ کی جس سے ملتی جلتی گفتگو بعد میں جنگ بدر میں اپنے صحابہؓ سے کی تھی۔ جنگ بدر میں آپ انجام کار سے واقف تھے جیسا کہ آپ نے مشاورت کے بعد صحابہؓ کو اس کی خبر دی اور ان کو مشرکین کی قتل گاہوں کی نشاندہی کی لیکن اس کے باوجود ابتدا میں آپ (ص) نے ان سے مشورہ لیا۔ اسی طرح یہاں (دعوت ذوالعشیر ہ میں) بھی ایسا ہی کیا۔ آپ (ص) کو معلوم تھا کہ آخر کار آپ (ص) کا بوجھ اٹھانے کے لیے حضرت علی علیہ السلام ہی آمادہ ہوں گے۔ لیکن جب ان میں سے کسی نے یہ پیشکش قبول نہ کی اور صرف آپ (ص) کے ابن عم علی بن ابی طالب علیہما السلام نے بڑھ کر لبیک کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر مذکورہ بالا بات کی اور انہیں حضرت علی (ع) کی اطاعت کرنے کی تاکید فرمائی۔

گزشتہ سطور میں ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امر خلافت کے مسئلے پر آپ (ص) کی تدابیر کا مطالعہ کیا اور دیکھا کہ گاہے آپ (ص) اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں اور کبھی اس کے ساتھ نزاع نہ کرنے کی بیعت لیتے ہیں اور کبھی انکار بیعت کا خواب دیکھنے والوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

اپنے بعد خلیفہ کی تعیین کے مسئلے پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ کو سمجھنے کے لیے ہم یہاں آپؐ کی اس عملی روش پر نظر کرتے ہیں۔ جس کے مطابق جب بھی آپ (ص) جنگ کی غرض سے چند دنوں کے لیے مدینہ سے باہر جاتے تو کسی نہ کسی کو اپنی غیرموجودگی میں اپنا جانشین بنا کر جاتے تھے۔

جن لوگوں کو جنگوں کے دوران رسول (ص) نے اپنا جانشین بنایا

ہجرت کے دوسرے سال کے واقعات:

۱۔ صفر سنہ ۲ ہجری میں آپ (ص) کو جنگ کی اجازت ملی آپ مہاجرین کی بیعت میں قریش کے ایک تجارتی قافلے سے روبرو ہونے کے لیے مدینہ سے نکل کر ودان اور ابواء تک جا پہنچے۔[1] چنانچہ آپ (ص) نے مدینہ میں اپنی غیرموجودگی کے دوران خزرج کے سردار سعد بن عبادہ انصاریؓ کو پندرہ دنوں کے لیے اپنا جانشین بنایا۔

۲۔ غزوہ بواط کے دوران قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ انصاریؓ کو ماہ ربیع الاول میں اپنا جانشین بنایا۔

۳۔ اپنے غلام زیدؓ بن حارثہ کو کرز جابر الفہری (جس نے مدینہ کی چراگاہ کے چوپائیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا) کی گرفتاری کے لیے ہونے والے غزوہ کے دوران اپنا جانشین بنایا۔ آپؐ سفوان تک گئے لیکن کرز ہاتھ آیا نہ حیوانات۔

۴۔ غزوہ ذوالعشیر ہ میں ابو سلمہؓ مخزومی کو جانشین بنایا۔ اس بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمادی الاول اور جمادی الثانی میں شام جانے والے قریش کے تجارتی قافلے سے رو برو ہونے کے لیے نکلے تھے لیکن وہ قافلہ ہاتھ سے نکل گیا۔ شام سے قافلے کی واپسی پر جنگ بدر ہوئی۔

۵۔ جنگ بدر میں حضور (ص) نے ابن مکتومؓ کو جو آنکھوں سے معذور تھے اپنا جانشین بنایا۔ اس دفعہ آپ (ص) انیس دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

۶۔ غزوہ بنی قینقاع کے دوران ابولبابہ انصاریؓ اوسی کو اپنا جانشین بنایا۔

۷۔ غزوہ سویق کے وقت بھی ابولبابہ انصاریؓ کو نائب بنایا جب آپ (ص) ابوسفیان کے

---

[1] ابواء مدینہ منورہ سے تقریباً ۲۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک ہے۔ ودان جوحفہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اس کے اور ابواء کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے۔

پیچھے مدینہ سے نکلے تھے اور ابوسفیان دوسو سواروں کے ساتھ اپنی نذر پوری کرنے آیا تھا۔اس نے نذر کی تھی کہ وہ اس وقت تک خوشبو اور عورتوں سے پرہیز کرے گا جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے۔عریض تک آئے۔وہاں انہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوچ کی خبر ملی تو راستے میں بوجھ ہلکا کرنے کے لیے چمڑے کے تھیلے جن میں ستو تھے پھینکتے گئے۔بنابریں اسے غزوہ سویق (ستو) کہا گیا ہے۔

۸۔ غزوہ قرقرہ الکدر میں ابن ام مکتومؓ کو جانشین بنایا۔اس دفعہ آپ (ص) پندرہ محرم کو قیس عیلان کے دوقبیلوں ،قبیلہ سلیم اور قبیلہ غطفان کے مقابلے پر گئے۔دشمن بھاگ گئے۔مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح وسالم واپس تشریف لے آئے۔

۹۔ آپ (ص) غزوہ فران میں ابن ام مکتومؓ کو نائب بنا گئے۔اس دفعہ آپ (ص) جمادی الثانی کے دوران دس دن مدینہ سے باہر رہے۔اس دفعہ بھی دشمن پراگندہ ہوگئے اور آپ (ص) بسلامت لوٹ گئے۔

۱۰۔ جنگ احد میں ابن ام مکتومؓ کو اپنی جگہ چھوڑ گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ احد کے دامن میں مشرکین سے جنگ کی۔مقام احد جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے اس جنگ کے دوران آپ ایک دن مدینہ سے باہر رہے۔

۱۱۔ غزوہ حمراء الاسد میں ابن ام مکتومؓ کو نائب بنایا۔مقام حمراء الاسد جو مدینہ سے نومیل کے فاصلے پر ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب خبر ملی کہ ابوسفیان مدینہ پر پلٹ کر حملہ کرنا چاہتا ہے تو آپ اس کی تلاش میں گئے لیکن ابوسفیان اور اس کے ساتھی نہیں ملے۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک وہاں قیام کے بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات

۱۲۔ غزوہ بنی نضیر میں ابن ام مکتومؓ کو جانشین بنایا۔بنی نضیر غرس کی طرف رہتے تھے۔حضور (ص) نے دس دن تک ان کا محاصرہ کیا پھر ان کو وہاں سے نکال دیا۔[1]

۱۳۔عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو بدر کے تیسرے حملے میں سولہ دن کے لیے نائب بنایا۔آپ (ص) وہاں سولہ دن ابوسفیان کے انتظار میں رہے کیونکہ اس نے احد میں عہد کیا تھا کہ آنے والے سال میں بدر کے مقام پر مسلمانوں سے جنگ کرے گا۔ابوسفیان مکہ سے نکل کر عسفان تک آیا پھر وہاں سے مکہ لوٹ گیا۔

۱۔بنی نضیر کے یہودیوں کے مقامات قبا میں بئر غرس کے مقام پر اور اس کے آس پاس موجود تھے قبا جو مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

ہجرت کے پانچویں سال کے واقعات

۱۴۔ ابن ام مکتومؓ کو غزوہ دومۃ میں اپنا قائم مقام بنایا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیدر بن عبدالملک نصرانی کے مقابلے پر گئے تھے۔وہ مدینہ کے مسافروں اور تجارتی قافلوں کا راستہ روکتا تھا۔اس غزوہ میں وہ بھاگ گیا اور اس کے ساتھی پراگندہ ہوگئے اور وہاں کوئی نہ ملا۔آپ (ص) وہاں کئی دن ٹھہرے رہے۔یہ روم کی طرف آپؐ کا پہلا حملہ تھا۔[1]

۱۵۔ اپنے غلام زیدؓ بن حارثہ کو غزوہ بنی المصطلق کے دوران اٹھارہ دنوں کے لیے جانشین بنایا۔اس حملے کے لیے آپ (ص) شعبان کی دوسری تاریخ کو نکلے۔یہ حملہ چشمہ مریسیع کے مقام پر ہوا تھا۔

۱۶۔غزوہ خندق کے دوران ابن ام مکتومؓ کو جانشین بنایا۔اس جنگ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر مدینہ میں رہتے ہوئے خندق کے اس پار موجود احزاب سے جنگ کی۔یہ واقعہ ماہ شوال یا ذیقعدہ کا ہے۔

۱۷۔غزوہ بنی قریظہ میں ابو رہم غفاریؓ کو جانشین بنایا۔بنی قریظہ اور مدینہ کے درمیان کئی گھنٹوں کا راستہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم از کم پندرہ دن تک ان کو محاصرے میں لے رکھا۔محاصرہ ۲۳ ذیقعد کو شروع ہوا۔

ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات

۱۸۔عسفان کے قریب قبیلہ ہذیل کے بنی لحیان کے ساتھ جنگ میں ابن ام مکتومؓ کو چودہ دنوں کے لیے جانشین بنایا۔اس غزوہ میں آپؐ صحیح وسالم واپس آئے۔

۱۹۔غزوہ ذی قرد میں ابن ام مکتومؓ کو نائب بنایا۔ذی قرد اور مدینہ کے درمیان دو دنوں کے سفر کا فاصلہ ہے۔

۲۰۔غزوہ حدیبیہ میں ابن ام مکتومؓ کو جانشین بنایا۔

ہجرت کے ساتویں سال کے واقعات

۲۱۔ سباع بن عرفطہ کو غزوہ خیبر میں اپنا جانشین بنایا۔خیبر مدینہ سے آٹھ برد (برید کی جمع۔ہر برید ۱۲ میل کے برابر ہوتا ہے) کے فاصلے پر واقع ہے۔خیبر کے قلعوں کو بزور شمشیر فتح اور صلح کرنے

۱۔دومۃ الجندل ایک قلعے کا نام ہے دمشق سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

کے بعد وادی القریٰ پر چڑھائی کی اور کئی دن تک دشمنوں کو محاصرے میں رکھا۔ پھر بزور شمشیر فتح حاصل ہوئی ۔اس کے بعد شام سے آٹھ دن کی مسافت پر واقع اہل تیماء کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہوا۔وادی القریٰ تیما اور مدینہ کے درمیان واقع تھا۔

۲۲۔ عمرۃ القضاء کے سفر میں سباع ؓ بن عرفطہ کو جانشین بنایا۔

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات

۲۳۔غزوہ مکہ کے دوران ابو رھم غفاریؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔

۲۴۔غزوہ مکہ کے بعد حضور(ص) غزوہ حنین کے لیے ہوازن کی طرف بڑھے ۔حنین ذی المجاز کی طرف ایک وادی کا نام ہے۔مکہ سے یہاں تک کا سفر تین راتوں میں طے ہوتا تھا۔اس غزوہ میں بھی ابو رہمؓ غفاری آپ(ص) کی جگہ مدینہ کے والی رہے۔

۲۵۔غزوہ تبوک میں آپ(ص) حضرت علی ابن ابی طالب(ع) کو مدینہ میں اپنا جانشین بناگئے۔تبوک مدینہ سے نوے فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے ۔تبوک غزوات رسول(ص) کا آخری غزوہ تھا۔غزوات رسول ؐ کی تعداد ۲۸ ہے بشرطیکہ ہم جنگ خیبر اور غزوہ وادی القریٰ کو الگ الگ شمار کریں ورنہ غزوات کی تعداد ۲۷ بنتی ہے ۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی کے دوران مدینہ میں جن لوگوں کو اپنا جانشین بنایا ان کے ناموں کے سلسلے میں ہم نے مشہور مورخ مسعودی کی کتاب التنبیہ والا شراف کے اس حصے سے استفادہ کیا ہے جس میں انہوں نے سنہ۲ ہجری تک کے حالات رقم کئے ہیں۔جن لوگوں کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں اپنا نائب بنایا ان کے ناموں میں قدرے اختلاف بھی نظر آتا ہے لیکن غزوہ تبوک میں حضرت علی(ع) کو مدینہ میں جانشین بنانے کے بارے میں مسعودی نے جو کچھ کہا ہے اسے امام احمد نے بھی اپنی مسند میں سعد بن ابی وقاصؓ کی زبان سے نقل کیا ہے ۔سعدؓ نے کہا: جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے نکلے تو حضرت علی(ع) کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔اس وقت حضرت علی(ع) نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول(ص) میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نکل جائیں۔

فرمایا:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الّا انہ لا نبی

بعدی۔

کیا آپ کو یہ منظور نہیں ہے کہ آپ کی مجھ سے وہی نسبت ہو جو نسبت ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی؟''البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[1]

اس بات کی تائید صحیح بخاری کی کتاب بدء الخلق باب غزوہ تبوک میں سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علی(ع) کو اپنا جانشین بناگئے ۔حضرت علی(ع) نے عرض کیا:

کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

فرمایا:

الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی۔

کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ مجھ سے تیری نسبت وہی ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی؟اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[2]

نیز صحیح مسلم میں بھی سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے ۔سعدؓ کہتے ہیں ایک جنگ کے دوران جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) کو (مدینہ میں) اپنا جانشین بنایا اور علی(ع) نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول(ص) آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

تو میں نے رسول(ص) کو یہ کہتے سنا:

کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا؟[3]

یوں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے کسی جنگ کی غرض سے معدودے چند دنوں کے لیے باہر تشریف لے گئے ۔آپ نے کسی نہ کسی کو اپنا جانشین ضرور بنایا ہے۔تا کہ لوگ

---

[1] مسند احمد ج۱ صفحہ ۱۷۷ طبع میمنیہ مصر۔ [2] صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب غزوۃ تبوک ج۳ صفحہ ۵۸۔
[3] صحیح مسلم باب فضل علی بن ابی طالب حدیث نمبر ۳۲، مسند ابو داؤد طیالسی ج۱ صفحہ ۲۹، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج۷ صفحہ ۱۹۵، مسند احمد ج۱ صفحہ ۱۷۲، ۱۸۲، ۳۳۰، ج۴ صفحہ ۱۵۳، تاریخ بغداد ج۱۱ صفحہ ۴۳۲، خصائص نسائی صفحہ ۸، ۱۶، طبقات ابن سعد ج۳ صفحہ ۱۵

آپ(ص) کی موجودگی میں اس جانشین کی طرف رجوع کریں بلکہ آپ ایک دن کے لیے یا چند گھنٹوں کے لیے بھی کسی کو اپنا جانشین بنائے بغیر باہر نہیں گئے ۔تاکہ لوگ آپ کی عدم موجودگی میں اس کی طرف رجوع کریں جیسا کہ جنگ احد میں ہوا ۔کوہ احد مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے باوجود مدینہ والوں پر اپنی غیر حاضری کے دوران کسی شخص کو جانشین بنا کر گئے ۔اس سے بڑھ کر غزوہ خندق کا واقعہ ہے کہ جب آپ نے جنگی مصروفیات کے پیش نظر اہل مدینہ پر توجہ نہ دے سکنے کی بناء پر ان کے لیے کسی کو اپنا جانشین بنایا ہے حالانکہ آپ شہر مدینہ کے اندر رہ کر ہی جنگ کر رہے تھے اور خندق کے اندر کی طرف موجود تھے ۔

جب مدینہ سے صرف چند گھنٹوں کی غیر حاضری کے دوران نیز مدینہ کے اندر رہتے ہوئے جنگی مصروفیات کے پیش نظر رسول(ص) کی یہ روش تھی تو پھر امت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر دنیا سے تشریف لے جاتے وقت حضور(ص) نے اپنے بعد امت کے لیے کیا سوچا ہوگا اور کیا کہا ہوگا ؟ کیا رسول(ص) نے اپنے بعد ان کے لیے کوئی مرجع معین نہیں کیا اور آپ ان کو شتر بے مہار کی طرح بے لگام چھوڑ گئے ؟

اس سوال کا جائزہ ہم اسی کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ لیں گے ۔

☆☆☆☆☆

اپنے بعد ولی امر کی تعیین
کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

اس باب کی ابتداء ہم انبیاء علیہم السلام کی عملی سیرت کے بیان سے کریں گے اور دیکھیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کے واسطے اپنے بعد وصی اور ولی امر کی تعیین کے لیے کیا اقدامات کئے ہیں ۔

سابقہ امتوں میں اوصیاء کا سلسلہ

حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبین (صلوات اللہ علیہم اجمعین) تک انبیاء کے اوصیاء کا سلسلہ جاری رہا ہے مثال کے طور پر:

☆ حضرت آدمؑ کے وصی حضرت ہبۃ اللہؑ تھے جنہیں عبرانی میں شیثؑ کہتے ہیں ۔

☆ حضرت ابراہیمؑ کے وصی حضرت اسمٰعیلؑ تھے ۔

☆ حضرت یعقوبؑ کے وصی حضرت یوسفؑ تھے ۔

☆ حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نون بن افراہیم بن یوسفؑ تھے ۔حضرت موسیٰؑ کی زوجہ صفورا نے حضرت یوشعؑ کے خلاف خروج کیا تھا ۔

☆ حضرت عیسیٰؑ کے وصی حضرت شمعونؑ تھے ۔

☆ اور حضرت خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی حضرت علی ابن ابی طالب(ع) اور اور آپ(ص) کی نسل سے گیارہ ائمہؑ تھے ۔ہم یہاں مذکورہ بالا اوصیاء علیہم السلام میں سے تین کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں ۔

حضرت شیثؑ کے لیے آدمؑ کی وصیت

شیثؑ کے حق میں آدمؑ کی وصیت کے بارے میں مورخین کا بیان ہے کہ جب آدمؑ کی

موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی بنایا۔

بقول طبری ہبۃ اللہ کو عبرانی میں شیثؑ کہتے ہیں ۔حضرت آدمؑ نے انہی کے نام وصیت کی اور اپنی وصیت لکھی ۔کہتے ہیں کہ شیثؑ اپنے باپ آدمؑ کے وصی تھے۔ شیثؑ کے لیے حضرت آدمؑ کی وصیت اور ان کی وفات کے بارے میں لکھا ہے :پھر جب آدمؑ نے شیثؑ کے نام اپنی وصیت کر لی تو شیثؑ نے آدمؑ کے اسرار کی خوب حفاظت کی اور ان کو اپنی ذات تک محدود رکھا۔ پھر آدمؑ کی وفات ہوئی۔

ابن اثیر لکھتے ہیں: شیثؑ سے مراد ہبۃ اللہ ہیں جو آدمؑ کے وصی تھے ۔جب آدمؑ کی وفات قریب آئی تو شیثؑ کے نام وصیت کی ۔

ابن کثیر کہتے ہیں: حضرت آدمؑ کی وفات اور ان کے بیٹے شیثؑ کے حق میں ان کی وصیت کا بیان ۔

شیثؑ سے مراد ھبۃ اللہ ہیں۔ جب آدمؑ کی موت قریب آئی تو انہوں نے شیثؑ کو اپنا وصی بنایا۔[1]

حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نونؑ کا ذکر

حضرت یوشع بن نون کا ذکر توراۃ میں

قاموس کتاب مقدس میں لفظ یوشع کے بیان میں توراۃ کی زبانی مذکور ہے: یوشعؑ بن نون جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جبل سینا پر موجود تھے۔ وہ حضرت ہارونؑ کے دور میں بچھڑے کی عبادت میں ملوث نہیں ہوئے ۔

توراۃ کتاب العدد اصحاح ۲۷ میں خدا کی طرف سے ان کو موسیٰؑ کا وصی معین کرنے کا تذکرہ ہے ۔ذیل میں اس کا متن دیا جاتا ہے:

فَكَلَّمَ مُوسَى ٱلرَّبَّ قَائِلًا. ١٦ لِيُوَكِّلِ ٱلرَّبُّ إِلٰهُ
١٦ أَرْوَاحِ جَمِيعِ ٱلْبَشَرِ رَجُلًا عَلَى ٱلْجَمَاعَةِ ١٧ يَخْرُجُ أَمَامَهُمْ وَيَدْخُلُ أَمَامَهُمْ وَيُخْرِجُهُمْ
١٧ وَيُدْخِلُهُمْ لِكَيْلَا تَكُونَ جَمَاعَةُ ٱلرَّبِّ كَٱلْغَنَمِ ٱلَّتِي لَا رَاعِيَ لَهَا. ١٨ فَقَالَ ٱلرَّبُّ لِمُوسَى
١٨ خُذْ يَشُوعَ بْنَ نُونَ رَجُلًا فِيهِ رُوحٌ وَضَعْ يَدَكَ عَلَيْهِ ١٩ وَأَوْقِفْهُ قُدَّامَ أَلِعَازَارَ ٱلْكَاهِنِ
٢٠ وَقُدَّامَ كُلِّ ٱلْجَمَاعَةِ وَأَوْصِهِ أَمَامَ أَعْيُنِهِمْ. ٢٠ وَٱجْعَلْ مِنْ هَيْبَتِكَ عَلَيْهِ لِكَيْ يَسْمَعَ لَهُ كُلُّ
٢١ جَمَاعَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ. ٢١ فَيَقِفَ أَمَامَ أَلِعَازَارَ ٱلْكَاهِنِ فَيَسْأَلُ لَهُ بِقَضَاءِ ٱلْأُورِيمِ أَمَامَ
ٱلرَّبِّ. حَسَبَ قَوْلِهِ يَخْرُجُونَ وَحَسَبَ قَوْلِهِ يَدْخُلُونَ هُوَ وَكُلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ مَعَهُ كُلُّ
٢٢ ٱلْجَمَاعَةِ. ٢٢ فَفَعَلَ مُوسَى كَمَا أَمَرَهُ ٱلرَّبُّ. أَخَذَ يَشُوعَ وَأَوْقَفَهُ قُدَّامَ أَلِعَازَارَ ٱلْكَاهِنِ
٢٣ وَقُدَّامَ كُلِّ ٱلْجَمَاعَةِ ٢٣ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَيْهِ وَأَوْصَاهُ كَمَا تَكَلَّمَ ٱلرَّبُّ عَنْ يَدِ مُوسَى...

[1] تحقیق کے لئے تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، البدایہ والنہایہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

پس موسیٰؑ نے رب سے یہ کہتے ہوئے گفتگو کی: اے رب، اے تمام انسانوں کی ارواح کے معبود (میری) قوم کے اوپر کسی مرد کو موکل فرما جو ان کے سامنے نکلتا ہو اور اندر جاتا ہو۔ ان کو خارج کرتا ہو اور داخل کرتا ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ان بھیڑ بکریوں کی مانند نہ ہوجائے جن کا کوئی چرواہا نہ رہا ہو۔ پس رب نے موسیٰؑ سے کہا یشوع بن نون کو لے لو وہ ایک مرد ہے جس میں ایک روح ہے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھو ۔پھر اس کو العازار نامی کاہن اور پوری جماعت کے آگے کھڑا کرو اور ان کی آنکھوں کے سامنے اسے وصیت کرو اور اپنی ہیبت سے کچھ اس کو دو۔ تاکہ بنی اسرائیل کی پوری جماعت اس کی بات سنے ۔پس وہ کاہن العازار کے سامنے کھڑا ہوا کہ وہ اللہ کے سامنے اس کے لیے قوت اور ہیبت عطا کرنے کا سوال کرے ۔لوگ اس کے کہنے پر خارج ہوں گے اور اس کے کہنے پر داخل ہوں گے ۔وہ اور بنی اسرائیل کے تمام گروہ اس کے ساتھ ہیں۔ پس موسیٰؑ نے رب کے حکم پر عمل کیا۔ اس نے یشوع کو لیا اور اسے العازار کاہن اور پوری قوم کے سامنے رکھا ۔پھر اپنے دونوں ہاتھ اس پر رکھے اور اسے وصیت کی جس طرح رب نے ید موسیٰؑ کے بارے میں گفتگو کی تھی ۔

یوشع کے بنی اسرائیل کی امارت سنبھالنے اور ان کی جنگوں کا تذکرہ سفر یوشع بن نون ''اصحاح ۲۳'' میں مذکور ہے۔

خاتم الانبیاء کے وصی اور حضرت موسیٰؑ کے وصی میں مشابہت

یوشعؑ بن نون حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کوہ سینا میں موجود تھے ۔انہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی ۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ جناب یوشعؑ کو اپنے بعد وصی مقرر کردیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی جماعت شتر بے مہار نہ بن جائے ۔اسی طرح حضرت علی علیہ السلام غار حرا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ۔آپ (ص) نے کبھی کسی بت کو نہیں پوجا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (ص) کو

حجۃ الوداع سے واپسی پر حکم دیا کہ علی بن ابی طالب علیہا السلام کو حاجیوں کے سامنے اپنے بعد امت کا رہبر معین کر دیجئے اور امت کو بے سرپرست نہ چھوڑیں ۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں اس کا اعلان کیا اور ان کو اپنا ولی عہد بنایا جیسا کہ ہم بیان کریں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا: میری امت پر ضرور بضرور وہی کچھ گزرے گا جو بنی اسرائیل پر گزرا تھا ۔ ہم نے اس حدیث کے ماخذ "ایک سو پچاس جعلی اصحاب" نامی کتاب کی دوسری جلد کی ابتدا میں دیئے ہیں ۔

یوشعؑ کا ذکر قرآن میں
اسلامی تعلیمات کے ماخذ میں

قرآن کریم میں حضرت یوشعؑ کو "الیسع" کہا گیا ہے ۔[1] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت قریب آئی تو خدا نے انہیں حکم دیا کہ یوشع بن نونؑ کو قبۃ الرمان[2] میں داخل کرے اور اسے بابرکت بنائے (یا عشائے ربانی ادا کرے) اور اپنا مقدس ہاتھ ان کے بدن پر رکھے تا کہ اس کی برکت ان میں سرایت کر جائے اور ان کو وصیت کریں کہ وہ ان کے بعد بنی اسرائیل کی ذمہ داری سنبھالیں ۔[3]

حضرت عیسیٰؑ کے وصی شمعونؑ کا تذکرہ
پہلا نکتہ: شمعونؑ انجیل میں

قاموس کتاب مقدس میں اس نام کے دس افراد کا تذکرہ ہوا ہے ۔ ان میں سے ایک شمعونؑ بطرس ہیں ۔ توراۃ میں شمعونؑ کا نام سمعون ہے ۔ انجیل متی[4] میں ان کا یوں ذکر ہوا ہے :

> پھر (عیسیٰؑ نے) اپنے بارہ شاگردوں کو بلایا اور ان کو نجس ارواح پر تسلط عطا کیا تا کہ وہ ان کو نکال دیں اور ہر مرض اور کمزوری کو شفا دیں ۔

ان بارہ افراد کے نام یہ ہیں: سمعان جسے پطرس کہتے ہیں ..... الخ ۔

انجیل یوحنا[5] میں مذکور ہے کہ عیسیٰؑ نے اس کے نام وصیت کی اور کہا:

میرے مویشی چراؤ ۔ یہ کنایہ ہے عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کی

---

[1] سورۃ الانعام آیت ۸۶ اور سورۃ ص آیت ۴۸
[2] قبۃ الرمان یہودیوں کے ہاں اس خیمے کو کہا جاتا ہے کہ جس میں تاریخی تابوت کو ڈھانپتے ہیں ۔
[3] تاریخ یعقوبی ج ۱ صفحہ ۴۶ طبع بیروت [4] اصحاح ۱۰ [5] اصحاح ۲۱ آیت ۱۵، ۱۸

نگہداری کے بارے میں ۔

قاموس کتاب مقدس میں بھی ذکر ہوا ہے کہ عیسیٰؑ نے انہیں کلیسا کی ہدایت کے لیے معین کیا ۔

دوسرا نکتہ: شمعونؑ کا ذکر
اسلامی تعلیمات کے ماخذ میں

یعقوبی نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو سمعان الصفا کے نام سے یاد کیا ہے ۔ مورخ مسعودی نے کہا ہے :

> پطرس روم میں قتل ہو گئے ۔

یونانی زبان میں ان کا نام شمعون ہے اور عرب انہیں سمعان کہتے ہیں ۔[1] معجم البلدان میں دیر سمعان کے ذکر میں کہا گیا ہے:

> دیر سمعان دمشق کے مضافات میں واقع ہے ۔ یہ دیر (گرجا) سمعان سے منسوب ہے جو نصاریٰ کے ایک بڑے بزرگ تھے ۔ کہتے ہیں کہ اس سے مراد شمعون الصفا ہیں ۔

ہم نے ان تین اوصیاء کے بارے میں مختصر سا تذکرہ بطور مثال پیش کیا تا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے اوصیاء کا حال بھی واضح ہو جائے ۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان رسولوں سے مختلف تو نہیں تھے جو آپ اپنی امت کو اپنے بعد آنے والے ولی امر کی نشاندہی کے بغیر چھوڑ دیتے جبکہ آپ (ص) چھوٹی سی اسلامی سرزمین یعنی شہر مدینہ کو جنگوں کے دوران چند گھنٹوں کی غیر حاضری کی صورت میں بغیر کسی جانشین کے نہیں چھوڑتے تھے ۔ خاتم الانبیاء والمرسلینؐ نے عالم اسلام کو اپنے بعد ہمیشہ کے لیے کسی ولی امر کی تعیین کے بغیر نہیں چھوڑا بلکہ آپ نے مختلف الفاظ میں متعدد مقامات پر وصی کی تعیین فرمائی ۔ بعض موقعوں پر صرف اپنے بعد والے پہلے امام کا ذکر کیا اور بعض موقعوں پر تمام ائمہ کا تذکرہ کیا ۔ جن احادیث میں صرف حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا تذکرہ فرمایا ان میں سے کچھ کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے ۔

☆☆☆☆☆

---

[1] مروج الذہب ج ۱ صفحہ ۳۴۳

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ(ص) کا وزیر، ولی عہد اور خلیفہ

احادیث رسول(ص) میں وصی کا ذکر

ہم نے اس بحث کی ابتدا میں دعوت ذوالعشیرہ کا ذکر کیا ہے۔اس دن بنی ہاشم کے قریبا چالیس مردوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا،
یہ شخص میرا بھائی ،میرا وصی اورتمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے ۔پس اس کی بات سنو اوراس کی اطاعت کرو۔

اس حدیث کے ذریعے آپ(ص) نے ان لوگوں کے درمیان اپنے وصی اور خلیفہ کو معین کیا اور انہیں اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ[1]

اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو۔

طبرانی نے حضرت سلمان فارسیؓ سے نقل کیا ہے کہ سلمان نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول(ص) ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔آپ(ص) کا وصی کون ہے؟

آپ(ص) خاموش رہے۔بعد میں جب مجھے دیکھا تو کہا:

اے سلمان !

یہ سن کر میں جلدی سے آپ(ص) کی طرف بڑھا اور عرض کیا۔

لبیک۔

فرمایا:

---

[1] سورہ حشر آیت ۷

کیا موسیٰؑ کے وصی کو جانتے ہو؟

میں نے عرض کیا:

ہاں وہ یوشع بن نون تھے۔

فرمایا:

کیوں ؟

میں نے عرض کیا:

کیونکہ وہ اس وقت سب سے زیادہ عالم تھے۔

فرمایا:

پس میرا وصی میرے اسرار کا محافظ،میرے بعد سب سے بہترین فرد، میرے وعدوں پر پورا اترنے والا اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا علی ابن ابی طالب(ع) ہے۔[1]

حضرت ابو ایوبؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی سے فرمایا:

کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ عزوجل نے اہل زمین پر نظر کی اور ان میں سے تیرے باپ کو چن کر نبی بنایا اور اس کے بعد دوبارہ نظر کی تو تیرے شوہر علی(ع) کو چن لیا ہے؟ پھر میرے اوپر وحی کی تو میں نے ان کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا اور اسے اپنا وصی بنالیا؟[2]

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بتحقیق میرا وصی میرے اسرار کا محافظ،میرے بعد لوگوں میں سب سے بہترین ہستی ،میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا علی ابن ابی طالب(ع) ہے۔[3]

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا،دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے فرمایا:

اس دروازے سے جو شخص سب سے پہلے داخل ہوگا وہ امام المتقین ، سید المسلمین ،یعسوب الدین ،خاتم الوصیین ہوگا۔

---

[1] المعجم الکبیر طبرانی ج۶ صفحہ۱۲۲، مجمع الزوائد ج۹ صفحہ۲۲۳، الریاض النضرۃ ج۲ صفحہ۲۳۴

[2] مجمع الزوائد ج۸ صفحہ۲۵۳، ج۹ صفحہ ۱۶۵، کنز العمال ج۱۲ صفحہ۲۰۴ حدیث نمبر ۱۱۲۳، جمع الجوامع للسیوطی حدیث نمبر ۴۲۶۱ طبع بیروت

[3] کنز العمال فصل ثانی فضائل علی بن ابی طالب حدیث نمبر ۱۱۹۲ ج۲ صفحہ ۲۰۹۔

پس حضرت علی(ع) آئے اور آپ(ص) نے فرمایا:

اے انس کون آیا ہے؟

میں نے عرض کیا:

علی(ع)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی(ع) کو دیکھ کر خوشی خوشی کھڑے ہوگئے اور انہیں گلے سے لگالیا۔[1]

صحابی رسول(ص) حضرت بریدہؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے۔میرا وصی اور وارث علی(ع) ہے۔

بیہقی کی کتاب المحاسن والمساوی میں ایک حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: بے شک جبرائیلؑ خدا کی طرف سے ایک تحفہ لے کر آئے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسے اپنے ابن عم اور وصی ابن ابی طالب(ع) کو بطور تحفہ دیں۔[2]

مذکورہ احادیث وہ تھیں جو ہمیں وصیت سے مربوط احادیث رسول(ص) میں نظر آئیں۔

سابقہ امتوں کی کتابوں میں وصایت کا تذکرہ

صفین کے راستے میں حضرت علی(ع) کے لشکر کو ایک صحرا میں پیاس نے ستایا۔آپ(ص) ان کے ساتھ چلے اور ایک پتھر کے پاس پہنچ گئے۔آپ(ص) کی مدد سے انہوں نے اس پتھر کو اکھیڑا۔یوں لشکر نے سیر ہوکر پانی پیا۔نزدیک ہی ایک گرجا تھا۔جب اس گرجے کے مالک عیسائی عالم کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس نے کہا: یہ گرجا اسی پانی سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس پانی کو نہیں نکالا مگر کسی نبی نے یا کسی نبی کے وصی نے۔[3]

مذکورہ حدیث کی موید ایک اور حدیث

نصر بن مزاحم کی کتاب وقعہ الصفین اور تاریخ ابن کثیر میں ایک اور روایت مذکور ہے جو

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج۱ صفحہ ۶۳

[2] الریاض النضرہ ج۲ صفحہ ۲۳۴، تاریخ دمشق ج۱۳ صفحہ ۱۲۳، المحاسن والمساوی ج۱ صفحہ ۶۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۰ھ۔

[3] کتاب الصیطن نصر بن مزاحم صفحہ ۱۴۵ طبع المطبعۃ المدنی مصر ۱۳۸۲ھ، تاریخ بغداد ج۱۲ صفحہ ۳۰۵ طبع سعودیہ۔

واقعہ صفین میں یوں درج ہے: جب علی علیہ السلام رقہ میں فرات کی جانب بلیخ کے مقام پر اترے تو وہاں موجود ایک گرجے سے ایک راہب آیا اور اس نے حضرت علی(ع) سے کہا:

ہمارے پاس ایک تحریر ہے جو ہمارے آباؤ اجداد سے ہمیں ملی ہے۔یہ تحریر عیسیٰ ابن مریم (س) کے اصحاب نے لکھی ہے۔ اسے میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

ٹھیک ہے دکھاؤ وہ کیا ہے؟

راہب نے تحریر کو پڑھا:

شروع کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی۔جس نے جہاں فیصلہ کرنا تھا فیصلہ کیا اور جہاں لکھنا تھا لکھا کہ وہ امی لوگوں کے درمیان انہی میں سے ایک نبی بھیجنے والا ہے جو ان کو کتاب وحکمت سکھائے اور اللہ کے راستے کی رہنمائی کرے۔ وہ نہ بدخلق ہے، نہ تندخو اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والا ہے۔ وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔اس کی امت کے لوگ بہت زیادہ حمد کرنے والے ہیں جو ہر اونچی جگہ اور ہر پست و بلند مقام پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ان کی زبان پر ہمیشہ تہلیل وتکبیر اور تسبیح کا ورد ہوتا ہے۔ اللہ اسے ہر دشمن پر فتح دے گا۔ جب اس کی وفات ہوگی تو اس کی امت میں پہلے اختلاف ہوگا اور پھر وہ متحد ہوجائیں گے۔ وہ اس حالت میں رہیں گے جب تک اللہ چاہے۔ اس کے بعد پھر اختلاف کا شکار ہوں گے۔پس اس امت کا ایک مرد اس فرات کے کنارے سے گزرے گا جبکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہا ہوگا۔ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ وہ فیصلے کی خاطر رشوت نہ لے گا۔ دنیا اس کے آگے اس راکھ سے بھی زیادہ بے قیمت ہوگی جسے طوفانی ہوائیں اڑاتی ہیں۔موت اس کے لیے پیاس کی حالت میں پانی پینے سے بھی زیادہ آسان تر ہوگی۔وہ تنہائی میں اللہ سے ڈرے گا اور لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی محبت خالص

ہوگی۔ وہ راہ خدا میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرے گا۔اس علاقے
کے جولوگ اس نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پالیں اور اس پر ایمان لائیں
تو ان کا اجر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت ہوگی ۔جوشخص اس عبد صالح
کو پائے وہ اس کی مدد کرے، کیونکہ اس کی محبت میں قتل ہونا
شہادت ہے ۔

اس کے بعد راہب نے امامؑ سے کہا:

پس میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ یہاں
تک کہ جن مشکلات سے آپ دوچار ہوں ان سے میں بھی دوچار
ہوں ۔

پس حضرت علی(ع) روئے اور فرمایا:

حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے نہیں بھلایا۔حمد ہے اس اللہ
کی جس نے میرا ذکر ابرار کی کتابوں میں کیا ہے۔

اس کے بعد راہب آپؑ کے ساتھ گیا۔ وہ دن اور رات کا کھانا حضرت علی(ع) کے
ساتھ کھاتا رہا یہاں تک کہ جنگ صفین میں شہید ہوگیا۔جب لوگ اپنے مقتولین کو دفن کرنے کے
لیے نکلے تو علی(ع) نے فرمایا:

اسے ڈھونڈو۔

جب لوگ اسے ڈھونڈ کرلائے تو آپؑ نے اس پر نماز پڑھی اور اسے دفن کر دیا اور فرمایا:

یہ ہم اہل بیتؑ سے ہے۔ پھر آپؑ نے کئی بار اس کے لیے مغفرت
طلب کی ۔

حضرت علی(ع) کی بیعت کے وقت
مالک اشترؒ کی گفتگو میں وصایت کا تذکرہ

جب امیرالمومنین(ع) کی بیعت ہوئی تو مالکؒ بن حارث اشتر نے کہا:

لوگو یہ وصی الاوصیاء ہیں۔ یہ علم انبیاء کا وارث ہے ،یہ عظیم مشکلات
سے ٹکراتا ہے اور ان سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی کتاب نے
اس کے ایمان کی شہادت دی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم خدا نے
جنت رضوان کی ۔وہ تمام فضیلتوں کے جامع ہیں ۔اسلام میں آپ

کی سبقت ،آپ کے علم اور آپ کے فضل میں نہ بعد والوں کو شک
ہے نہ سابقین کو۔[1]

محمدؒ بن ابوبکر کے خط
میں وصایت کا تذکرہ

محمدؒ بن ابوبکر نے اپنے ایک خط میں معاویہ بن ابی سفیان کو لکھا:

... بے شک اللہ تعالیٰ نے ...محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو منتخب کیا اور اپنی
رسالت آپ(ص) سے مختص کر دی ،اپنی وحی کے لیے آپؐ کو چنا،
اپنے مشن کا آپؐ کو امین سمجھا اور آپؐ کو ایسا رسول بنایا جو سابقہ کتب
کی تصدیق کرتا ہو اور شریعتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔پس
آپ(ص) نے اسے رب کے راستے کی طرف دعوت دی حکمت اور
موعظہ حسنہ کے ذریعے۔سب سے پہلے جواب دینے اور لبیک کہنے
والا ،سب سے قبل ان کی تصدیق اور موافقت کرنے والا ،سب سے
پہلے اسلام قبول کرنے اور اطاعت قبول کرنے والا حضور(ص) کا
بھائی اور ابن عم علی ابن ابی طالب(ع) تھے۔علی(ع) نے چھپے ہوئے
غیب کی تصدیق کی ،انہیں ہر عزیز پر ترجیح دی اور انہیں ہر خطرے
سے بچایا اور خوف کے ہر موقع پر اپنی جان کے ذریعے ان کی
دلداری کی۔ جنگ اور صلح میں ان کا ساتھ دیا۔اس نے سختی وتنگی کی
گھڑیوں میں اور خوف و ہراس کے موقعوں پر ذلت وخواری کا
ثبوت نہیں دیا یہاں تک کہ وہ میدان جہاد میں سب پر سبقت لے
گیا۔ان کا کوئی نظیر نہ بن سکا نیز عمل میں کوئی اس کی برابری نہ
کرسکا ۔اب تم اس کی برابری کرنے لگے ہو جبکہ تم وہی ہو جو ہو۔
تیرے برعکس وہ ہر نیک کام میں ممتاز اور سبقت کرنے والا ہے۔
قبول اسلام میں اسے تمام لوگوں پر سبقت حاصل ہے۔ نیت کے
لحاظ سے وہ تمام لوگوں سے زیادہ سچا ہے۔ ان کی نسل سب سے

---

۱ تاریخ یعقوبی ج ۲ص ۱۷۸

زیادہ پاک وپاکیزہ ہے۔ زوجیت میں اسے تمام لوگوں پر برتری
حاصل ہے۔سب سے بہترین ابن عم اس کا ہے۔
پھرتم اور تمہارا باپ ہمیشہ دین خدا کی تباہی و بربادی کے خواہاں
رہے ہواور نور الٰہی کو بجھانے کی کوشش میں مشغول رہے ہو۔ اس
مقصد کے لیے لوگوں کو جمع کرتے ، مال خرچ کرتے اور قبائل سے
مخالفت کرتے رہے ہو۔ تیرا باپ اسی روش پر مرگیااور یہ روش تجھے
ورثے میں ملی ہے۔ تیرے ان اعمال کا گواہ وہ ہے جو تیری حفاظت
اور پناہ میں ہے۔ وہ احزاب کی باقی ماندہ یادگار ہے وہ بڑے بڑے
منافقین اور دشمنان رسول(ص) کی یادگار ہے جبکہ حضرت علیؑ کے
اعمال کے گواہ ان کے واضح فضائل اور قدیم کارناموں کے علاوہ
مہاجرین و انصار پر مشتمل ان کے وہ مددگار ہیں جن کی فضیلت کا
تذکرہ قرآن میں ہوا ہے اور خدا نے ان کی تعریف کی ہے۔ یہ لوگ
اس کے ساتھ موجود گروہ اورفوجی دستے ہیں جو اپنی تلوار سے پے
درپے وار کرتے ہیں اور ان کے آگے اپنا خون بہاتے ہیں۔ وہ
علی(ع) کی پیروی میں بزرگی پاتے ہیں اور ان کی مخالفت کو باعث
بدبختی سمجھتے ہیں۔وائے ہوتم پر کہ تم کس طرح ان کی برابری کرسکتے
ہو۔ وھو وارث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم
ووصیّہ و ابو ولدہ و اول الناس لہ اتباعاً وآخرھم بہ عھداً
یخبرہ بسرہ ویشرکہ فی امرہ جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا
وارث ،آپ کا وصی ،آپ کی اولاد کا باپ ،لوگوں میں نبی کا اولین
پیروکار اور سب سے آخری ساتھی ہے۔رسول(ص)، علی(ع) کو راز
کی باتیں بتاتے تھے اور اپنے امور میں ان کوشریک رکھتے تھے۔

معاویہ کا جوابی خط

معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے محمد ابن ابوبکر کے نام واضح ہو کہ
تیرا خط مجھے ملا۔اس میں تو نے ذکر کیا ہے اس چیز کا جس کا خداوند

اپنے دائرہ قدرت وسلطنت میں اہل ہے نیز اس میں اللہ کی طرف
سے اپنے نبی کو خاص چیزوں سے سرفراز کرنے کا بھی ذکر ہے۔
ساتھ ہی تو نے ایسی خود ساختہ باتوں کا ذکر کیا ہے جنھیں تو نے وضع
کیا ہے۔اس سے تیری رائے کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور تیرے
باپ کی توہین ہوتی ہے۔تو نے ابوطالب کے بیٹے کے حق کا ذکر
کیا ہے ان کے قدیم کارناموں ،رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ان
کی قرابت اور ان کی طرف سے ہر خوف وخطر میں نبی صلی اللہ علیہ والہ
وسلم کی مدد و دلجوئی کا تذکرہ کیا ہے۔تو نے اس میں میرے خلاف
دوسروں کے فضائل کے سہارے سے استدلال کیا ہے نہ کہ اپنے
فضائل سے۔ہم لوگ اور ہمارے ساتھ تیرا باپ بھی رسول اللہ(ص)
کی زندگی میں علی ابن ابی طالب(ع) کے حق کی رعایت اپنے اوپر
واجب اور ہمارے اوپر اس کی فضیلت کو واضح سمجھتے تھے۔ جب اللہ
نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے ہاں موجود نعمتوں کے لیے
چنا،ان کے ساتھ اپنے وعدے کو پورا ،ان کی دعوت کو کامیاب اور
ان کی حجت کو آشکار کیا۔ پھر انہیں اپنی طرف بلالیاتو تیرے باپ
اور فاروق نے سب سے پہلے اس کا حق چھینا اور اس کی مخالفت
کی۔ان دونوں نے اس پر اتفاق و اتحاد کرلیا۔پھر ان دونوں نے
اسے اپنی اطاعت کی دعوت دی ۔لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ پس
ان دونوں نے ان کے خلاف کافی کچھ ٹھان لیااور خطرناک ارادہ
کیا۔وہ دونوں انہیں اپنی حکومت میں شریک نہیں رکھتے تھے اور نہ
ہی انہیں اپنے اسرار سے آگاہ کرتے تھے یہاں تک کہ وہ دونوں
دنیا سے چلے گئے اور ان کی حکومت ختم ہوگئی ۔پھر ان دونوں کے
بعد عثمانؓ بن عفان نے ان کی جگہ لی جو ان دونوں کے نقش قدم پر
چلتے تھے.....الخ ۔[1]

۱۔وقعۃ الصفین صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹ مطبوعہ قاہرہ، مروج الذہب ج ۳ صفحہ ۱۱ طبع بیروت، تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۳۲۴۸ طبع یورپ، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۱۰۸۔

یہاں ہم نے معاویہ کے خط کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کیونکہ اس میں محمدؓ بن ابوبکر کی باتوں کا اعتراف موجود ہے۔ان دونوں خطوں کو نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعۃ الصفین میں اور مشہور مورخ مسعودی نے مروج الذہب میں مکمل طور پر نقل کیا ہے۔طبری اور ابن اثیر نے ۳۶ھ کے واقعات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔مورخ طبری یزید بن ظبیان سے نقل کرتے ہیں کہ محمدؓ بن ابوبکر نے معاویہ بن ابوسفیان کو والی بننے کے بعد خط لکھا۔ان دونوں کے درمیان خط وکتابت کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کا ذکر کرنا مجھے ناگوار ہے کیونکہ ان میں ایسی باتیں ہیں جن کے ہم متحمل نہیں ہوسکتے۔

عمرو بن عاص کے خط میں وصایت کا تذکرہ

اسلامی تاریخ میں معاویہ کے نام عمرو بن عاص کے ایک خط کا تذکرہ موجود ہے جس میں عمرو بن عاص نے لکھا ہے:

فاما مادعوتنی الیہ...... وعاننی ایاك علیٰ الباطل و اختراط السیف فی وجہ علیؓ وھوا خو رسول اللہؐ ووصیہ و وارثہ وقاضی دینہ و منجز وعدہ وزوج ابنتہ... الخ۔[1]

رہی وہ بات جس کی تو نے مجھے دعوت دی ہے.....اور باطل پر تیری حمایت کرنے کی نیز علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بھائی، وصی، وارث، آپ(ص) کا قرض ادا کرنے والا، آپ(ص) کے وعدوں کو نبھانے والا اور آپ کی بیٹی کا شوہر ہے.....

وصی کا تذکرہ امام علیؑ کے کلام اور استدلال میں

حضرت علی(ع) کا یہ کلام نقل ہوا ہے:

---

۱ مناقب الامام الخوارزمی صفحہ ۱۲۵۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی اور ان کا وصی ہوں....

اہل مصر کے نام حضرت علی علیہ السلام کے ایک خط کے ضمن میں تحریر ہے:

جان لو کہ ہدایت کا علمبردار امام اور ہلاکت وگمراہی کا پرچم دار رہبر برابر نہیں ہوسکتے، وصی رسول(ص) اور دشمن رسول بھی مساوی نہیں ہوسکتے۔[1]

حضرت علی(ع) کے خلاف خوارج نے جو استدلال کیا ہے اس میں یہ بھی کہا گیا ہے:

اس نے وصیت کو ضائع کیا۔

حضرت علی(ع) کے جواب کا ایک حصہ یہ ہے:

رہا تمہارا یہ کہنا کہ میں وصی تھا لیکن میں نے وصیت کو ضائع کر دیا تو اس کا جواب اللہ کا یہ قول ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[2]

لوگوں پر لازم ہے کہ اللہ کے لیے حج بیت اللہ انجام دیں بشرطیکہ ان میں حج پر جانے کی استطاعت ہو اور جو شخص کافر ہوجائے تو جان لے کہ بے شک اللہ تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے اس گھر کی زیارت کے لیے نہ آئے تو یہ گھر کافر ہوجائے گا؟ جو شخص اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اسے چھوڑ دے وہ خود کافر ہوجاتا ہے۔پس مجھے چھوڑ کر تم نے کفر اختیار کیا ہے نہ کہ تمہیں چھوڑ کر میں نے.....الخ۔[3]

وصی کا ذکر حضرت علی(ع) کے خطبات میں

نہج البلاغہ کے خطبہ میں امام(ع) فرماتے ہیں:

---

۱ مناقب الامام الخوارزمی صفحہ ۱۴۳، شرح ابن ابی الحدید ج۲ صفحہ ۲۸۔

۲ سورہ آل عمران آیت ۹۷ ۳ تاریخ یعقوبی ج۲ صفحہ ۱۹۶

اے لوگو! گزشتہ انبیاء نے اپنی امتوں کے لیے جو نصیحتیں کی تھیں میں نے تمہارے لیے ان نصیحتوں کے موتی بکھیر دیے ہیں اور (سابقہ) اوصیاء نے بعد والوں کو جو کچھ پہنچایا تھا، میں نے اسے تم تک پہنچایا ہے۔

آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ہے:

مجھے حیرت کیوں نہ ہو ان فرقوں کی خطاؤں پر جنہوں نے اپنے دین کی حجتوں میں اختلاف پیدا کر رکھا ہے جو نہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور نہ وصی کی پیروی کرتے ہیں۔

ایک دوسرے خطبے میں فرماتے ہیں:

اس امت کے کسی فرد کا قیاس آل محمد (ص) پر نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں پر آل محمد (ص) کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہوسکتے۔ وہ دین کی بنیاد ہیں۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لیے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت اور وراثت انہی سے مختص ہے۔[1]

حضرت امام حسنؑ کا خطبہ اور وصی کا ذکر

امام حسن علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کے قتل کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

میں حسن ابن علیؑ ہوں۔ میں وصی کا بیٹا ہوں ..... الخ۔[2]

وصیت کا ذکر امام حسینؑ کے خطبے میں

امام حسینؑ نے عاشورہ کے دن یزید بن معاویہ کے لشکر سے خطاب کیا اور اس خطبے میں ان کے خلاف استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

میرے نسب کو پہچانو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے اندر جھانکو اور اپنی ملامت خود کرو۔ کیا تم لوگوں کے لیے جائز ہے کہ مجھے قتل

---

[1] ملاحظہ فرمائیں نہج البلاغہ مع شرح شیخ محمد عبدہ مصری خطبہ نمبر ۸۸، ۱۸۲
[2] مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۷۲، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۳۸، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۴۶۔

کرو اور میری حرمت کو پامال کرو؟ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس کے ابن عم، مسلم اول، سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدائی پیغام کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا شہید جعفر طیارؓ ذوالجناحین میرے چچا نہیں تھے؟[1]

اس خطبے سے معلوم ہوا کہ حضرت حسینؑ نے اپنے بابا امام علی (ع) کی جو صفت بیان فرمائی یعنی ان کا وصی رسول (ص) ہونا وہ ان لوگوں کے نزدیک مشہور و معروف تھی جس طرح آپ کے نانا کی نبوت معروف تھی اور جس طرح یہ بات معروف تھی کہ حضرت حمزہؓ سید الشہداء آپ کے بابا کے چچا تھے اور حضرت جعفر طیارؓ ذوالجناحین آپ کے چچا تھے۔ اسی لیے امام حسینؑ نے اس (وصی ہونے) کا ذکر اپنے نسب کے بیان کے دوران کیا اور کسی نے اس بات کو رد نہیں کیا۔

عباسی خلیفہ سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کا وصایت سے استدلال

عباسیوں نے شروع شروع میں آل محمد (ص) کے نام پر امویوں کے خلاف لوگوں کو خروج کی دعوت دی چنانچہ لوگ ابومسلم خراسانی کو امیر آل محمد (ص) کے نام سے پکارتے تھے۔[2] وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان احادیث سے استدلال کرتے تھے جن میں حکومت کو آل محمد (ص) کا حق قرار دیا گیا ہے لیکن جب حکومت پر ان کا مکمل قبضہ ہوگیا تو انہوں نے آل محمد (ص) سے منہ پھیر لیا۔

جن لوگوں نے وصیت کے ذریعے استدلال کیا ان میں سے ایک پہلے عباسی خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ذہبی نے ابو عمرو اوزاعی سے جو روایت نقل کی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

جب سفاح کا چچا عبداللہ بن علی شام آیا اور اس نے بنی امیہ کو قتل

---

[1] تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۳۲۹، کامل ابن اثیر ج ۴ صفحہ ۵۶، البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۷۹۔
[2] تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۳۵۲، التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۹۳، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۹۴ حوادث سنہ ۱۲۹ و ۱۳۰۔

کیا تو اس نے مجھے بلا بھیجا اور کہا: وائے ہو تجھ پر کیا یہ حکومت ہمارا شرعی حق نہیں ہے؟ میں نے کہا: وہ کیسے؟ بولا: کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ نے علی (ع) کے لیے وصیت نہیں کی تھی؟[1]

وصی نبی (ص) کے لقب سے حضرت علی (ع) کی شہرت
صحابہؓ و تابعینؒ کے اشعار اور کتب لغت میں اس کا تذکرہ

اسلام کے ابتدائی دور سے حضرت علیؑ وصی کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ شہرت لغت کی کتابوں میں بھی پائی گئی ہے۔ ''تاج العروس'' میں لفظ وصی کے بارے میں مرقوم ہے:

و الوصی کغنی لقب علی رضی اللّٰہ عنه ـ

یعنی وصی جو غنی کا ہم وزن لفظ ہے، حضرت علی (ع) کا لقب ہے۔

''لسان العرب'' میں مذکور ہے۔ ''علی (ع) کو ولی کہا جاتا تھا'' اور ''کامل'' میں مبرد کا قول جلد ہی نقل ہوگا۔

صحابہؓ کے دور سے ہی شعراء کے کلام میں اس کا تذکرہ شروع ہوا مثال کے طور پر شاعر رسول (ص) حضرت حسانؓ بن ثابت کے قصیدے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے کہا اس کا تذکرہ موجود ہے۔

جزی اللہ عنا والجزاء بکفه ابا حسن عنا ومن کابی حسن

اللہ ہماری طرف سے ابوالحسن اور ابوالحسن جیسے لوگوں کو جزائے خیر دے کیونکہ جزاء دینا خدا کے ہاتھ میں ہے۔

حفظت رسول اللہ فینا وعهده الیك ومن اولی به منك من ومن

آپ نے ہمارے درمیان رسول اللہ (ص) کی حفاظت کی۔ رسول (ص) کی وصیت آپ کے نام ہے اور اس کا آپ سے زیادہ سزاوار کون ہوسکتا ہے؟

الست اخاہ فی الھدی ووصیه واعلم منھم بالکتاب والسنن[2]

کیا آپ رسول (ص) کے برادر ایمانی اور وصی نہیں؟ کیا آپ سارے لوگوں سے زیادہ کتاب وسنت کے عالم نہیں؟

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۱۸۱

[2] الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۷۴ طبع بغداد ۱۹۷۲ء

عبداللہؓ بن عباس کی تعریف میں قریش کے ایک شاعر کا یہ کلام نقل کیا ہے:

واللہ ما کلم الاقوام من بشر بعد الوصی علی کابن عباس

اللہ کی قسم وصی رسول (ص) علی (ع) کے بعد کسی انسان نے ابن عباسؓ جیسی گفتگو نہیں کی۔[1]

جب ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے قتل عثمانؓ کے بارے میں یہ کہا تھا:

الا ان خیر الناس بعد ثلاثة قتیل التجیبی الذی جاء من مصر

آگاہ رہو کہ تین شخصیات کے بعد سب سے بہترین انسان مصر سے آنے والے تجیبی کے ہاتھوں قتل ہونے والا آدمی ہے۔

فضل ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں کچھ اشعار کہے تھے۔ ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

الا ان خیر الناس بعد محمدؐ وصی النبی المصطفیؐ عند ذی الذکر

آگاہ رہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن کے مطابق مصطفیٰ (ص) کا وصی ہے۔

واول من صلی وصنو نبیه واول من اردی الغواة لدی بدر

وہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والا نبی (ص) کا بھائی ہے۔ اس نے سب سے پہلے بدر میں کافروں کو قتل کیا۔[2]

انصار میں سے ایک شاعر نعمان بن عجلان نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے قصیدے میں کہا ہے:

وکان ھو انا فی علی وانه لاھل لھا یاعمرو من حیث لاتدری

وصی النبی المصطفیؐ وابن عمه وقاتل فرسان الضلالة والکفر

حضرت علی (ع) اس (امارت) کے اہل ہیں اگرچہ تم نہیں جانتے۔ وہ محمد (ص) کا وصی اور ابن عم ہیں۔ وہ کفر وضلالت کے شہسواروں کا قاتل ہے۔

نعمان نے یہ اشعار عمرو بن عاص کے جواب میں تب کہے تھے جب اس نے سقیفہ کے

---

[1] الاخبار الموفیقات صفحہ ۵۷۵، شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صفحہ ۲۶۲ طبع مصر۔

[2] تاریخ طبری ج ا صفحہ ۳۰۶۴، تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۱۵۶

واقعات میں انصار کو غصہ دلایا تھا اور حضرت علی(ع) نے مہاجرین کے مقابلے میں انصار کی حمایت کی تھی۔[1] صدر اسلام کے جن اشعار میں حضرت علی(ع) کے وصی رسول(ص) ہونے کا تذکرہ ملتا ہے ان میں سے ایک عبداللہ بن ابوسفیان بن عبدالمطلب کا یہ کلام ہے۔

ومنا علی ذاك صاحب خيبر
وصاحب بدر يوم سالت كتائبه
وصي النبي المصطفیٰ وابن عمه
فمن ذايدانيه ومن ذايقاربه؟

فاتح خیبر علی(ع) ہم میں سے ہے وہ فاتح بدر ہے۔جس دن ان کے لشکر کے دستے ہر طرف سے سیلاب کی طرح آگئے۔وہ نبی مصطفیٰ کا وصی اور چچا زاد بھائی ہے۔پس کون ہے جو اس کی برابری کرے اور کون ہے جو اس کے مقام کو پہنچے؟

عبدالرحمٰن بن جعیل کہتے ہیں:

لعمری لقد بايعتم ذا حفيظة
على الدين معروف العفاف موفقا
علياً وصی المصطفیٰ وابن عمه
واول من صلی اخا الدين والتقی

تم نے ایسے شخص کی بیعت کی ہے جو دین کا محافظ ہے۔پاکدامنی میں معروف اور تائید الٰہی کا حامل ہے۔تم نے اس علی(ع) کی بیعت کی ہے جو مصطفیٰ(ص) کا وصی اور ابن عم ہے۔جو سب سے پہلا نمازی اور دینی وایمانی بھائی ہے۔[2]

جنگ جمل میں کہے گئے اشعار میں وصایت کا تذکرہ

حضرت ابو الہیثمؓ بن تیہان جو بدری صحابہؓ میں سے تھے نے کہا ہے:

قل للزبير وقل لطلحه اننا
نحن الذين شعارنا الانصار
نحن الذين رأت قريش فعلنا
يوم القليب اولئك الكفار
كنا شعار نبينا و دثاره
يفديه منا الروح والابصار
ان الوصی امامنا ولينا
برح الخفاء وباحت الاسرار

طلحہ وزبیر سے کہو کہ ہم انصاری ہیں اور یہ ہماری امتیازی علامت ہے۔کفار قریش نے جنگ بدر میں ہماری کارکردگی کا مشاہدہ کیا ہے

[1] الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۹۲، شرح ابن ابی الحدید ج ۶ صفحہ ۳۱
[2] شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۴۷، فتوح ابن اعثم ج ۲ صفحہ ۲۷۷ طبع حیدر آباد دکن ۱۲۸۸ھ

ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اندرونی اور بیرونی لباس کی مانند تھے۔ہم آپ پر اپنی جانیں اور آنکھیں نچھاور کرتے تھے۔وصی رسول(ص) ہمارے امام اور ولی ہیں۔پوشیدہ باتیں ظاہر ہوگئی ہیں اور اسرار سے پردہ ہٹ گیا ہے۔

حضرت عمرو بن حارثہ انصاریؓ نے جنگ جمل میں جناب محمد حنفیہؒ کے بارے میں کچھ اشعار کہے تھے۔ایک شعر یہ ہے:

سمی النبی وشبه الوصی
ورأيته لونها العندم

وہ نبی کا ہم نام اور وصی کا ہم شکل ہے۔اس کے پرچم کا رنگ ارغوانی تھا۔

ایک ازدی نے جنگ جمل میں کہا:

هذا علی وهو الوصی
اخاه يوم النجوة النبی
وقال هذا بعدی الولی
وعاه واع ونسی الشقی

یہ علی(ع) ہے اور یہی (نبی(ص) کا) وصی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم النجوہ میں اسے اپنا بھائی بنایا اور کہا: یہ میرے بعد ولی ہے۔عقل مند نے اسے یاد رکھا اور شقی نے اسے بھلا دیا ہے۔

جنگ جمل کے دن حضرت عائشہؓ کے لشکر سے بنی ضبہ کا ایک پرچم دار جوان نکلا جو جنگی نشانوں سے مزین تھا اور کہنے لگا:

نحن بنو ضبه اعداء علی
ذاك الذی يعرف قدماً بالوصی
وفارس الخيل علی عهد النبی
ما انا عن فضل علی بالعمی
لكننی انعی ابن عفان التقی
ان الولی طالب ثار الولی

ہم بنی ضبہ علی(ع) کے دشمن ہیں۔وہی علی(ع) جو قدیم الایام سے وصی کے نام سے معروف ہے۔وہ رسول(ص) کے دور کا شہسوار ہے۔میں ان کے فضائل سے جاہل نہیں ہوں، لیکن میں عثمانؓ بن عفان (جو متقی انسان تھے) کے خون کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔کیونکہ دوست ہی دوست کے انتقام کا طالب ہوتا ہے۔[1]

[1] فتوح ابن اعثم ج ۲ صفحہ ۳۰۷، ۳۲۱

سعید بن قیسؓ ہمدانی نے جو حضرت علی(ع) کے لشکر میں شامل تھا جنگ جمل کے دن کہا:

قل للوصی اقبلت قحطانها فادع بها تکفیکها همدانها

وصی سے کہو کہ قحطانی آگئے ۔انہیں بلائیے کہ قبیلہ ہمدان والے آپ کی طرف سے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہیں ۔

حجر بن عدی کندیؓ نے بھی اس دن کہا۔

یاربنا سلم لنا علیا سلم لنا المبارك المرضیاً
المومن الموحد التقیا لاخطل الرای ولا غویاً
بل هادیاً موفقا مهدیا واحفظه ربی واحفظ النبیا
فیه فقد کان له ولیا ثم ارتضاه بعده وصیا

اے پروردگار !علی(ع) کو ہمارے لیے محفوظ رکھ ۔اس مبارک اور پسندیدہ ہستی کو محفوظ رکھ جو مومن ،موحد اور متقی ہے۔جو نہ غلط فیصلہ کرتاہے اور نہ گمراہ ہے بلکہ وہ کامیاب ،ہدایت پانے والا ہدایت یافتہ ہے۔اے رب اس کی حفاظت کر اور اس کی شکل میں نبی(ص) کی حفاظت کر کیونکہ وہ ان کا حامی و ناصر تھا پھر نبی(ص) نے ان کو اپنے بعد وصی بنایا تھا۔

خزیمہؓ بن ثابت ذوالشہادتین (جو اصحاب بدر میں سے ہیں) نے جنگ جمل کے دن کہا:

یا وصی النبیؐ قد اجلت الحرب الاعادی و سارت لاظعان
واستقامت لك الامور سوی الشام وفی الشام یظهر الاذعان
حسبهم ماراوا وحسبك منا هكذا نحن حیث کنا وکانوا

اے وصی رسول(ص)!جنگ نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے ہیں اور ہودج نشینوں کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں ۔آپ کے سارے امور سنور گئے ہیں سوائے شام کے اور شام میں شکست تسلیم کرنے کے آثار ظاہر ہیں ان کے لیے وہی کافی ہے جو وہ دیکھ چکے ہیں اور آپ کے لیے یہی کافی ہے ہم پہلے کی طرح ان کے مقابلے میں ثابت قدم ہیں ۔حضرت خزیمہؓ نے جمل میں حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہوکر کہا:

وصی رسولؐ اللّٰه من دون اهله وانت علی ماکان من ذاك شاهد

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل سے آپ کے وصی ہیں اور آپ اس بات کی گواہ ہیں ۔

جنگ جمل کے دن پہلے زبیر نے اور اس کے بعد امام حسنؑ نے گفتگو کی ۔عمرؓ ابن احیحہ نے اس بارے میں کہا۔

حسن الخیر یاشبیه ابیه قمت فینا مقام خیر خطیب
لست کابن الزبیر لجلج فی القول وطاطا عنان فسل مریب
وابیٰ الله ان یقوم بما قام به ابن الوصی وابن النجیب
ان شخصاً بین النبی لك الخیر وبین الوصی غیر مشوب

اے بہترین انسان حسنؑ !اے وہ جو اپنے باپ کی تصویر ہے!آپ نے ہمارے درمیان بہترین خطاب کیاہے۔ابن زبیر کے برخلاف گفتگو کے وقت نہ آپ کی زبان لڑکھڑائی ہے نہ آپ عنان کلام کو ڈھیلی چھوڑتے ہیں اور نہ آپ اس کی طرح پست فطرت اور مشکوک ہیں ۔اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ وہ (ابن زبیر)صاحب نجات وصی کے بیٹے کا مقابلہ کرسکے۔خدا آپ کا بھلا کرے آپ نبیؐ اور وصی کے مابین ایک خالص انسان ہیں ۔

جنگ صفین میں کہے گئے اشعار میں وصی کا ذکر

جب حضرت علی(ع) نے جریر بن عبداللہ بجلی اور اشعث بن قیس کندی کو خط لکھا۔ یہ دونوں ایرانی علاقوں میں حضرت عثمانؓ کے والی تھے ۔جریر نے امامؑ کے خط کا منظوم جواب دیا جس کے دوبیت یہ ہیں :

اتانا کتاب علی فلم نرد الکتاب بارض العجم
علیاً عنیت وصی النبیؐ نجالد عنه غواة الامم

ہمارے پاس سرزمین عجم (ایران) میں علیؑ کا خط پہنچا جسے ہم نے واپس نہیں کیا ۔علیؑ سے میری مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی (علی(ع)) ہیں۔ہم اس کی طرف سے گمراہ قوموں پر تلوار کے پے در پے وار کریں گے۔

اشعث نے امام(ع) کے خط کے جواب میں یہ لکھا:

اتانا الرسولؐ رسول علی — فسر بمقدمه المسلمونا

علی(ع) کا پیام بر ہمارے پاس آیا۔اس کی آمد سے مسلمانوں کو خوشی حاصل ہوئی۔

رسول الوصی وصی النبی — له الفضل والسبق فی المومنینا

وزیر النبیؐ وذوصهره — وسیف المنیة فی الظالمینا

یہ نبی(ص) کے وصی کا پیغام رساں ہے۔جسے مؤمنین پر فضیلت اور سبقت حاصل ہے۔وہ نبی(ص) کا وزیر اور داماد ہے۔وہ ظالموں کے لیے موت کی تلوار ہے۔

اس نے یہ اشعار بھی کہے:

اتانا الرسولؐ رسول الوصی — علی المهذب من هاشم

رسول الوصی النبیؐ — وخیر البریه من قائم

وزیر النبیؐ وذو صهره — وخیر البریه فی العالم

ہمارے پاس وصی رسول کا پیغام رساں آیا۔یعنی بنی ہاشم کے مہذب انسان علیؑ کا پیام رسان۔یہ رسول(ص) کے وصی اور تمام انسانوں سے بہتر امام کا پیغام رساں ہے۔علی(ع) نبی(ص) کے وزیر اور داماد ہیں اور پورے عالم میں تمام انسانوں سے بہتر امام ہیں۔[1]

دیگر بہت سے شعراء کے وہ اشعار جن میں لفظ ''وصی'' حضرت علی(ع) کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے دیکھنے کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔وقعۃ الصفین صفحہ ۴۳، ۱۳۷، ۳۲۵، ۳۸۱، ۳۸۲، ۴۱۶، ۴۳۶۔

مامون رشید کے اشعار میں وصی کا بیان

مامون نے سیاسی مصلحتوں کی خاطر علویوں کوقریب کرنے کی پالیسی اپنائی۔اس پالیسی کے تحت اس نے حضرت علی الرضا(ع) کو ولی عہد بنایا اور اپنے اشعار میں وصایت کا ذکر کیا۔جیسا کہ مامون کہتا ہے:

الام علی حبی الوصی اباالحسن — وذالك من اعاجيب الزمن

[1] وقعۃ الصفین صفحہ ۲۰، ۲۴

(رسول(ص) کے) وصی ابوالحسن سے محبت رکھنے پر میری ملامت کی جاتی ہے اور یہ زمانے کی عجیب باتوں میں سے ایک ہے۔

نیز مامون نے یہ شعر بھی کہا ہے:

ومن غاو یغص علی غیظاً — اذا ادنیت اولاد الوصی

جب میں وصی کی اولاد کو اپنے قریب لاتا ہوں تو بعض گمراہ لوگ غصے میں میرا ناک میں دم کردیتے ہیں۔[1]

وصی کے نام سے امام علی (ع) کی صدیوں پر محیط شہرت

علوم عربیہ کے ادیب ابو العباس محمد بن یزد بصری المعروب مبرد نے الکامل فی اللغۃ میں کہا ہے کہ مشہور شاعر مستہل بن زید اسدی کمیت کہتا ہے:

والوصی الذی امال التجوبی — به عرش امة لانهدام

وصی وہ ہے جسے قتل کرکے تجوبی(ابن ملجم مرادی) نے امت کی امیدوں کے تخت کو سرنگوں کردیا۔

اس کے بعد مبرد کہتا ہے: شاعر نے وصی کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لوگوں کے درمیان کثیر الاستعمال ہے۔

مبرد نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ امام علیؑ ''وصی'' کے لقب سے معروف تھے ابو الاسود دوئلیؒ کا یہ شعر پیش کیا ہے جس میں حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کے ناموں کے بعد لفظ ''وصی'' استعمال ہوا ہے جب کہ ان کے ناموں کے ساتھ ''ال'' استعمال نہیں ہوا۔

احب محمداً حباً شدیداً — وعباساً وحمزة والوصیا

مجھے محمد(ص) سے شدید محبت ہے۔اسی طرح عباس، حمزہ اور وصی سے بھی۔

اس کے علاوہ مبرد نے اپنے قول کی تائید میں حمیری کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

انی ادین بما دان الوصی به — یوم النخیلة من قتال المحلینا

تحقیق میں اس دین کا معتقد ہوں جس پر اعتماد رکھتے ہوئے نخیلہ کے دن وصی نے مخالفین سے جنگ کی تھی۔

نیز حمیری کا یہ قول بھی پیش کیا ہے:

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صفحہ ۲۲، المحاسن والمساوی بیہقی ج ۱ صفحہ ۱۰۵۔

و اللہ من علیهم بمحمدؐ   وهداهم وکسا الجنوب واطعما
ثم انبروا لوصیه وولیه   بالمنکرات فجرعوه العلقما

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے احسان کیا
اور ان کی ہدایت کی اور انہیں کھانے پینے کی نعمات سے نوازا پھر وہ
ان کے وصی اور ولی کے ساتھ برے طریقے سے پیش آئے اور
انہوں نے اسے زہر پلایا۔[1]

ان حوالوں کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلا کہ امام علی(ع) کا وصی رسول(ص) ہونا معروف تھا یہاں تک کہ وصی کا لفظ آپ(ع) کا لقب بن گیا جس طرح آپ اپنی کنیت ''ابوتراب'' کے ذریعے بھی مشہور تھے۔

☆☆☆☆☆

نظریات سے متصادم
احادیث مبارکہ کے ساتھ ناروا سلوک

اپنی روش سے متصادم احادیث رسول (ص) کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے نیز سنت رسولؐ اور اقوال صحابہؓ میں حضرت علیؑ کی وصایت کے ذکر پر مشتمل متون کا جو حشر کیا ہے، یہاں ہم عجلت کے پیش نظر اس کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے بہت سی معتبر اور موثق روایات میں بیان کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

''علیؑ میرا وصی، میرا وزیر اور میرا وارث ہے''۔

بعض روایات کے یہ الفاظ ہیں:

''اور میرا خلیفہ ہے''۔

حضرت علی(ع) مذکورہ القاب میں سے ''وصی'' کے لقب سے معروف ہوئے اور یہ لقب آپ کے لیے اسم علم بن گیا۔اسی لیے آپ کے علاوہ کوئی اور شخص اس لقب سے معروف نہیں ہوا۔جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ کو ابوتراب کی کنیت سے نوازا تو یہ نام آپ سے مختص ہوگیا اور اس قدر معروف ہوگیا کہ وہ آپ کے لیے اسم علم بن گیا چنانچہ آپ کے علاوہ کوئی اور آدمی اس نام سے معروف نہیں ہوا۔بعد میں صحابہؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد آنے والے شعراء نے حضرت علی(ع) کو وصی کے نام سے یاد کیا ہے۔حتیٰ کہ اہل کتاب کے علماء نے بھی آپ کو اسی نام سے یاد کیا اور لوگوں کو اس بارے میں بتایا ہے۔

بعض مکاتب کی پالیسیوں سے متصادم احادیث و الفاظ (خواہ وہ وصیت کے بارے میں ہوں یا کسی اور سلسلے میں) کی پردہ پوشی کے مسئلے کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے والا شخص ایک سہم ناک اور اہم نکتے کو درک کرلیتا ہے۔

حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوششوں کے مختلف طریقوں میں سے دس اقسام کا تذکرہ ہم یہاں کرتے ہیں۔سنت رسول(ص) کی پردہ پوشی کے بارے میں ان میں سے ہر ایک کی اہمیت کے حساب سے ہم یہاں ترتیب وار ان کا ذکر کرتے ہیں:

---

[1] الکامل فی اللغۃ للمبرد ج ۲ صفحہ ۱۵۲، ۱۷۵

۱۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعض حصوں کو حذف کر کے مبہم الفاظ میں بدل دینا۔
۲۔ سیرت صحابہؓ سے مربوط پوری روایت کو حذف کرنا البتہ حذف کی طرف اشارہ کے ساتھ۔
۳۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معنی میں تاویل کرنا۔
۴۔ صحابہؓ کے اقوال کے بعض حصوں کو حذف کرنا اس کی طرف اشارہ کیے بغیر۔
۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پوری حدیث کو حذف کرنا اس حذف کی طرف اشارہ کیے بغیر۔
۶۔ سنت رسولؐ کے لکھنے پر پابندی۔
۷۔ حکمرانوں کے نقائص بیان کرنے والے ارشادات رسول(ص) راویان حدیث اور کتب احادیث کی حیثیت کو کمزور بنانے اور بسا اوقات مخالفین کو قتل کرنے کی کوشش۔
۸۔ کتابوں اور لائبریریوں کو جلانا۔
۹۔ حضرات صحابہؓ کی روایات کے بعض حصوں کو حذف اور ان میں تحریف کرنا۔
۱۰۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحیح احادیث اور صحابہ کرامؓ کی حقیقی سیرت کے مقابلے میں جعلی روایات و احادیث گھڑنے کا عمل۔

۱۔ حدیث رسول(ص) کے بعض حصوں کو حذف کر کے مبہم الفاظ میں بدل دینا

حقائق کی پردہ پوشی کی ایک قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے بعض حصوں کو حذف کرنا اور اس حذف شدہ حصے کے بدلے مبہم الفاظ سے کام لینا ہے۔اس کی مثال قرآن کی آیت :وانذر عشیرتک الاقربین کی تفسیر کے دوران دعوت ذوالعشیرہ کے بیان میں طبری اور ابن کثیر کا طرز عمل ہے۔ان دونوں حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قول ''وصی وخلیفتی فیکم'' کو حذف کر کے اس کی جگہ اپنی طرف سے وکذا وکذا (وغیرہ وغیرہ) لکھ دیا ہے۔

اس قسم کی ایک پردہ پوشی امام بخاری نے صحیح بخاری میں سیرت صحابہؓ کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر کے مذکورہ واقعہ میں امام بخاری نے عبدالرحمٰنؓ کی اس بات کو

حذف کر ڈالا ہے جو اس نے مروان سے کہی تھی اور اس حذف شدہ بات کی جگہ قال عبد الرحمن شیئا (عبدالرحمٰنؓ نے کچھ کہا) لکھ دیا ہے۔یوں امام بخاری نے عبدالرحمٰنؓ کے اس کلام کو ایک مبہم جملے میں بدل کر رکھ دیا۔اس کے علاوہ امام بخاری نے مروان کے باپ حکم بن عاص کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث میں بھی حذف سے کام لیا ہے۔

اس قسم کی پردہ پوشی اس حدیث میں بھی ہوئی ہے جس میں جنگ بدر کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مشورے اور اصحاب کے جواب کا تذکرہ ہوا ہے۔چنانچہ ابن ہشام اور طبری نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔آپ(ص) کو خبر ملی کہ قریش اپنے قافلے کا دفاع کرنے کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں۔آپ(ص) نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور انہیں قریش کے بارے میں اطلاع دی۔تب حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر گفتگو کی اور خوب اچھی گفتگو کی۔اس کے بعد عمرؓ بن الخطاب کھڑے ہوگئے اور بہت عمدہ گفتگو کی۔اس کے بعد مقدادؓ بن عمرو نے کھڑے ہو کر کہا:

> یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیجیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔واللہ ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اپنے رب کے ساتھ جاؤ اور جنگ کرو۔ہم یہیں بیٹھے ہیں۔بلکہ ہم آپ سے کہیں گے :آپ اپنے رب کے ساتھ جائیں اور جنگ کریں۔ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔آگے چل کر لکھتے ہیں :پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت مقدادؓ کو سراہا اور اسے دعائے خیر دی۔

حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ نے یہ جواب دیا:

> یا رسول اللہ(ص) اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنائیے۔ہم آپ کے ساتھ ہیں۔قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔اگر آپ سمندر میں پھاندیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں پھاندیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں ہٹے گا۔

آپ(ص) سعدؓ کی گفتگو سے خوشحال وشادماں ہوئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وہ جوابات کیا تھے جو اس روایت

سے حذف کیے گئے ہیں اور ان کے بدلے ''واحسن'' لکھا ہے جو مبہم ہے؟ اگر ان کی بات عمدہ ہوتی تو حذف کیوں کر لی؟ جبکہ مہاجر مقدادؓ اور سعدؓ بن معاذ انصاری کی باتوں کو نقل کیا ہے۔

یہاں ہم صحیح مسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مسلم کی روایت میں اصل حقیقت کو دیکھتے ہیں: جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ابوسفیان کی آمد کی خبر ملی تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے گفتگو کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس پر توجہ نہ دی۔ پھر حضرت عمرؓ نے گفتگو کی اور آپؐ نے اس پر بھی توجہ نہ دی.....الخ۔

ابن ہشام، طبری اور امام مسلم کی روایتوں سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے بعد گفتگو کی اور طبری وابن ہشام نے ان دونوں کی گفتگو کے بارے میں واحســـن کہہ کر ان کی توصیف کی جبکہ صحیح مسلم کی روایت کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کی گفتگو سے منہ پھیر لیا۔

یہاں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان دونوں نے ایک ہی بات کی تھی۔ چونکہ بعض مورخین نے حضرت عمرؓ کے قول کو صریحاً بیان کیا ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو کو چھپایا ہے اس لیے حضرت عمرؓ کی گفتگو سے حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ نہ معلوم بعض لوگوں کو ان کی گفتگو کا ذکر کرنا کیوں نامناسب لگتا ہے اس لیے ہشام، طبری اور امام مسلم کی روایت سے ان دونوں کی باتوں کو حذف کیا گیا ہے۔ اس قسم کی پردہ پوشیوں کے باعث ہی تو یہ کتابیں آج کی دنیا میں مستند ترین کتابوں میں گنی جاتی ہیں۔ صحیح بخاری جس نے اس روایت کو نہ مبہم طریقے سے نقل کیا ہے اور نہ ہی غیر مبہم طریقے سے اس کی وثاقت وصحت کا شہرہ دوسری تمام کتابوں سے زیادہ ہے۔

یاد رہے کہ اس قسم کی پردہ پوشی کی مثالیں دسیوں بنیادی کتب میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

۲۔ صحابہؓ سے مربوط پوری روایت کو حذف کرنا حذف کی طرف اشارے کے ساتھ

حقائق کی پردہ پوشی کا ایک طریقہ وہ ہے جسے محمدؓ بن ابوبکر اور معاویہ کے درمیان ہونے والی خط وکتابت کے معاملے میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے آپ سابقہ صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ نصر بن مزاحم (متوفی ۲۱۲ھ) کی کتاب ''وقعۃ الصفین'' اور مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) کی کتاب ''مروج الذھب'' میں معاویہ کے نام محمدؓ بن ابوبکر کا خط تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس خط میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کا تذکرہ ہے جن کے ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ والہ

وسلم کے وصی ہیں۔ اس خط کے جواب میں حضرت علیؑ کی وصایت کے بارے میں معاویہ کا اعتراف موجود ہے۔ اسی لیے طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے ان دونوں کو حذف کیا ہے البتہ انہوں نے دونوں خطوط کی سند کو ذکر کیا ہے۔ خطوط کو ذکر نہ کرنے کا بہانہ یہ پیش کیا ہے کہ عام لوگ ان دونوں خطوط کے مضامین کو سننے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ بالفاظ دیگر طبری نے لوگوں سے حقائق کو مخفی رکھا ہے۔ طبری کے بعد ابن اثیر جزری (متوفی ۶۳۰ھ) نے بھی وہی روش اختیار کی اور وہی عذر تراشا ہے۔ ان دونوں کے بعد ابن کثیر نے اپنی تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۱۴'' میں محمدؓ بن ابوبکر کے خط کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ کہنے پر اکتفاء کیا ہے: وفیــه غلظة (اس خط میں سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں)۔

طبری اور ابن اثیر نے کہا کہ عوام ان دونوں خطوط کے مضامین کو سننے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اس جملے سے ان دونوں کی مراد یہ ہے کہ اگر عوام الناس ان دونوں خطوط کے مضامین کو سنیں تو خلفاء پر ان کا عقیدہ برقرار نہیں رہے گا۔ یاد رہے کہ اس قسم کی پردہ پوشی یعنی پوری روایت کو حذف کر کے حذف شدہ روایت کی طرف اشارہ کرنے کی مثال مکتب خلفاء کے علماء کے ہاں کم ملتی ہے۔

۳۔ حدیث رسول اللہ (ص) کے معنی میں تاویل

حقائق کو چھپانے کے طریقوں میں سے ایک روایت کے معنی کو بدل دینا ہے (الفاظ کو باقی رکھتے ہوئے) جیسا کہ علامہ ذہبی نے امام نسائی کے حالات زندگی کے بیان میں یہی کیا ہے۔ ذہبی کہتے ہیں: نسائی سے کہا گیا کہ وہ معاویہ کے فضائل نقل کرے۔ انہوں نے جواب دیا:

کونسی فضیلت نقل کروں؟

کیا وہ حدیث نقل کروں جس میں ارشاد ہوا ہے:

خدایا اس کے شکم کو سیر نہ کر؟

اس کے بعد ذہبی کہتے ہیں:

میرا خیال ہے کہ یہ شاید معاویہ کی کوئی اچھی صفت ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے: خدایا میں نے جس کسی پر لعنت بھیجی ہو یا اس کی شماتت کی ہو اس کے لیے میرے اس عمل کو پاکیزگی اور رحمت کا باعث قرار دے۔[1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۶۹۸ تا ۷۰۱ طبع حیدر آباد دکن۔

دیکھیے کہ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے "لعل" کا (شاید) لفظ استعمال کیا ہے لیکن اس کے بعد آنے والے ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) نے یوں کہا ہے :

وقد انتفع معاوية بهذه الدعوة فى دنيا واخراه

معاویہ کو اس دعا سے دنیا و آخرت کا فائدہ حاصل ہوا ہے۔[1]

معاویہ کے بارے میں صحیح مسلم میں مروی روایت پر یہ تھا ابن کثیر کا تبصرہ۔

صحیح مسلم باب (من لعنة النبی او سبه جعل الله له زكاة وطهوراً) میں ابن عباسؓ سے یہ روایت منقول ہے:

میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے۔میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔آپ (ص) آئے اور مجھے ایک تھپکی دے کر فرمایا: جاؤ اور معاویہ کو میرے پاس بلاؤ۔وہ کھانا کھا رہا تھا پس میں نے آکر کہا: وہ کھانے میں مشغول ہے۔ اس کے بعد پھر مجھ سے فرمایا: جاؤ اور معاویہ کو بلاؤ۔ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نے آکر کہا: وہ کھانے میں مصروف ہے فرمایا: خدا اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرے۔[2] یہ تھے مسلم کے الفاظ۔

اس حدیث کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس جملے "جاؤ اور معاویہ کو میرے پاس بلاؤ" کے بعد اس جملے کا اضافہ کیا ہے: "وہ وحی لکھ رہا تھا۔" ابن کثیر کی بیان کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم آگئے۔میں نے سوچا آپ تو بس میری ہی طرف آرہے ہیں۔پس میں ایک دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا۔پھر رسول اللہ (ص) میرے پاس آئے۔آپ نے مجھے ایک تھپکی دی یا دو تھپکیاں دیں اور فرمایا: جاؤ معاویہ کو میرے پاس بلالاؤ (اس وقت وہ وحی لکھ رہا تھا (ابن کثیر))۔ابن عباسؓ کہتے ہیں: پس میں گیا اور اسے آپ (ص) کے پاس بلایا۔مجھے جواب ملا کہ وہ کھانے میں مشغول ہے۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ وہ کھانے میں مشغول ہے۔فرمایا: جاؤ اور اسے

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۱۹

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلة صفحہ ۲۰۱۰ حدیث ۹۶

بلالاؤ۔ میں دوسری بار اس کے پاس آیا اور مجھے جواب ملا کہ وہ کھانے میں مشغول ہے۔میں نے حضور (ص) کو اس کی اطلاع دی تو تیسرے مرحلے میں آپ (ص) نے فرمایا: خدا اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد اس کا شکم کبھی سیر نہیں ہوا۔

اب ابن کثیر کہتا ہے کہ اس دعا سے معاویہ کو دنیا و آخرت دونوں میں فائدہ حاصل ہوا۔دینوی فائدہ یہ ہوا کہ جب وہ شام کا حاکم بنا تو دن میں سات بار کھانا کھاتا تھا۔اس کے پاس ایک پیالہ لایا جاتا تھا جس میں کافی مقدار میں گوشت اور پیاز ہوتا تھا اور وہ اس سے کھاتا تھا۔وہ دن میں سات بار کثیر مقدار میں گوشت ،حلوہ اور میوہ جات پر مشتمل کھانا کھاتا تھا اور کہتا تھا: اللہ کی قسم میں سیر نہیں ہوا البتہ (کھا کھا کر) تھک گیا ہوں۔اور یہ ایک نعمت ہے کیونکہ تمام سلاطین شکم کے معاملے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔رہا اخروی فائدہ تو وہ اس حدیث سے ظاہر ہے جسے مسلم نے مذکورہ حدیث سے نقل کیا ہے۔اس حدیث کو مسلم و بخاری کے علاوہ دوسروں نے بھی ایک سے زیادہ اسناد کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔حدیث کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ میں تو بس ایک بشر ہوں پس جس کسی انسان کو میں نے گالی دی ہو یا تازیانہ مارا ہو یا اس کے حق میں میں نے بددعا کی ہو حالانکہ وہ اس کا اہل نہ ہو تو اسے اس کے لیے کفارہ قرار دے اور قیامت میں اپنے تقرب کا وسیلہ قرار دے۔

یوں مسلم نے پہلی حدیث اور اس دوسری حدیث کو باہم ملا کر معاویہ کے لیے فضیلت کا ایک نسخہ تیار کرلیا ہے۔اس نے اس کے علاوہ کوئی روایت اس کے حق میں بیان نہیں کی۔ابن کثیر کے اس قول (کہ معاویہ کے لیے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بددعا اس کے لیے دنیا و آخرت میں دعائے خیر کی مانند ہے) کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں تو بادشاہوں کے لیے خوب پیٹ بھر کر کھانا باعث غنیمت ہے جیسا کہ خود اس نے ذکر کیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے منسوب احادیث کی رو سے وہ فائدے میں ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق (نعوذ باللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مومنین پر لعنت کرتے تھے۔ادھر آپ (ص) نے یہ دعا کی کہ آپ کا یہ عمل ان کے لیے طہارت و پاکیزگی کا باعث بنے۔یوں مسلم نے مذکورہ حدیث کو اس باب کے آخر میں نقل کرکے معاویہ کو قیامت کے دن خدا کی خوشنودی اور اللہ سے قربت کا مستحق ثابت کیا۔ ملاحظہ

فرمائیں ان احادیث و اخبار میں کس طرح تاویل سے کام لیا ہے۔ جن میں صاحب اقتدار خلفاء اور حکام کی مذمت ہوئی اور کس طرح سے ان احادیث و اخبار سے حکام کے لیے مدح و ثناء کا پہلو نکالتے ہیں ۔ہمیں ان لوگوں کی نقل کردہ اس روایت پر اعتراض ہے جس میں کہا گیا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مومنین پر لعنت کرتے تھے۔(ہم خدا کے ہاں اس بات سے پناہ مانگتے ہیں)۔

اعادۂ نظر

یہاں ہم حقائق کی پردہ پوشی کی اقسام میں سے روایات کے معانی میں تاویل والی قسم کی بحث دوبارہ چھیڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اس قسم کی تاویل کی ایک مثال حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف سے ابومحجن سے شراب خوری کی حد کو ساقط کرنے کے واقعے میں ملتی ہے۔

ابن فتحون اور ابن حجر عسقلانی نے سعدؓ بن ابی وقاص کے قول میں تاویل کی چال چلائی ہے۔سعدؓ نے ابومحجن سے کہا تھا: اللہ کی قسم ہم تمہیں شراب خوری پر تازیانے نہیں ماریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ(ص) کے خلفاء اور اماموں کی تعداد کے بارہ ہونے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کی بحث میں اس بات کا تذکرہ ہوگا کہ جب مکتب خلفاء کے معتقدین نے دیکھا کہ اس سے مراد آل رسول(ص) کے بارہ اماموں کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا تو وہ اس کی تاویل کرتے کرتے خود دلدل میں پھنس گئے جس سے نکلنا محال ہوگیا۔علمائے حدیث میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کو آل رسول(ص) کے بارہ اماموں کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی تاویل دوسرے کی تاویل سے مختلف ہے اس لیے ہر کوئی دوسرے کی تاویل کو نہیں مانتا اور اسے رد کرتا ہے۔اس قسم کی حق پوشی کا ایک مظاہرہ طبرانی نے درج ذیل حدیث کے معاملے میں کیا ہے جیسا کہ مجمع الزوائد (ج ۹ ص ۱۱۳۔۱۱۴) میں مذکور ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بلاشک و شبہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ پس آپ کا وصی کون ہے؟
آپ(ص) خاموش ہو گئے۔ بعد میں حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا:

اے سلمان!
یہ سن کر میں جلدی سے حضور(ص) کے پاس آیا اور عرض کیا: لبیک۔
فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ موسیٰؑ کا وصی کون تھا؟
میں نے کہا: جی ہاں، وہ یوشع بن نون تھے۔
فرمایا: کیوں؟
میں نے عرض کیا: کیونکہ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔
فرمایا: پس میرا وصی، میرا محرم راز، میرے بعد سب سے بہترین انسان، میرے وعدوں کو نبھانے والا اور میرے قرضوں کو چکانے والا علی ابن ابی طالب(ع) ہے۔
طبرانی نے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:
''میرا وصی'' اس لیے فرمایا کیونکہ حضور(ص) نے انہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں وصیت کی نہ کہ خلافت کی''۔[1]
یہ تھا وہ بیان جسے ہیثمی نے طبرانی سے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے۔

مذکورہ حدیث اور اس میں طبرانی کی تاویل کا تنقیدی جائزہ

یہ دیکھنے کے لیے کہ اس حدیث میں طبرانی کی تاویل کہاں تک درست ہے ہم اس حدیث کا تین پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں:
۱۔ سائل کے بارے میں۔
۲۔ سوال کے بارے میں۔
۳۔ جواب دینے میں نبیؐ کی حکمت عملی کے بارے میں۔

سائل (سوال کرنے والے) حضرت سلمانؓ ایرانی النسل تھے ان کا تعلق نہ عبدالمطلبؓ کی اولاد سے تھا نہ ازواج رسول(ص) کے رشتہ داروں سے اور نہ ہی سلمانؓ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دامادی کا رشتہ تھا جو اسے اس بات کی فکر ہوتی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں میں کس کو وصی بناتے ہیں بلکہ حضرت سلمان فارسیؓ مسلمان ہونے سے پہلے عیسائی راہبوں اور علماء کے ساتھ رہے تھے۔انہوں نے سابقہ امتوں، انبیاء اور اوصیاء کے بارے میں علم حاصل کر رکھا

[1] طبرانی کی یہ حدیث گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

تھا۔اسی لیے سلمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے پس آپ کا وصی کون ہے؟ بنابریں جناب سلمان فارسیؓ کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے معاملے میں آپ(ص) کے وصی اور امت کے لیے آپ کے ولی عہد سے مربوط تھا۔چنانچہ سلمانؓ نے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ ہر گھرانے کا سربراہ کسی کو اپنا وصی مقرر کرتا ہے پس آپ(ص) کے بعد آپ(ص) کا کون وصی ہے؟اس صورت میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ ان کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو جانشین کے بارے میں تھا۔رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب اور آپ کی طرف سے جواب دینے میں تاخیر کی وجہ تو واضح رہے کہ اہم امور کے بارے میں آپ(ص) کی یہی روش تھی۔آپ(ص) اہم معاملات میں حکم آسمانی کے منتظر رہتے تھے۔جیسا کہ تحویل قبلہ کے مسئلے میں آپ(ص) نے مدینہ میں وحی کا انتظار کیا حالانکہ جانتے تھے کہ کعبہ ہی قبلہ ہوگا یہاں تک کہ یہ آیت اتری:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا

ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔
پس ہم ضرور بہ ضرور آپ کا رخ آپ کے پسندیدہ قبلے کی طرف موڑ دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکومت کے معاملے میں عرب لوگوں کے شوق رقابت کا علم تھا۔ دوسری طرف سے مدینہ کا مختصر سا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد آپ(ص) نے رکھی تھی آپ(ص) کے بعد حضرت علی(ع) کی ولی عہدی کی خبر کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔اس لیے حضور(ص) نے سلمان فارسیؓ کے سوال کا فوری طور پر جواب نہیں دیا۔شاید آپ نے سلمان فارسیؓ کو اس وقت جواب دیا جب آپ کو اس کی اجازت مل گئی۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمانؓ کے ساتھ گفتگو میں پہل کی اور اسے غور سے جواب سننے کے لیے تیار کرنے کی خاطر حضرت موسیٰؑ کے وصی کے بارے میں سوال کیا جبکہ آپ(ص) کو علم تھا کہ سلمان علمائے اہل کتاب سے حاصل شدہ علوم کی بنیاد پر اس مسئلے سے آگاہ ہے۔جب سلمانؓ نے جواب دیا کہ موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نون ہیں تو رسول اللہ(ص) نے دوسرا سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟سلمان نے جواب دیا:اس (یوشع بن نون کے وصی ہونے) کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:پس میرا وصی علی ابن ابی طالب(ع) ہے۔

آپ کا سلمانؓ کو مذکورہ بالا طریقے سے جواب دینے کی وجوہات یہ ہیں:

ا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوشعؑ بن نون کی مثال اس لیے دی کیونکہ وہ انبیاء

علیہم السلام کے اوصیاء میں سب سے زیادہ معروف وصی تھے اور حضرت موسیٰؑ بن عمرانؑ نے انہیں اپنے بعد اپنی امت پر وصی بنایا تھا۔چنانچہ حضرت یوشعؑ بن نون نے بنی اسرائیل کی قیادت کی اور جنگیں لڑیں جس طرح حضرت علیؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنے دور حکومت میں یہی کیا۔

۲۔آپ(ص) نے یوشعؑ کے وصیِ موسیٰؑ بننے کی وجہ پوچھی اور سلمانؓ نے جواب دیا کہ اس کی وجہ ان کا عالم ہونا تھا۔

اس سوال و جواب سے آپ(ص) کا مقصد یہ بتانا تھا کہ حضرت علی (ع) کا وصی ہونا آپ(ص) کے ابن عم ہونے کی بناء پر نہ تھا اور نہ اس وجہ سے کہ علی علیہ السلام نے غیر معمولی شجاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں میں اسلام کی حفاظت کی بلکہ اس کی وجہ علی(ع) کا سب سے بڑا عالم ہونا تھی۔یوں آپ(ص) نے اسلام و مسلمین کی قیادت کے لیے حضرت علی(ع) کے اندر وصی بننے کی صلاحیت و قابلیت کی موجودگی کا اعلان فرمایا اور اس کی مزید وضاحت کے لیے فرمایا:وہ میرا محرم راز ہے اور میرے بعد تمام لوگوں سے بہتر ہستی ہے لیکن طبرانی نے اس حدیث مبارکہ کے معنی میں من پسند تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے مراد ہے:

''وہ میرے اہل بیتؑ میں سب سے بہتر ہے''۔

یہ تھی اس حدیث میں طبرانی کی تاویل جس حدیث میں کسی قسم کے ضعف یا عیب کا شائبہ اسے نہیں ملا۔

وصیت کے مفہوم کی تاویل میں ایک اور عالم کی پریشانی

حضرت علی(ع) نے وصایت میں فرمایا ہے:

لایقاس بآل محمد من هذه الامة احد هم.....هم اساس الدین .....ولهم خصائص حق الولایة وفیهم الوصیة والوراثة

اس امت کے کسی فرد کا موازنہ آل محمد(ص) کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا.....وہ دین کی اساس ہیں.....وہ استحقاق ولایت کی خصوصیات کے حامل ہیں۔وہ صاحبان وصیت و وراثت ہیں۔

ابن ابی الحدید شافعی نے وصیت کے بارے میں حضرت علی(ع) کے اس کلام کی تشریح

کرتے ہوئے کہا ہے:

رہی وصیت تو اس کے بارے میں ہمارے ہاں طے شدہ بات یہ ہے کہ علی(ع) وصی رسول(ص) ہیں اگر چہ اس بارے میں بعض لوگ مخالفت کریں جو ہمارے نزدیک معاندین میں شمار ہوتے ہیں۔ البتہ ہمارے ہاں وصیت سے مراد خلافت کی تصریح نہیں بلکہ کچھ دیگر امور ہیں جن کی حقیقت سے پردہ اٹھ جائے تو شاید وہ زیادہ عظمت اور اہمیت کے حامل ثابت ہوں۔

یہ تھا ابن ابی الحدید کا قول ۔اب ہم اس کے جواب میں یوں عرض کریں گے:حضرت علی(ع) نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ولایت ،وصیت اور وراثت کا حقدار ہوں ۔اگر ایسا فرماتے تو شاید یہ تاویل کی جاسکتی کہ اس سے مراد فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کے بارے میں ولایت،وصایت اور وراثت کا حق ہے بلکہ آپ نے فرمایا:

آل محمد دین کی اساس ہیں .....(رسولؐ کی)وصیت انہی کے حق میں ہے.....الخ ۔

امام(ع) نے وصیت کے ساتھ یہ صفات آل رسول(ص) کے لیے ثابت کی ہیں۔ بنابریں اس بات کا کوئی مطلب نہیں بنتا کہ آل رسول(ص) کو آل رسول(ص) پر حق وصیت حاصل ہو۔امام(ع) نے وصیت کو آل رسول(ص) کے لیے ثابت کیا ہے جبکہ آپ ان میں سے ایک فرد ہیں۔باقی ماندہ آل رسول(ص) سے مراد آپ کی ذریت کے گیارہ امام ہیں۔یہی وجہ تھی کہ ابن ابی الحدید شافعی اس مقام پر وصیت کی تاویل کے مسئلے میں چکرا گئے ۔انہیں طبرانی کی تاویل کو رد کرنے کی سکت بھی نہیں ہوئی اور یہی کہنے پر اکتفاء کیا کہ ہمارے ہاں وصیت سے مراد خلافت کی تصریح نہیں بلکہ کچھ دیگر امور ہیں ۔ہم مذکورہ روایت کی تاویل میں حیرت کا شکار ہونے والے اس عالم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ''دیگر امور'' کیا تھے جن کا تذکرہ آپ نے مناسب نہیں سمجھا؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتمان حقیقت کے اس شعبے میں علماء اور حکمران طبقے کے مفادات جب احادیث رسول(ص) سیرت رسول(ص) اور اہل بیتؑ رسول(ص) سے ٹکراتے ہوں یا جن سے ان پر اعتراض وتنقید کا پہلو نکلتا ہو۔یوں وہ ان حصوں کو حکمران طبقے کے مفادات اور ان کی تعریف وتوصیف کے حامل مفہوم کا لباس پہناتے ہیں۔

۴۔صحابہؓ کے اقوال کے بعض حصوں کو حذف کرنا اس کی طرف اشارہ کیے بغیر

کتمان حقیقت کے شعبوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی روایت کے کچھ حصوں کو حذف کرنا اور اس حذف شدہ حصے کی طرف اشارہ کیے بغیر گزر جانا ۔جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نعمان بن عجلان انصاریؓ کے قصیدے کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے ۔اس قصیدے کے دو بند وصیت کے بارے میں کہے گئے اشعار کے باب میں بطور مثال بن چکے ہیں۔سقیفہ میں عمرو بن عاص نے انصاریوں کے خلاف بات کی تو نعمانؓ بن عجلانؓ نے اس کا جواب ایک قصیدے سے دیا جس میں قریش کے ساتھ رسول اللہ(ص) کی جنگوں کے دوران انصار کی کارکردگی نیز مہاجرین قریش کو پناہ دینے اور ان کے ساتھ اپنے اموال کو تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے۔اس کے بعد سقیفہ کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

وقلتم حرام نصب سعد ونصبكم ۔۔۔ عتيق بن عثمان حلال ابابكر
واهل ابوبكر لها خير قائم ۔۔۔ وان علياً كان اخلق بالامر
وكان هوانا في علي وانه ۔۔۔ لاهل لها ياعمرو من حيث لاتدري
فذاك بعون الله يدعوا الى الهدى ۔۔۔ وينهى عن الفحشاء والبغي والنكر
وصى النبي المصطفىؐ او ابن عمه ۔۔۔ وقاتل فرسان الضلالة والكفر
وهذا بحمد الله يهدي من العمى ۔۔۔ ويفتح آذاناً ثقلن من الوقر
نجي رسول الله في الغار وحده ۔۔۔ وصاحبه الصديق في سالف الدهر [1]

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اس قصیدے کو نعمان بن عجلان کے حالات زندگی کے ساتھ مکمل طور پر نقل کیا ہے ۔ہاں اس نے ان دو اشعار کو حذف کیا ہے۔

فذاك بعون الله يدعوالى الهدى ۔۔۔ وينهى عن الفحشاء والبغي والنكر
وصى النبي المصطفىؐ وابن عمه ۔۔۔ وقاتل فرسان الضلاله والكفر

ابن عبدالبر نے ان دو اشعار کو اس لیے حذف کیا ہے کیونکہ شاعر نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم حضرت علی(ع) کی مدح کرتے ہوئے انہیں رسول(ص) کا وصی بتایا ہے۔اس کے برعکس انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی تعریف پر مشتمل دو اشعار کو باقی رکھا ہے ۔اس کے بعد مؤرخ ابن اثیر کا زمانہ آیا اور اس نے'' اسد الغابہ'' میں حضرت نعمانؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے اشعار سے انصار کی جنگوں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔اس کے

[1] الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۹۲

بعد ابن اثیر حضرت نعمانؓ کے قصیدے کے صرف ابتدائی اشعار کو نقل کرتے ہیں۔جن میں انصار کی جنگوں کا ذکر ہے مگر ان اشعار کو ذیتے ہیں جن میں خلافت کے مسئلے پر سقیفہ میں ہونے والی کھینچا تانی کی طرف اشارہ ہے اور ان روایتوں کا بھی تذکرہ نہیں کیا جن میں حضرت علی(ع) کی مدح سرائی ہوئی ہے خاص کر اس بات کی کہ علی(ع) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔ابن اثیر کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی کا دور آیا۔انہوں نے حضرت نعمانؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے بارے میں چند فخریہ اشعار کہے ہیں۔اس کے بعد علامہ ابن حجر ان ابیات کو نقل کرتے ہیں جن میں انصار کی جنگوں کا تذکرہ ہے لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اس قصیدے کے کچھ اشعار خلافت سے متعلق ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علماء نے روایات کے ان حصوں کو حذف کرنے کا عمل جاری رکھا جو ان کو راس نہیں آتے تھے۔یوں ہم لوگ تاریخی حقائق کے ادراک سے دور ہوتے چلے گئے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب ''الاخبار الموفقیات'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امر خلافت میں ہونے والے اختلافات کا ذکر کیا نیز اس سلسلے میں کہے گئے خطبوں اور اشعار کے ساتھ نعمانؓ بن عجلان کے قصیدے کا بھی تذکرہ کیا جس میں حضرت علی(ع) کے فضائل خاص کر آپ کے وصی نبی(ص) ہونے کا ذکر ہوا ہے۔ابن بکار کے بعد حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) کو اس غلطی کا احساس ہوا اس لیے انہوں نے مذکورہ دو اشعار حذف کردیے۔حافظ ابن عبدالبر کے بعد ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) کا دور آیا اور انہوں نے احساس کرلیا کہ خلافت پر ہونے والے جھگڑے کا ذکر بھی مفید نہیں ہے چنانچہ انہوں نے حضرت علیؑ کی تعریف پر مشتمل اشعار کے علاوہ مذکورہ قصیدے سے ان اشعار کو بھی نکال دیا جن میں مسئلہ خلافت پر اصحاب کے جھگڑے کا تذکرہ ہے۔اس کے بعد انہوں نے خلافت کا ذکر کیا ہے۔ان دونوں کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کا زمانہ آیا اور انہوں نے بھی مذکورہ باتوں کو حذف کیا اور یہ بھی نہ کہا کہ قصیدے میں خلافت کا تذکرہ ہوا ہے۔یوں جوں جوں زمانہ گزرتا گیا علماء ان حقائق کی پردہ پوشی کی شرح میں اضافہ کرتے چلے گئے جن کا تذکرہ خلفاء کے لیے مفید نہ تھا۔

جب ہم گزشتہ بحثوں میں ذکر شدہ وصیت سے مربوط باتوں اور آنے والی بحثوں میں حقائق کی پردہ پوشی کی اقسام میں وصیت کے تذکرے کو چھپانے کا حال دیکھیں تو خوب واضح ہوجاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت علی(ع) کو وصی بنانے کا تذکرہ اور اس بات کی تشہیر بعض لوگوں کو پسند نہیں ہے۔اسی لیے انہوں نے مذکورہ قصیدے اور روایت سے اس قسم کی باتوں کو حذف کر دیا ہے اور یہ بھی نہیں بتایا کہ انہوں نے ان دونوں میں سے کسی چیز کو

حذف بھی کیا ہے۔اس قسم کی پردہ پوشی کتابوں میں پردہ پوشی کی دیگر اقسام سے زیادہ پائی جاتی ہے خواہ حدیث رسول(ص) کے حوالے سے ہو یا آپ کی اور آپ کے صحابہؓ کی سیرت کے حوالے سے۔اگر ہم وصایت کے مسئلے سے ہٹ کر سنت رسولؐ کے دیگر پہلوؤں کے بارے میں اس قسم کی پردہ پوشی کی مثالوں کا ذکر کرنا شروع کریں تو بات طویل ہوجائے گی۔

۵۔ پوری حدیث کو حذف کرنا حذف کی طرف اشارہ کیے بغیر

معروف سیرت نگار ابن ہشام نے سیرت ابن اسحاق سے سیرت رسول(ص) کے بارے میں ان روایات کو اپنی کتاب سیرت میں نقل کیا ہے جو بکائی سے مروی ہیں۔کتاب کی ابتدا میں ہی ابن ہشام اپنی روش نگارش کے بارے میں کہتے ہیں: ''میں اس کتاب میں ابن اسحاق کی ذکر کردہ بعض باتوں کا تذکرہ نہیں کروں گا۔اس کے علاوہ ان باتوں کا بھی تذکرہ نہ کروں گا جن کا بیان کرنا قباحت سے خالی نہیں اور نہ ہی ان چیزوں کا جن کا ذکر کرنا عوام کے لیے ناگوار ہو۔''

ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب سیرت سے جن چیزوں کو حذف کیا ہے (جن کا ذکر بقول اس کے لوگوں کے لیے ناگوار ہے) ان میں سے ایک دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ والی آیت اترنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی عبدالمطلبؑ کو دعوت دی تھی۔چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں ابن اسحاق کی سند کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ (ص) نے بنی عبدالمطلب کو دی گئی دعوت میں فرمایا:

> تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا ہاتھ بٹائے تاکہ اس کے بدلے میں وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ قرار پائے؟اس بات پر ان سب نے خاموشی سادھ لی لیکن علی ابن ابی طالبؑ نے عرض کیا:اے اللہ کے رسول(ص)!اس کام میں آپ(ص) کا ہاتھ میں بٹاؤں گا۔پس آپ(ص) نے میری (یعنی علی(ع) ابن ابی طالبؑ کی) گردن تھامی اور فرمایا:یہ ہے تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ۔پس اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ یہ سن کر وہ لوگ ہنستے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے وہ ابوطالبؑ سے کہہ رہے تھے:لو اس (محمدؐ) نے

تجھے حکم دیا کہ تم اپنے بیٹے کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[1]

ابن ہشام نے اس واقعے کو حذف کیا ہے نیز اسی طرح کی بہت سی دیگر باتوں کو بھی چھپایا ہے جن کا لوگوں سے ذکر کرنا اس کی نظر میں برے اثرات کا حامل تھا۔

ان لوگوں سے اس کی مراد خلفاء کے طرفداروں کی جماعت ہے۔[2] اسی لیے سیرت ابن اسحاق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں ایسی روایات ہیں جن کی ترویج کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے یہاں تک کہ اس کے نسخے نایاب ہوگئے[3] اور اس کے مقابلے میں سیرت ابن ہشام کو شہرت نصیب ہوئی اور اسے لوگوں کے نزدیک سب سے باوثوق کتاب سیرت ہونے کا مرتبہ حاصل ہوا۔

طبری نے حضرت علی(ع) کے حق میں مذکورہ حدیث اپنی تاریخ میں ثبت کردی لیکن بعد میں اسے اس حدیث کی اہمیت کا اندازہ ہوا چنانچہ اس نے اپنی تفسیر میں اس غلطی کا تدارک کیا جس سے وہ تاریخ طبری میں غافل رہے تھے۔طبری نے اپنی تفسیر میں مذکورہ حدیث کو اسی سند کے ساتھ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کی تشریح میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا ہاتھ بٹائے تا کہ اس کے بدلے میں وہ میرا بھائی ''وغیرہ وغیرہ''.....قرار پائے؟ اس کے بعد طبری کہتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ میرا بھائی ''وغیرہ وغیرہ'' ہے پس اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔وہ لوگ مذاق اڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب سے کہنے لگے.....الخ[4]

خلاصہ یہ کہ طبری نے اپنی تفسیر میں آپ کے کلام سے وصیی وخلیفتی فیکم کے الفاظ کو حذف کیا ہے۔

بالکل یہی کارنامہ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ ''البدایہ و النہایہ ج ۳ صفحہ ۴۰'' میں نیز مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں انجام دیا ہے۔محمد حسین ھیکل نے تو اس سے بھی چار قدم آگے بڑھائے ہیں۔اس نے اپنی کتاب ''حیات محمد'' کے پہلے ایڈیشن کے صفحے ۱۰۴ میں تو مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے:

> تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرا بوجھ بٹائے نیز میرا بھائی
> اور تمہارے درمیان میرا وصی اور جانشین قرار پائے؟

---

[1] تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۱۶، سیرت ابن اسحاق کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔
[2] ہم نے اس کا ذکر اپنی کتاب ''من تاریخ الحدیث'' میں کیا ہے۔
[3] حال ہی میں ''سیرت ابن اسحاق'' کا ایک حصہ شمالی افریقہ (رباط) میں ۱۳۹۶ھ میں شائع ہو چکا ہے۔
[4] تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۹ صفحہ ۷۲ تا ۷۵ طبع اولیٰ بولاق مصر

لیکن اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن (۱۳۵۴ھ ص ۱۳۹) میں اسے سرے سے غائب کر دیا ہے۔

یہ تھی حدیث کے بعض حصوں کو حذف کر کے بات کو مبہم چھوڑ دینے کی ایک مثال۔پردہ پوشی کا یہ طریقہ یعنی پوری روایت کو حذف کر کے محذوف کی طرف کسی قسم کا اشارہ نہ کرنا مکتب خلفاء کے علماء کے ہاں بہت رائج ہے۔

۶۔سنت رسول(ص) کو لکھنے پر پابندی

سنت رسول(ص) کی پردہ پوشی کی ایک قسم اس کے لکھنے پر پابندی عائد کرنے کی روش ہے۔اس پابندی کی ابتداء عصر رسول(ص) سے شروع ہوئی کیونکہ قریش نے عبداللہؓ بن عمر اور عمرو بن العاص کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث لکھنے سے منع کیا اور اس سے کہا:

> تم جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے ہو اسے لکھتے ہو حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں جو کبھی خوشی اور کبھی غصے سے مغلوب ہو کر بات کرتے ہیں۔

یہاں قریش سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہاجر صحابہ بھی ہیں۔یہی حضرات تھے جنہوں نے آپ(ص) کی زندگی کے آخری لمحوں میں آپ(ص) کو وصیت نہیں لکھنے دی تھی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ خود حکمران بن گئے تو انہوں نے حدیث رسول(ص) لکھنے پر پابندی لگادی۔حدیث لکھنے پر یہ پابندی عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور تک جاری رہی۔عمرؒ بن عبدالعزیز نے یہ پابندی ختم کردی اور احادیث رسول(ص) کی تدوین کا حکم دیا۔رسول(ص) اللہ کی احادیث لکھنے پر پابندی کی داستان کی تفصیل اس کتاب کی دوسری جلد میں دونوں مکاتب فکر کے ہاں اسلامی شریعت کے ماخذ کی بحث میں آئے گی۔یاد رہے کہ اس سے قبل سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعے پر بحث کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی وصیت لکھنے سے روکنے کا قصہ گزر چکا ہے۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان صدیوں کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو نہ لکھنے کی وجہ سے وصیت کے بارے میں کتنی ہی احادیث آپ(ص) کی سیرت کے دیگر گوشوں کے ساتھ طاق نسیاں کی نذر ہوچکی ہیں۔

بعض حکمرانوں نے سنت رسول(ص) کی تبلیغ پر پابندی لگادی۔ان کی مخالفت کرتے ہوئے جو شخص ایسی حدیث نقل کرتا یا لکھتا جو ان کی پالیسیوں کے منافی ہوتو اس عمل کا نتیجہ معنوی قتل

یا جسمانی قتل کی صورت میں نکلتا۔انشاء اللہ اس بارے میں ہم بعض مثالیں آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔

حکمرانوں کے نقائص بیان کرنے والے
فرمودات رسول(ص) راویان حدیث اور کتب
احادیث کی حیثیت کو کمزور بنانے اور
گاہے نظریاتی مخالفین کو قتل کرنے کی کوششیں

حکمرانوں کے عیوب بیان کرنے والے راویان حدیث اور کتب احادیث نیز حکمران طبقے کے نقائص کے بیان پر مشتمل روایات کی حیثیت کو کمزور بنانے کے سلسلے میں علماء کی کوششوں کو محقق حضرات گننے سے قاصر ہیں ۔کبھی یہ لوگ اپنے نظریاتی مخالف عالم کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

حقیقت کی پردہ پوشی کی اس ساتویں قسم کے بارے میں بحث کو طوالت سے بچانے کی خاطر ہم یہاں اس کی صرف چار مثالیں پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ابن کثیر نے اس مقام پر جو اظہار خیال کیا ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے ۔وہ کہتے ہیں:بہت سے نادان شیعہ اور ناسمجھ قصہ گو اس بات کے دھوکے میں آگئے ہیں کہ رسول اللہ(ص) نے علی(ع) کو خلافت کی وصیت کی تھی ۔یہ بات جھوٹ ،بہتان اور افتراء ہے۔یہ بات ایک عظیم غلطی کا موجب ہے کیونکہ اس کا لازمہ صحابہؓ کو خائن سمجھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر عمل درآمد نہ کرنے میں ان کو شریک جرم قرار دینا ہے۔آگے چل کر کہتے ہیں :

رہا پیشہ ور اور عوامانہ قصہ گوؤں کا آداب و اخلاق کے تذکرے میں یہ کہنا کہ علی(ع) وصی ہیں تو یہ سب بے سروپا باتیں ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ادنیٰ درجہ کے بعض جاہلوں کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

وہ مؤلفین جنہوں نے وصیت
کے بارے میں احادیث نقل کیں

۱۔ امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ)مناقب علی(ع) میں۔

۲۔ امام المورخین طبری (متوفی ۳۱۰ھ)اپنی تاریخ میں۔
۳۔ امام المحدثین طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)اپنی معاجم میں ۔
۴۔ ابونعیم اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ)حلیۃ الاولیاء میں ۔
۵۔ حافظ ابن عساکر شافعی (متوفی ۵۷۱ھ)تاریخ دمشق میں ۔

یہ ہیں ابن کثیر کے بقول وہ نادان شیعہ اور ناسمجھ قصہ گو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان احادیث کے باعث دھوکہ کھاگئے ہیں جن میں وصیت کا تذکرہ ہے اور جنہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ وتابعینؒ بھی (بقول ابن کثیر کے)ان روایات سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور انہوں نے روایات کے ذریعے اپنے اشعار اور خطبوں میں استدلال کیا ہے۔نیز ان سے دوسروں نے نقل کیا ہے مثال کے طور پر زبیر بن بکار نے الموفقیات میں،طبری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخوں میں ،خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ،مسعودی شافعی نے مروج الذہب میں ،حدیث کے قابل قدر امام حاکم نے المستدرک میں،ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے ۔

ہم نے جن چیزوں کا تذکرہ کیا ابن کثیر نے ان سب کی پردہ پوشی کی ہے بلکہ ہم نے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے بھی زیادہ امور کی پردہ پوشی کی ہے حالانکہ اس دور کے علماء کے لیے ان حقائق تک دسترس حاصل تھی لیکن ان کی شدید پردہ پوشی اور لوگوں کی نظروں سے ان چیزوں کو مخفی رکھنے کے نتیجے میں ہم ان سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ابن کثیر نے ان سب پر پردہ ڈالا ہے اور اپنی کتاب میں ان میں سے کسی چیز کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

اس کے علاوہ ابن کثیر راویوں ،روایتوں اور ان روایتوں پر مشتمل کتابوں کی حیثیت کو کمزور قرار دے کر اور ان کے ذریعے استدلال کرنے والوں کو بے وقوف ٹھہرا کر حقائق کو چھپانے کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ اس طریقے سے وہ چاہتے تھے کہ اگر اس کی چھپائی ہوئی چیزوں میں سے کوئی چیز کسی دوسری کتاب سے کسی شخص کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کی تصدیق نہ کرے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

نادان شیعہ اور ناسمجھ قصہ گو اس چیز سے دھوکہ کھاتے ہیں۔۔الخ۔

یاد رہے کہ اس قسم کی پردہ پوشی کی مثالیں مکتب خلفاء کے علماء کے ہاں وافر مقدار میں ملتی ہیں ۔

حافظ ابن عبدالبر نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ اس نے حارث ہمدانی کے بارے میں کہا۔''مجھ سے حارث نے جو ایک کذاب تھا،کہا'' بعد ازاں حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں:

شعبی نے حارث کے کسی جھوٹ کی نشاندہی نہیں کی البتہ حضرت علی(ع) سے اس کی شدید محبت نیز دوسروں پر علی(ع) کو ترجیح دینے پر اس کی ملامت کی ہے۔محض اسی بنا پر شعبی نے حارث کو کاذب قرار دیا ہے کیونکہ شعبی حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کا قائل ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسلم اول ابوبکرؓ ہیں۔[1]

آئمہ حدیث پر تنقید

مکتب خلفاء میں چوٹی کے ان محدثین پر حملے کیے جاتے ہیں جو اس مکتب فکر کے نظریات کے برخلاف کوئی روایت نقل کرتے ہیں۔چنانچہ امام حاکم نیشاپوری کے بارے میں یہی ہوا ہے کہ جیسا کہ ذہبی نے امام حاکم کے حالات میں نقل کیا ہے۔یہاں ہم ذہبی کے بیان کو اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

حافظ کبیر امام المحدثین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ نیشاپوری جو ابن بیع کے نام سے معروف ہیں ۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں رحلت کر گئے۔کمسنی میں ہی حدیث سیکھنی شروع کی اور راہی عراق ہوئے پھر حج کی سعادت حاصل کی اور خراسان و ماوراء النہر میں گھومے پھرے۔انہوں نے تقریباً دوہزار استادوں سے روایات سنیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً پانچ سو جلدوں تک جا پہنچی ہے۔ان کی تصانیف میں سے ایک ''فضائل الشافعی'' ہے۔کہتے ہیں کہ مشائخ حدیث انہیں یاد کیا کرتے تھے اور ان کے دور کے بڑے بڑے علماء انہیں اپنے اوپر مقدم رکھتے تھے نیز ان کے مرتبے کا خیال رکھتے تھے اور ان کا احترام سختی سے ملحوظ رکھتے تھے۔امام حاکم سے ''حدیث طیر'' کے بارے میں سوال ہوا تو جواب دیا:

> یہ حدیث صحیح نہیں۔اگر صحیح ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی(ع) سے افضل کوئی نہ ہوتا۔

پھر ذہبی کہتے ہیں:بعد میں حاکم کی رائے بدل گئی اور انہوں نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کیا اور انہوں نے اس کتاب میں احادیث کو جمع کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ میری روایات بخاری و مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں۔ان روایات میں حدیث الطیر اور من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ والی حدیث بھی شامل ہے۔محدثین نے اس بات پر ان کی سرزنش کی ہے اور ان کے قول کو درخور اعتناء نہیں سمجھا ہے۔رہی حدیث طیر تو اس کی بہت ساری اسناد ہیں

۱۔جامع بیان العلم وفضلہ ج۲ صفحہ ۱۸۹

جن کو میں نے ایک الگ رسالے میں جمع کیا ہے۔یہ اسناد مجموعی طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ یہ حدیث حقیقت رکھتی ہے اور رہی من کنت مولاہ فعلی مولاہ والی حدیث تو اس کی اسناد بھی عمدہ ہیں۔ میں نے ان کو بھی الگ رسالے کی شکل میں جمع کیا ہے۔[1] علامہ ذہبی کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ والی حدیث کے بارے میں ایک الگ کتاب لکھی ہے۔

میرے محترم قارئین! من کنت مولاہ فعلی مولاہ والی حدیث کا تذکرہ انشاء اللہ آگے چل کر حضرت علی(ع) کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث کے ضمن میں ہوگا۔ رہی حدیث طیر تو حضرت انسؓ اور دیگر بہت سے صحابہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا۔پس آپ(ص) نے دعا کی

> اے اللہ (رسول اللہ(ص) کے بعد)اپنے سب سے محبوب بندے کو میرے پاس لا تا کہ وہ میرے ساتھ مل کر اسے کھائے۔

پس علی(ع) آئے اور آپ نے حضور(ص) کے ساتھ مل کر کھایا۔یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی(ع) آپ(ص) کے بعد تمام لوگوں سے بہتر ہیں لیکن اس کے باوجود مکتب خلفاء کے پیروکاروں نے اس حدیث کو نقل کرنے پر امام حاکم نیشاپوری وغیرہ کی سرزنش کی ہے۔

ہم نے احادیث کے باب میں اس کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ ہم یہاں حضرت علی(ع) کے فضائل بیان کرنے کا قصد نہیں رکھتے بلکہ ہم ان صریح روایات کا تذکرہ کریں گے جو حکومت پر آل رسول(ص) کے حق کو بیان کرتی ہیں۔

ذہبی نے مکتب خلفاء کے ہاں علم حدیث میں شافعی کے بلند مرتبے کا ذکر کیا۔لیکن چونکہ امام حاکم نے اپنی کتاب ''المستدرک'' میں حضرت علی(ع) کی فضیلت اور معاویہ کی مذمت پر مشتمل احادیث کا تذکرہ کیا ہے اس لیے ان لوگوں نے اس کی عیب جوئی کی ہے۔ چنانچہ ذہبی کے قول کے مطابق ان لوگوں نے کہا

> وہ قابل اعتماد محدث ہے لیکن خبیث رافضی ہے وہ افضلیت اور خلافت کے معاملے میں سنی ہونے کا مظاہرہ کرتا تھا لیکن معاویہ اور آل معاویہ (یعنی یزید) کو نہیں مانتا تھا اور اس کا کھلے عام اظہار کرتا تھا یزید کی صفائی بھی پیش نہیں کرتا تھا۔ میرے خیال میں

۱۔تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۰۳۹ تا ۱۰۴۵

علی (ع) کے دشمنوں سے اس کی لاتعلقی تو ایک واضح سی بات ہے۔
رہا شیخین کا مسئلہ تو وہ بہرحال ان کی تعظیم کرتا ہے۔ بنابریں وہ شیعہ تو ہے لیکن رافضی نہیں۔ کاش کہ وہ مستدرک نہ لکھتا کیونکہ اس نے غلط تصرف کرتے ہوئے ان کے فضائل کو گھٹایا ہے۔

امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) پر بھی رافضی ہونے کا الزام لگایا گیا تھا جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا ہے چنانچہ خود امام شافعی نے اس سلسلے میں کہا ہے:

قالوا ترفضت قلت كلا — ما الرفض ديني ولا اعتقادي
لكنني توليت غير شك — خير امام وخير هادي
ان كان حب الولي رفضاً — فانني ارفض العباد

لوگوں نے مجھ سے کہا تم رافضی بن گئے ہو۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ نہ میرا دین رافضیت کی اجازت دیتا ہے نہ میرے عقائد۔ ہاں بے شک میں بہترین امام اور بہترین رہبر سے محبت کرتا ہوں۔ اگر ولی کی محبت سے کوئی رافضی بن جاتا ہے تو بہ تحقیق میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

امام شافعی نے یہ بھی کہا ہے:

ان كان رفضاً حب آل محمد — فليعلم الثقلان انی رافضی

اگر آل محمد (ص) سے محبت رافضی بننے کا باعث ہے تو جن وانس گواہ ہیں کہ میں رافضی ہوں۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ گاہے حقائق کو چھپانے پر مجبور ہوتے تھے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

مازال كتمانك حتى كانني — لرد جواب السائلين لا عجم
واكتم ودي مع صفاء مودتي — لتسلم من قول الوشاة واسلم

تجھ سے اپنی محبت چھپاتے چھپاتے میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اب پوچھنے والوں کو جواب دیتے ہوئے میری زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ میری محبت خالص ہونے کے باوجود میں اسے چھپاتا ہوں تاکہ چغل خوروں کی باتوں سے آپ بھی محفوظ رہیں اور میں بھی محفوظ رہوں۔[1]

۱۔ الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۳۱ طبع قاہرہ ۱۳۷۵ھ، ابن صباغ مالکی متوفی ۸۵۵ھ نے اپنی تصنیف ''الفصول المہمہ'' میں بھی امام شافعی کے ان اشعار کو نقل کیا ہے۔

لیکن امام شافعیؒ کو اس پردہ پوشی کا فائدہ نہیں ہوا کیونکہ ان پر رافضی ہونے کا الزام لگ گیا ہے جس طرح سنت رسولؐ اور سیرت صحابہؓ سے مربوط روایات کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کرنے والے دیگر علماء ان الزامات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ مذہب شافعی کے اکثر علماء مکتب خلفاء سے تعلق رکھنے والے دیگر مذاہب کے علماء کی طرح احادیث کی پردہ پوشی نہیں کرتے۔ اسی لیے ان پر رافضی ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

اس باب میں ہم نے انکار حقیقت کی مختلف شکلوں کا جائزہ لیا جن میں راویوں کی حیثیت کو کمزور بنانے کی کوششوں سے لے کر ان پر رافضی اور شیعہ ہونے کے الزامات تک شامل ہیں جن کے باعث احادیث پر اعتماد باقی نہیں رہتا۔ استدلال کے معاملے میں انکار کی مختلف شکلوں سے زیادہ آسان راستہ کوئی نہیں ہے اور اس صورت میں حق کو ثابت کرنا سب سے مشکل کام ہے کیونکہ منکر کے لیے صرف یہ کہنا کہ ''یہ حدیث ضعیف، باطل اور جھوٹ ہے'' آسان ہے لیکن صاحب حق کے لیے حقیقت کو ثابت کرنے کی خاطر دلیل لانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے مقابلے میں منکر صرف انکار کرکے جان چھڑاتا ہے۔ یہ انکار درحقیقت راویوں کو معنوی طور پر قتل کرنے کے مترادف ہے۔ بسا اوقات تو مکتب خلفاء کے مفادات کے برخلاف حقائق نقل کرنے والوں کو جسمانی طور پر قتل بھی کیا جاتا ہے ہم یہاں کتب صحاح ستہ میں سے ایک کے مولف کے ساتھ ہونے والے واقعے کی مثال پیش کیے دیتے ہیں۔

صحاح ستہ میں سے ایک کے مؤلف امام نسائی کے قتل کا واقعہ

حافظ، شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی علم حدیث میں اپنے ہم عصروں کے امام تھے۔ ان کی کتاب ''سنن نسائی'' علم و معرفت اور سندوں کی عمدگی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ امام نسائی مصر میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ ہر دوسرے دن روزہ رکھتے تھے اور رات کی عبادت خوب کرتے تھے۔ وہ حاکم مصر کے ہمراہ جنگ کے لیے نکلے لیکن اس کی مجالس اور پرتکلف کھانوں سے دور رہے۔ اپنی زندگی کے اواخر میں حج کے لیے گئے اور دمشق پہنچ گئے۔ دمشق میں انہوں نے علی ابن ابی طالب (ع) اور اہل بیتؑ کی فضیلت کے بیان میں ''الخصائص'' نامی کتاب لکھی۔ اس کتاب کی اکثر روایات احمد بن حنبل سے مروی ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے اس معاملے میں ان کی سرزنش کی۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے دمشق میں آکر دیکھا کہ یہاں علی (ع) کو نہ ماننے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ بنابریں میں نے کتاب ''الخصائص'' اس امید سے

لکھی کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے انہیں ہدایت دے گا۔

لوگوں نے ان سے پوچھا:

کیا آپ معاویہ کے فضائل نقل نہیں کریں گے؟

انہوں نے کہا:

کون سی فضیلت بیان کروں؟ کیا اللھم لا تشبع بطنہ (خدایا اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کر) والی حدیث بیان کروں؟

پس سائل خاموش ہوگیا ان سے معاویہ اور اس کے فضائل کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا:

کیا وہ معاویہ کو افضل قرار دیے بغیر برابری پر راضی نہ ہوگا؟

یہ سن کر لوگوں نے مکوں اور ٹھوکروں سے ان کی خبر لی یہاں تک کہ انہیں گھسیٹ کر مسجد سے باہر کردیا اور بیاباں میں چھوڑ دیا۔

دارقطنی کہتے ہیں:

وہ دمشق میں ۳۰۳ھ میں گرفتار بلا ہوکر شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

سنت رسول(ص) کی راہ میں نہ صرف نسائی کو ہی اذیت رسانی اور قتل سے دوچار ہونا پڑا بلکہ حضرت ابوذرؓ جیسے صحابی کو بھی ان مصائب کا سامنا ہوا جن کا تذکرہ سنت رسول(ص) کی پردہ پوشی کی باقی ماندہ اقسام کی بحثوں کے دوران جلد ہی آئے گا ایسے علماء کی تعداد کم نہیں جو اس راہ میں قتل کیے گئے ۔ان میں سے بعض کا ذکر علامہ امینی نے اپنی کتاب شہداء الفضیلہ میں کیا ہے۔

ان حالات میں کون اس بات کی جرات کرسکتا تھا کہ آل رسول(ص) کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول احادیث بیان کرے؟ حکومت پر آل رسول(ص) کے حق سے مربوط احادیث کے ذکر کی تو بات ہی اور ہے۔

ان تمام مشکلات کی موجودگی میں سنت رسول(ص) کی نشرواشاعت کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ تھا مکتب خلفاء کی مخالفت کرنے والوں اور ان کے مفادات کے خلاف حدیث نقل کرنے والوں اور کتاب لکھنے والوں کے انجام کا تھوڑا سا تذکرہ۔ ذیل میں ہم ان کتابوں کے انجام کی طرف اشارہ کریں گے جن میں ایسے گوشوں کا ذکر تھا جو مکتب خلفاء کی پالیسیوں سے ہم آہنگ نہ تھے۔

کتابوں اور کتب خانوں کو جلانے کا عمل

حقیقت کی پردہ پوشی کے طریقوں میں سے ایک ان کتابوں کو آگ لگانے کا عمل تھا جن میں سنت رسولؐ اور سیرت رسولؐ کے ایسے گوشے ہوں جن کی نشرواشاعت مکتب خلفاء کو ناپسند ہو۔

اموی حکمران سلیمان بن عبدالملک اپنی ولی عہدی کے دور میں حج کے سلسلے میں مدینہ سے گزرا ۔اس نے ابان بن عثمان کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے رسول اللہ(ص) کی سیرت اور جنگوں کا حال لکھے۔ ابانؒ نے کہا:

وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ میں نے اسے قابل وثوق فرد سے تصحیح شدہ حالت میں حاصل کیا ہے۔

سلیمان نے دس افراد کو نسخہ برداری کا حکم دیا۔انہوں نے اسے نازک چمڑے پر لکھا۔ جب اس کے پاس کتاب لائی گئی تو اس نے اس میں عقبہ کی دو بیعتوں میں انصار کی موجودگی کا ذکر دیکھا(اس کی مراد بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ ہے)نیز جنگ بدر کے واقعے میں بھی انصار کا تذکرہ دیکھا۔ یہ دیکھ کر سلیمان نے کہا:

میں نہیں سمجھتا تھا کہ ان لوگوں کا یہ مرتبہ ہوگا۔پس یا تو میرے گھرانے (یعنی اموی خلفاء) نے ان کو ناحق بدنام کیا ہے یا وہ ایسے نہیں تھے۔

یہ سن کر ابانؒ بن عثمان نے کہا:

اے امیر شہید مظلوم (عثمان بن عفان) کو تنہا چھوڑ کر ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے ان کا بہانہ بنا کر ہم حق کو چھپا نہیں سکتے۔ ان کے بارے میں اس کتاب میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقت ہے۔

سلیمان نے کہا:

جب تک میں امیرالمومنین (عبدالملک) سے اس کا ذکر نہ کروں مجھے اس کی کوئی اجازت نہیں ہے۔شاید وہ اس کی مخالفت کریں۔

پھر اس کے حکم سے وہ کتاب جلائی گئی ۔واپس آکر اس نے اپنے باپ کو یہ واقعہ سنایا۔

عبدالملک نے کہا:

تجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ جس کتاب میں ہماری کوئی فضیلت بیان نہیں ہوئی ہے اسے پیش کرتے پھرو۔تم اہل شام کو ان چیزوں سے آگاہ کرنا چاہتے ہو جن سے ان کی آگاہی ہمیں منظور نہیں۔

سلیمان نے کہا:

اسی لیے میں نے جو کچھ لکھوایا تھا اسے جلانے کا حکم دیا ہے تا کہ امیر المومنین کی رائے معلوم کرا لوں۔

عبدالملک نے سلیمان کی رائے کو درست قرار دیا۔[1]

ملاحظہ فرمایئے کہ خلفائے مسلمین اور ان کے ولی عہد کس طرح سے تعلیمات رسول(ص) پر مشتمل کتابوں کو جلانے کا حکم دیتے ہیں تا کہ مسلمانوں کو ان کے مفادات سے متصادم امور کا علم نہ ہو سکے۔ بلکہ بعض حکمرانوں نے تو اس سے بھی سنگین تر اقدام کرتے ہوئے ایسے کتاب خانوں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے جن میں ان کی پالیسیوں سے متصادم احادیث رسول(ص) پر مشتمل کتابوں کے ذخائر موجود تھے۔ بطور نمونہ ہم ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

بغداد کا اسلامی کتب خانہ نذر آتش کر دیا

ابن کثیر نے ۴۱۶ھ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے شاپور بن اردشیر کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بہت نیکوکار اور بیدار مغز تھا۔ جب اذان کی آواز آتی تو پھر کوئی چیز اسے نماز سے نہ روک سکتی تھی۔ اس نے ۳۸۱ھ میں ایک گھر علمی مرکز بنانے کی خاطر وقف کیا اور اس میں بہت زیادہ کتابیں جمع کیں۔ اس کے علاوہ اس کے لیے بہت سارا غلہ بھی وقف کیا۔ یہ کتابخانہ ستر سال باقی رہا۔ پھر ۴۵۰ھ میں طغرل کی آمد پر نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ کتاب خانہ ''بین السورین'' نامی محلے میں واقع تھا۔ حموی نے معجم البلدان میں بین السورین کے تذکرے میں لکھا ہے کہ یہ کرخ کے ایک بڑے محلے کا نام ہے۔ اسی محلے میں بہاء الدولہ کے وزیر کا وقف کردہ کتاب خانہ موجود تھا۔ پوری دنیا میں اس کتاب خانے کی کتابوں سے بہتر کتابیں موجود نہ تھیں۔ یہ ساری کتابیں اماموں کے ہاتھوں لکھی گئی تھیں اور بنیادی اہمیت کی حامل تھیں۔ یہ کتابیں بغداد میں سلجوقی بادشاہ طغرل بیگ اول کی آمد پر کرخ کے محلوں میں آتش زنی کے دوران دوسری اشیاء کے ساتھ جلائی گئیں۔

ابن کثیر نے ۴۶۰ھ کے حالات میں شیخ ابو جعفر طوسی کے حالات میں لکھا ہے کہ ۴۴۸ھ میں کرخ میں ان کا گھر اور کتاب خانہ نذر آتش کر دیے گئے۔[2]

اس سے بھی زیادہ ستم مصر کے فاطمی خلفاء کے کتاب خانوں پر ہوا جیسا کہ مقریزی (متوفی ۸۴۸ھ) نے فاطمی حکمرانوں کے محلات میں خزانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کتابوں کے خزانے کا ذکر

---

[1] الاخبار الموفقیات صفحہ ۳۳۲ طبع بغداد [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ صفحہ ۹۷،۱۹۔

چھیڑا ہے۔ یہ کتاب خانہ عجوبہ روزگار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تمام عالم اسلام میں قاہرہ کے قصر شاہی میں موجود اس کتاب خانے سے بڑا کتاب خانہ کہیں نہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں سولہ لاکھ کتابیں تھیں۔

ان کتابوں کی جلدوں (چمڑوں) کو غلاموں اور کنیزوں نے لوٹ لیا تا کہ ان سے پاؤں میں پہننے کا سامان بنائیں نیز ان اوراق کو اس بہانے جلا دیا کہ یہ شاہی قصر سے ہاتھ لگے ہیں۔ اور یہ اوراق عظیم لوگوں کے ان بیانات پر مشتمل ہیں جو ان کے مذہب سے موافقت نہیں رکھتے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں پانی میں غرق ہو گئیں یا تلف کر دی گئیں یا دیگر جگہوں میں لے جائی گئیں۔ کچھ کتابیں جو جلنے سے بچ گئی تھیں اور ہوا نے ان کے اوپر مٹی کی تہہ جما دی وہ آج بھی اس علاقے کے گردونواح میں نظر آتی ہیں جسے ''کتابوں کا ٹیلہ یا کھنڈر'' کہتے ہیں۔

کرخ کے کتاب خانے کا بانی آل بویہ (جو شیعہ تھے) کا وزیر تھا۔ جب مکتب خلفاء سے تعلق رکھنے والے سلجوقی حکمرانوں کا تسلط ہو گیا تو انہوں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ نیز شیخ طوسی کے کتاب خانے کو بھی نذر آتش کیا جو کرخ ہی میں تھا۔ جب مصر میں صلاح الدین کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے مصر کے فاطمی خلفاء کے کتاب خانوں کے ساتھ اس سے بھی سخت برتاؤ کیا۔[1]

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ مکتب خلفاء کے مخالفین سے تعلق رکھنے والے کتاب خانوں اور کتابوں کو جلانے کے باعث سنت رسول(ص) کا کتنا بڑا حصہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہوگا؟ ان کتابوں میں آل رسول اللہ(ص) کے حق میں خاص کر وصیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کتنی صحیح اور باقاعدہ اسناد والی احادیث ہوں گی جو حق پوشی کی اس روش کے باعث صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہوں گی؟ ان کا صحیح علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

سنت رسول اللہ(ص) کو چھپانے کے مذکورہ طریقوں میں سب سے خطرناک طریقہ رسول اللہ(ص) کی سنت اور صحابہ کی سیرت میں تحریف اور ان کو مسخ کرنے کا عمل ہے۔ ذیل میں ذکر ہونے والی دو الگ بحثوں میں اس کا تذکرہ ہوگا۔

صحابہؓ کی سیرت کے بعض حصوں کو حذف اور ان میں تحریف کرنا

حقیقت پوشی کے طریقوں میں سے ایک روایات کے بعض حصوں کو حذف کرنا اور ان میں تحریف کرنا ہے جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں امام حسینؑ کے خطبے کے ساتھ یہی سلوک کیا

---

[1] خطط المقریزیہ ج ۲ صفحہ ۲۵۵،۲۵۴۔

ہے۔ طبری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخوں میں اس خطبے کو یوں نقل کیا ہے:

اما بعد میرے نسب کو پہچانو اور دیکھو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں جھانکو اور اپنی ملامت آپ کرو۔ کیا تم لوگوں کے لیے مجھے قتل کرنا اور میری حرمت کو پامال کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی(ص) کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں نبی(ص) کے وصی ابن عم مسلم اول اور سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے والے کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس شخص کا بیٹا نہیں ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پیغام کی سب سے پہلے تصدیق کی جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے آئے تھے؟ کیا سید الشھداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیارؓ ذوالجناحین میرے چچا نہیں ہیں؟ ....الخ[1]

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس روایت میں تحریف کی ہے اور کہا ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا:

اپنے گریبانوں میں جھانکو اور اپنا محاسبہ کرو۔ کیا تم لوگوں کے لیے مجھ جیسے انسان کا قتل کرنا روا ہے؟ جبکہ میں تمہارے نبی(ص) کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور روئے زمین پر میرے سوا نبی(ص) کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میرا باپ علی(ع) ہے۔ جعفرؓ ذوالجناحین میرے چچا ہیں اور سید الشھداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا ہیں۔[2]

دیکھا آپ نے کہ ابن کثیر نے امام حسینؑ کے خطبے سے وصیت کے تذکرے کو غائب کر دیا ہے کیونکہ اس بات کا تذکرہ حضرت علی(ص) اور سبط رسول(ص) امام حسنؑ اور سبط رسول(ص) امام حسینؑ کے استحقاق حکومت سے لوگوں کی آگاہی کا باعث بنتا ہے اور ظاہر ہے کہ حکمرانوں کو اس بات کی ترویج بری لگتی تھی۔ سیرت رسول(ص) میں بھی اسی طرح کے حذف وکتمان اور پردہ پوشی کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ حقیقت پوشی کی دسویں قسم (جس کی بحث اس کے بعد ہوگی) میں ہم اس کی مثال پیش کریں گے۔

---

[1] تاریخ طبری ج۲ صفحہ ۳۲۹، تاریخ کامل ابن اثیر ج۴ صفحہ ۵۲ طبع اول مصر

[2] البدایہ والنہایہ ج۷ صفحہ ۱۷۹

صحیح احادیث و روایات کی جگہ جعلی احادیث وروایات گھڑنے کا عمل

پردہ پوشی کا ایک طریقہ صحیح روایات کی جگہ احادیث گھڑنے اور خود ساختہ روایات کی ترویج کا عمل ہے۔ یہاں ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

طبری اپنی تاریخ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہے:

اس سال یعنی ۳۰ھ میں حضرت ابوذر غفاریؓ اور معاویہ کا معروف واقعہ پیش آیا۔ جب معاویہ نے انہیں شام سے مدینہ واپس بھیج دیا تھا۔ اس واقعے کی بہت سی وجوہات بتائی گئی ہیں جن میں سے اکثر وجوہات کا ذکر مجھے ناگوار معلوم ہوا۔ اس واقعے میں معاویہ کی صفائی پیش کرنے والوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جسے "سری" نے مجھے لکھا ہے۔ وہ اس میں لکھتا ہے کہ شعیب کو سیف نے بتایا.. ..الحدیث۔

ابن اثیر نے بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے لکھا ہے:

اسی سال حضرت ابوذرؓ کا معروف واقعہ پیش آیا اور معاویہ نے انہیں شام سے مدینہ بھیج دیا۔ اس واقعے کی بہت سی وجوہات ذکر ہوئی ہیں مثال کے طور پر معاویہ کا حضرت ابوذرؓ کو دشنام دینا، قتل کی دھمکی دینا، انہیں بغیر زین پوش کے سواری پر شام سے واپس مدینہ بھیجنا اور نہایت شرمناک طریقے سے انہیں مدینہ سے نکال دینا وغیرہ جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ سیف کون ہے جس طبری نے حضرت ابوذرؓ کے واقعے کو نقل کیا ہے اور جس کی روایت سے معاویہ کی صفائی پیش کرنے والوں نے تمسک کیا ہے؟ دیکھتے ہیں کہ سیف کی روایات کس قسم کی ہیں؟ سیف سے مراد سیف بن عمر تمیمی ہے۔ اس کی وفات تقریباً ۱۷۰ھ میں ہوئی۔ اس نے عصر رسول(ص)، سقیفہ بنی ساعدہ، بیعت ابوبکرؓ، مرتدین کے ساتھ جنگوں، فتوحات اور جنگ جمل کے بارے میں روایات نقل کی ہیں۔ علم رجال کے ماہرین نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ضعیف القول، ناقابل اعتبار، بے کار اور کذاب ہے نیز وہ احادیث

گھڑتا تھا۔ اسے زندیق بھی کہا گیا ہے۔[1]

سیف کی روایات و احادیث کی نوعیت

سیف نے اپنی روایات میں ایک سو پچاس سے زیادہ خود ساختہ اور جعلی اصحاب کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کی پہلی اور دوسری جلد میں ان میں سے ۹۳ خود ساختہ شخصیتوں کا مفصل اور تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ سیف نے ان میں سے انیس کو قبیلہ تمیم سے منسوب کیا ہے۔ سیف نے ان کے نام سے فتوحات سے متعلق روایات گھڑی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے خود ساختہ معجزات، اشعار اور احادیث کی روایت کو ان سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نہ ان افراد کو خلق کیا ہے اور نہ ان کی روایات کو بلکہ یہ سب سیف ہی کی تخلیق ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے بیسیوں فرضی راوی خود بنائے اور ان سے اپنی خود ساختہ روایات نقل کیں۔ ہم نے ''عبداللہ بن سبا'' اور ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' نامی اپنی ان کتابوں میں ان خیالی راویوں میں سے ستر سے زیادہ پر روشنی ڈالی ہے اور سیف نے ان سے جو روایات نقل کی ہیں ان کا حتی الوسع تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اس نے ان میں سے ایک ہی راوی جس کا نام اس نے محمد بن سواد بن نویرہ رکھا ہے سے ۲۱۶ روایات نقل کی ہیں۔ بعض راوی ایسے ہیں جن سے مذکورہ مقدار سے کم روایات نقل کی ہیں۔ اسی طرح موصوف نے بہت سے خود ساختہ افراد کو شعراء نیز ایران، روم اور مسلمان علاقوں کے قائدین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ سیف نے تاریخی واقعات کے سالوں اور اسلامی تاریخ میں مذکور افراد کے ناموں میں تحریف کی ہے۔ اس نے خود ساختہ احادیث کے ذریعے مسلمانوں کے اندر خرافات کی ترویج کی ہے۔ اس نے مرتدین اور فتوحات کے بارے میں ایسی خود ساختہ جنگوں کا تذکرہ کیا ہے جو کبھی نہیں ہوئیں اور ان فرضی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں شرمناک طریقے سے قتل ہونے والے لاکھوں لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس نے اپنی خود ساختہ روایات کے ذریعے اس بات کی ترویج کی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب ''عبداللہ ابن سبا'' کی دوسری جلد کی ابتدا میں اس بات کا بطلان کیا ہے۔ یاد رہے کہ سیف کی من گھڑت روایات ستر سے زیادہ ماخذ میں سرایت کی گئی ہیں۔ ان ماخذ

---

[1] یحی بن معین متوفی ۲۳۳ھ، ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ، امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ، ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ، ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ اور امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ وغیرہ نے اس پر جرح کی ہے۔

میں حدیث، تاریخ، ادب اور مکتب خلفاء سے مربوط اسلامی تعلیمات کے دیگر شعبوں کی کتابیں شامل ہیں۔ ان کتابوں میں عصر رسول (ص) سے لے کر عہد معاویہ تک کے بارے میں سیف کی خود ساختہ روایات خود اس سے منقول ہیں۔ اس کی روایات کو سب سے زیادہ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ طبری نے سیف سے جو روایات نقل کی ہیں ان کے بعض نمونے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ فوج کے سپاہی ساحل سے لے کر ''دارین'' تک بحری جہازوں کے ذریعے بحری سفر کی مسافت ایک دن اور رات میں طے کر سکتے ہیں اور انہیں ریگزار جیسی چیز سے گزرنا پڑتا ہے جس کے اوپر اتنا پانی ہے کہ اونٹوں کے سم اس میں ڈوب جائیں۔

۲۔ جنگ قادسیہ میں سیف کے جعلی صحابی عاصم بن عمرو تمیمی سے چوپایوں نے فصیح عربی زبان میں گفتگو کی نیز بکیر نے اپنے گھوڑے اطلال سے ایک دریا کو پار کرتے وقت کہا:

اطلال چھلانگ لگاؤ۔

پس گھوڑا بول اٹھا:

وثباً و سورة البقرة

یعنی اس نے سورہ بقرہ کی قسم کھائی اور چھلانگ لگا دی۔

۳۔ جنوں نے جنگ قادسیہ میں فتح کی مناسبت سے اشعار کہے اور جنگ میں بنی تمیم کی کارکردگی کو سراہا۔

۴۔ سوس کی فتح تب ہوئی جب سوس کے دروازے پر دجال نے ٹھوکر ماری اور کہا:

انفتح بظار (یہ ایک قسم کی گالی ہے جو عفت کلام کے منافی ہے یعنی کھل جاؤ...)

۵۔ بہرسیر کی فتح پر فرشتوں نے اسود بن قطبہ کی زبان سے گفتگو کی۔

تاریخ طبری کے بعد سے اب تک لکھی جانے والی اسلامی تاریخ کی کتابوں میں سیف کی خود ساختہ اور جھوٹی روایات تاریخ طبری کے ذریعے پھیل گئیں۔ یہاں ہم ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

سیف کی احادیث تاریخ طبری کے ذریعے دیگر تاریخی کتابوں میں کس طرح سرایت کر گئیں؟

ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل کے مقدمے میں لکھا: میں نے اس کتاب میں وہ چیزیں

بیان کی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں بیان نہیں ہوئیں۔ میں نے اسکی ابتداء امام ابن جریر طبری کی تاریخ کبیر سے کی کیونکہ سب اسی کتاب پر بھروسہ کرتے ہیں اور اختلاف کی صورت میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کتاب سے فارغ ہونے کے بعد میں نے دیگر مشہور تواریخ کا مطالعہ کیا اور تاریخ طبری سے جو باتیں مجھے نہیں مل سکیں انہیں ان تواریخ سے لے کر طبری سے حاصل شدہ معلومات پر ان کا اضافہ کیا سوائے اصحاب رسول(ص) کے درمیان پیش آنے والے واقعات کے کیونکہ ان کے معاملے میں میں نے ابن جریر طبری کے بیانات پر اکتفا کیا ہے سوائے اس صورت کے کہ الفاظ یا کسی انسان کے نام میں کمی بیشی ہوئی ہو یا اس بات کے نقل کرنے سے ان میں سے کسی کی رسوائی لازم نہ آتی ہو۔ اس کے علاوہ میں نے مذکورہ تواریخ اور مشہور کتابوں سے صرف ان لوگوں کی روایتوں کو نقل کیا ہے جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اپنی روایت میں سچے ہیں اور ان کی کتابیں صحیح ہیں

ارتداد، فتوحات اور فتنوں کے معاملے میں اصحاب کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد ابن کثیر کہتا ہے کہ یہ خلاصہ ہے ابن جریر طبریؒ کے بیانات کا جنہیں اس نے اس فن کے اماموں سے نقل کیا ہے۔[1]

ابن خلدون نے کہا ہے کہ اسلامی خلافت اس کے دوران پیش آنے والے ارتداد، فتوحات اور جنگون کے واقعات اور پھر اتفاق و اتحاد کا تذکرہ یہی ختم ہوتا ہے۔ میں نے ان موضوعات کی چیدہ چیدہ اور سب کے ہاں مسلمہ باتوں کا خلاصہ محمد بن جریر طبری کی کتاب تاریخ کبیر سے اخذ کیا ہے کیونکہ اس موضوع پر ہم نے اس سے زیادہ قابل اعتماد کتاب نہیں دیکھی۔ صحابہؓ و تابعینؒ میں سے امت کی برگزیدہ، عادل اور عظیم شخصیات پر تنقید اور ان کے عیوب کے تذکرے کے معاملے میں بھی یہ کتاب تمام کتابوں سے زیادہ منزہ اور پاک ہے۔[2]

اکثر علماء نے صدر اسلام کی تاریخ میں سیف کی روایات کو کیوں قبول کیا؟

طبری نے حضرت ابوذر غفاریؓ اور معاویہ بن ابی سفیان کے واقعہ کے بارے میں لکھا ہے: اس واقعہ کے بارے میں اکثر اقوال کا ذکر مجھے ناپسند ہے۔ ہاں اس بارے میں معاویہ کی صفائی پیش کرنے والے یہاں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو سیف سے منقول ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں:

۱ تاریخ کامل ابن اثیر ج۱ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ ۲ تاریخ ابن خلدون ج ۲ صفحہ ۴۵۷

معاویہ کا انہیں (ابوذرؓ کو) گالی دینا، قتل کی دھمکی دینا، بغیر زین پوش کی سواری پر شام سے مدینہ بھیجنا اور شرمناک طریقے سے مدینے سے نکال دیئے جانے کے واقعات کا نقل کرنا مناسب نہیں ہوتا۔

اس کے بعد وہ سیف کا واقعہ نقل کرتے ہیں اور انہیں اسی طرح معاویہ کی صفائی پیش کرنے والوں میں سے قرار دیتے ہیں۔

ان دو بڑے علماء نے سیف کے علاوہ دیگر راویوں کی روایات کو ان پر عدم اعتماد کی بنا پر ترک نہیں کیا بلکہ اس لئے ترک کیا کیونکہ ان دونوں کو ان روایات میں حکمران طبقے کی صفائی پیش کرنے کے لئے کوئی مواد نظر نہیں آیا۔ انہیں یہ مواد امیر معاویہ کی وکالت کرنے والوں کے ہاں نظر آیا یعنی سیف جیسے لادین انسان اور اس کے خود ساختہ راویوں کے پاس۔ یہی وجہ ہے کہ طبری نے اپنی تاریخ کو سیف کی روایات سے زینت بخشی۔ اسی بنا پر ہی ابن اثیر نے بھی طبری سے سیف کی روایات کو اخذ کیا۔ نیز ابن کثیر نے بھی یہی کیا ہے۔ چنانچہ وہ ۳۶ھ کے واقعات میں سیف سے نقل شدہ روایات کی روشنی میں جنگ جمل کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بحث کے آخر میں کہتے ہیں۔

''یہ ہیں ابن جریر طبری رحمۃ اللہ کے بیان کا خلاصہ جو انہوں نے اس فن کے ماہرین سے نقل کیا ہے۔ اس فن کے ماہرین سے ان کی مراد وہی لوگ ہیں جن سے ابن جریر طبری نے یہ روایت نقل کی ہے: یعنی زندیق سیف اور اس کے خودساختہ راویان حدیث''۔

علامہ ابن خلدون نے ان حضرات سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں خلفاء کی بیعت، مسئلہ ارتداد، اسلامی فتوحات اور جماعت (یعنی معاویہ کی بیعت پر اتفاق) کے بارے میں تاریخ طبری میں بکھری ہوئی سیف کی روایات کو نقل کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

ہم نے اسے اس مسئلے میں سب سے زیادہ قابل اطمینان پایا۔ امت کے بزرگوں کی عیب جوئی اور ان پر اعتراضات کے معاملے میں بھی یہ کتاب سب سے زیادہ محفوظ ہے۔

بنابریں مذکورہ امور کے بارے میں تاریخ طبری میں موجود سیف کی روایات ان کے نزدیک زیادہ قابل اطمینان ہیں کیونکہ یہ روایات بڑے بڑے خلفاء، امراء اور ان کے رشتہ داروں کی عیب جوئی اور ان پر اعتراضات کے معاملے میں سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ یہاں ہم ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں جس کی رو سے ان لوگوں کے ہاں بزرگوں پر تنقید کی حامل روایات کا ذکر کرنا معیوب کام ہے، لہذا انہیں تنقید کا نشانہ بنانے والی روایات کی تاویل ڈھونڈنے کی کوشش ضروری

ہے خواہ وہ جس طریقے سے بھی ہو۔ اس بات کی دلیل ہمیں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور ابو محجن کے واقعہ میں مکتب خلفاء کی طرف سے عذر پیش کرنے کی کوشش میں ملتی ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے ابو محجن کو شرعی حد سے بری کر دیا تھا۔

الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ میں ابو محجن کے حالات زندگی میں مذکور بیانات کے مطابق وہ شراب نوشی کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سات بار اس پر حد جاری کرنے کے بعد آخر کار اسے شہر سے نکال دیا تھا۔ قادسیہ کی جنگ میں وہ سعدؓ بن ابی وقاص سے جا ملا۔ سعد نے اسے شراب پینے کے جرم میں قید کیا لیکن سعد کی بیوی نے اسے چھوڑ دیا۔ جنگ میں اس نے مشہور کارنامے انجام دیئے تھے اس لئے سعدؓ نے اسے شرعی حد سے بری کر دیا اور کہا:

والله ہم تجھے شراب خوری پر کبھی تازیانے نہیں ماریں گے۔

ابو محجن نے کہا:

پس میں کبھی شراب نہیں پیوں گا۔

یہ تھا سعدؓ کی طرب سے ابو محجن کی حد معاف کرنے کی داستان۔ اس سلسلے میں ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ میں ابن فتحون (متوفی ۵۱۹ ھ) کی کتاب ''التذییل علی استیعاب ابی عمر بن عبدالبر'' سے نقل کرتے ہوئے ابن محجن کے حالات میں لکھا ہے:

ابن فتحون نے ابوعمر کو ابو محجن کے واقعے میں یہ کہنے پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ وہ شراب پی رہا تھا۔ (مگر آگے چل کر کہتے ہیں) ابن فتحون نے اس بات کو رد کیا ہے کہ سعدؓ نے اس سے حد ساقط کر دی تھی اور کہا ہے کہ سعدؓ کے بارے میں یہ گمان غلط ہے۔ پھر کہتا ہے: اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہے۔ لیکن اسے ذکر نہیں کیا۔ شاید اس نے سعدؓ کے اس قول سے کہ وہ اسے تازیانہ نہیں مارے گا، یہ مراد لیا ہے کہ اور یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شراب پیتا ہے اور اس کے بعد وہ توبہ نصوح کرے اور دوبارہ اسے انجام نہ دے تو...[1]

یوں مکتب خلفاء کے پیروکار اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ بزرگوں یعنی خلفاء، ان کے گورنروں اور ان کے رشتہ داروں پر ہونے والے اعتراضات کا جواب تلاش کریں۔ ان بزرگوں میں پہلے خلفاء سے لے کر معاویہ، مروان بن الحکم، یزید بن معاویہ اور ان کے امراء شامل ہیں۔ بزرگان اور بڑے بڑے صحابہ و تابعین سے ان کی مراد یہی لوگ ہیں۔ چونکہ سیف بن عمر

---

[1] الاصابہ ج ۴ صفحہ ۱۷۳، ۱۷۵

منافق کو ان کی کمزور رگ کا علم تھا اور چونکہ اس نے مکتب خلفاء کے تمام طبقات کی صدیوں پر محیط خواہشات کے عین مطابق روایات گھڑی ہیں نیز اپنی روایات پر خلفاء اور ان کے رشتہ داروں کی حمایت کا رنگ بھی چڑھایا اور یہ تاثر دیا کہ وہ ان کے فضائل کی ترویج کرنا چاہتا ہے لہذا ان چالوں کے دبیز پردوں کے پیچھے رہ کر وہ اسلام کو بدنام کرنے، اسے نقصان پہنچانے، مسلمانوں کے عقائد کے لئے نقصان دہ خرافات کو پھیلانے اور لوگوں کے درمیان اس بات کی ترویج کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ یوں وہ اپنی خود ساختہ روایات کے ذریعے اپنے لادینی اہداف و مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان عزائم کی مثالیں ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ اس نے اسلامی عقائد کے لئے نقصان دہ جن خرافات کی تبلیغ و اشاعت کی اس کی مثال مدعی نبوت اسود عنسی کے بارے میں خود سیف کی روایت، اللہ تعالی کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسری کے درمیان راز کی باتوں کے بارے میں اس کی روایات ہیں۔

سیف کی راویت میں اسود عنسی کا قصہ

طبری نے اسود عنسی کے واقعے کے متعلق سیف سے کئی ایک روایات نقل کی ہیں۔ ان روایات کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

اسود نے نبوت کا دعوی کیا اور یمن پر قبضہ کر کے وہاں کے بادشاہ ابن باذان کو قتل کرنے کے بعد اس کی بیوی سے شادی کی۔ پھر اس نے فوج کے اختیارات قیس ابن عبد یغوث اور دیگر لڑکوں (یعنی یمن میں موجود ایرانی لڑکوں) کے معاملات فیروز اور راذویہ کے سپرد کر دیئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خط لکھا کہ وہ اسود کو قتل کر دیں خواہ لڑائی کے ذریعے ہو یا دھوکے سے۔ پس وہ لوگ دھوکے سے قتل کرنے پر متفق ہو گئے لیکن اس کے شیطان نے اسے خبر دی۔ پس اس نے قیس کو بلایا اور پوچھا:

اے قیس ملک (شیطان) کیا کہتا ہے؟

قیس نے کہا:

وہ کیا کہتا ہے؟

اسود نے کہا:

وہ کہتا ہے: تم نے قیس پر اعتماد کیا اور اسے عزت دی یہاں تک کہ جب وہ تم سے سارے کاموں میں دخیل ہو گیا اور مرتبے میں تمہارا

ہم پلہ بن گیا تو وہ تیرے دشمنوں کی طرف مائل ہو گیا نیز تجھ سے حکومت چھیننے کی سازش کی اور بغاوت کا ارادہ کرنے لگا۔ وہ کہتا ہے اے اسود! اے اسود! بہت برا ہو گیا بہت برا ہو گیا۔ اس کی گردن اڑا دے اور قیس کا سر کاٹ لے ورنہ وہ تجھ سے حکومت چھین لے گا یا تیری گردن اڑا دے گا۔ قیس نے اس کے نام کی قسم کھاتے ہوئے اس بات کی تکذیب کی اور کہا: ذوالخمار[1] کی قسم آپ کا مرتبہ میرے دل میں اس سے کہیں بزرگ و برتر ہے کہ میں آپ کے خلاف کوئی برا ارادہ کروں۔

اسود نے کہا:

تم کس قدر بے انصاف ہو؟ کیا تم ملک کو جھٹلاتے ہو؟ مجھے ابھی علم ہوا ہے کہ تم اس سے تائب ہو چکے ہو جس کی مجھے خبر ہے۔ یعنی اس کے شیطان (جسے وہ ملک کہتا ہے) کی لائی ہوئی خبر ہے۔

سیف کہتا ہے کہ اس کے بعد قیس باہر آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو اسود کے ساتھ اپنا ماجرا سنایا۔ ~~اس کے بعد قیس باہر آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو اسود کے ساتھ اپنا ماجرا سنایا۔~~ اس کے بعد ان سب نے اسے قتل کرنے کے سابقہ متفقہ فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا۔ پس اسود نے قیس کو دوبارہ بلایا اور کہا:

کیا میں نے تمہیں حقیقت سے آگاہ نہیں کیا؟ اور کیا تو نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا؟ وہ (یعنی اس کا شیطان جسے وہ ملک کے نام سے یاد کرتا ہے) کہتا ہے: بہت برا ہو گیا۔ بہت برا ہو گیا۔ اگر تم قیس کا ہاتھ کاٹ نہ دو گے تو وہ تیرا سر کاٹ لے گا۔

پس قیس نے جواب دیا:

میں آپ کو کیسے قتل کر سکتا ہوں جبکہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پس میرے بارے میں جو چاہیں کریں۔ میں اس خوف و دہشت کے ہاتھوں اسیر ہوں۔ مجھے قتل کر دیں کیونکہ ایک بار قتل ہونا میرے لئے روزانہ قتل ہونے سے آسان تر ہے۔

سیف کہتا ہے کہ یہ سنکر اسود کا دل پسیجا اور اسے باہر نکال دیا۔ پھر اسود نے قربانی کے

---

[1] اسود عنسی کو اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔

سو جانور لانے کا حکم دیا جو اونٹوں اور گائے پر مشتمل ہوں۔ پھر اس نے ایک لکیر کھینچ کر ان کو لکیر کے پیچھے کھڑا کر دیا اور خود ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ان کو بند کئے بغیر اور پاؤں باندھے بغیر ذبح کیا۔ ان میں سے کسی نے بھی لکیر سے تجاوز نہیں کیا۔ اس کے بعد ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ پس وہ کچھ دیر چکر لگانے کے بعد مر گئے۔ سیف راوی سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا:

میں نے اس سے زیادہ کریہہ منظر کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ اس سے زیادہ وحشت ناک دن دیکھا تھا۔

سیف کا بیان ہے: پھر انہوں نے اسود کی زوجہ سے مل بھگت کر لی تاکہ رات کو اسے دھوکے سے قتل کر دیں۔ جب وہ رات کو اسے قتل کرنے کے لئے اندر داخل ہوئے تو فیروز سب سے پہلے اسکی طرف لپکا۔ اس وقت اسکے شیطان نے اسے فیروز کی جگہ خبردار کیا اور بیدار کیا۔ جب اس نے سستی کی تو شیطان نے اس کی زبان میں گفتگو کی جبکہ وہ نیند میں خراٹے لے رہا تھا اور فیروز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا:

اے فیروز مجھے اور تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس وقت فیروز نے اس کی گردن توڑ کر اسے قتل کر دیا۔

سیف کہتا ہے: اس کے بعد باقی لوگ بھی اندر آ گئے تاکہ اس کے سر کو کاٹ لیں۔ اس وقت اس کے شیطان نے اسے حرکت دی اور وہ حرکت کرنے لگا۔ چنانچہ وہ لوگ اسے سنبھال نہ سکے یہاں تک کہ ان میں سے دو اس کی پشت پر سوار ہو گئے اور عورت نے اس کے بال پکڑ لئے۔ تب وہ اپنی زبان کاٹ لی۔ گردن کٹنے کے بعد وہ سخت اناز میں بیل کی آواز نکالنے لگا۔ ایسی آواز کبھی سنی نہ گئی تھی۔ یہ سن کر دروازے کے نگہبان دوڑ کر آ گئے اور کہنے لگا:

یہ کیا ماجرا ہے؟

اس کے بیوی نے کہا:

اس نبی پر وحی ہو رہی تھی پھر وہ ٹھنڈا پڑ گیا.....الخ۔

اس واقعہ کو طبری اور علامہ ذہبی دونوں نے اپنی تاریخوں میں سیف سے نقل کیا ہے۔ پھر طبری سے ابن اثیر، اور ابن خلدودن نے نقل کیا ہے۔ البتہ ابن خلدون نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اسود عنسی کے واقعے کا تحقیقی جائزہ

الف۔ اس واقعے کے راوی: سیف نے اس واقعے کو گیارہ روایتوں میں چار خودساختہ راویوں سے نقل کیا ہے۔

یہ چار راوی درج ذیل ہیں:

۱۔ سہل بن یوسف خزرجی سلمی۔

۲۔ عبید بن صخر خزرجی سلمی۔

۳۔ المستنیر بن یزید نخعی۔

۴۔ عروہ بن غزیہ دثینی۔

یہ تھے وہ خیالی راوی جنہیں سیف بن عمر نے تراشا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کے حامل راویوں کو خلق ہی نہیں کیا۔ ان لوگوں کو تو بس سیف نے اپنی روایات کے لئے تراشا ہے۔

ب۔ اس روایت کے مضمون کا تحقیقی جائزہ: ہم نے عبد اللہ بن سباہ کی دوسری جلد میں اسود عنسی کے بارے میں سیف کی خودساختہ ان روایات کا صحیح روایات کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایات اور ان کو نقل کرنے والے راوی خودساختہ ہیں۔

اللہ کے حضور رسول اللہ (ص) اور کسریٰ کے درمیان راز کی باتیں سیف کی روایت کی روشنی میں

جلولاء کے واقعہ کے بعد خراسان کی طرف یزدجرد کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے سیف کہتا ہے: جب اہل جلولاء کو شکست ہوئی تو بادشاہ ایران یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے محمل میں سو رہا تھا اور اونٹ اسے لے کر جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اور اس کے ساتھی جو آرام کئے بغیر سفر کر رہے تھے پانی کے ایک گھاٹ پر پہنچے۔ وہ اس وقت تک سویا ہوا تھا۔ ہمراہیوں نے اسے جگایا تاکہ وہ بیدار رہے اور جب اونٹ پانی میں گھس جائے تو اسے اچانک گھبراہٹ نہ ہو۔ جب اسے جگایا تو اس نے سخت غصے کا اظہار کیا اور کہا:

> تم لوگوں نے بہت برا کیا۔ اللہ کی قسم اگر تم لوگ مجھے نہ جگاتے تو مجھے اس امت کی عمر کا علم ہوتا۔ میں خواب میں دیکھ رہا تھا کہ میں

> محمد (ص) کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں راز کی باتیں کر رہا ہوں۔ اس وقت اللہ نے محمد (ص) سے کہا: انہیں سو سال کی حکمرانی دیتا ہوں۔ محمد (ص) نے کہا: میرے لیے اور اضافہ فرمایئے۔ اللہ نے فرمایا: ایک سو دس سال کئے دیتا ہوں۔ عرض کیا: اور اضافہ فرمایئے۔ فرمایا: ایک سو بیس سال کر دیتا ہوں۔ عرض کیا: تیری مرضی۔ اتنے میں تم لوگوں نے مجھے جگا دیا۔ اگر تم لوگ مجھے نہ جگاتے تو مجھے اس امت کی عمر معلوم ہو جاتی.....[1]

کسریٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان خفیہ گفتگو کی روایت کا جائزہ

الف۔ راویوں کا جائزہ: سیف نے اللہ کے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسریٰ کے درمیان خلوت میں گفتگو کا افسانہ درج ذیل راویوں سے نقل کیا ہے جو اس کے خود ساختہ ہیں:

۱۔ محمد جسے وہ محمد بن عبداللہ بن سوار بن نویرہ کے خیالی نام سے پیش کرتا ہے۔

۲۔ مہلب جسے وہ مہلب بن عقبہ اسدی کے نام سے پیش کرتا ہے۔

۳۔ عمرو۔ سیف نے عمرو نام کے دو راوی تراشے ہیں۔ ان میں سے ایک عمرو بن ریان اور دوسرا عمرو بن رفیل ہے۔ میں نے ''عبداللہ بن سبا'' اور ''ایک سو پچاس جعلی صحابی'' نامی کتابوں میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں سیف کے خود ساختہ راوی ہیں۔

روایت کے مضمون کا جائزہ

میں نے ''ایک سو پچاس جعلی صحابی'' نامی کتاب کی پہلی جلد کے ابتدائی حصے میں اس روایت کے مضمون پر بحث کی ہے اور اس کے بے بنیاد ہونے کو ثابت کیا ہے۔ بنابریں کتاب ہذا میں جسے ہم جلدی میں مرتب کر رہے ہیں اس بحث کو دوبارہ چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی.

ان دونوں روایات کو وضع کرنے کے پیچھے سیف بن عمر کے عزائم

سیف کی روایت کے مطابق مدعی نبوت اسود عنسی جو قیس کو ہر اس بات کی یکے بعد

---

[1] مصادر و مآخذ کے لئے کتاب ''خمسون و مائۃ صحابی مختلق'' کی جلد اول ملاحظہ فرمائیں۔

دیگرے خبر دے رہا تھا جو اس کے دل میں پوشیدہ تھی اور کہتا تھا کہ ملک نے یہ بتایا ہے۔ یہ ملک جو اسے اطلاعات فراہم کر رہا تھا شیطان تھا۔ پھر مدعی نبوت اسود عنسی سے ایک زبردست معجزہ بھی ظاہر ہوا کیونکہ اس نے ایک لکیر کھینچ کر قربانی کے سو جانوروں کو جو گائے اور اونٹوں پر مشتمل تھے اس لکیر کے پیچھے کھڑا کیا اور خود ان کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر ان سب کو باندھے یا بند کئے بغیر ذبح کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس لکیر سے تجاوز نہیں کیا پھر ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا تو یہ حیوانات چکر لگاتے رہے یہاں تک کہ ان کی جانیں نکل گئیں۔ پھر راوی بھی اس واقعے کو اہمیت دیتے ہوئے اس کی عظمت کے گن گاتا ہے۔

دوسری روایت میں اس نے یہ افسانہ تراشا کہ کسری نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک تین فریقی اجلاس میں دیکھا.....الخ

کیا پہلے افسانے کا مفہوم یہ نہیں کہ مسلمانوں کے نبی(ص) نے نبوت کا دعوی کیا۔ ملک آپ کو غیب کی خبر دیتا رہا اور آپ سے معجزات ظاہر ہوتے رہے؟ اسی طرح اسود عنسی نے بھی نبوت کا دعوی کیا، ملک اسے غیب کی خبریں دیتا رہا اور اس سے معجزات صادر ہوتے رہے۔ کیا اس بے دین سیف نے جو اندر سے کافر تھا اور ظاہراً مسلمان، یہ افسانہ مسلمانوں کے ذہنوں میں شبہات پیدا کرنے کی غرض سے نہیں تراشا؟ اور دوسرے افسانے میں کیا اس نے اللہ اور رسول(ص) کے دشمن یعنی ایرانی بادشاہ یزدجرد کو ان دونوں کے ساتھ ایک نشست میں بٹھا کر مسلمانوں کے خدا اور رسول کا مذاق اڑانے کی کوشش نہیں کی؟

دیکھئے کہ مکتب خلفاء کے بڑے بڑے علماء نے سیف کے بے بنیاد افسانوں کو کس طرح نقل کیا ہے اور ان افسانوں سے اسلامی تاریخ کی کتابوں کو کس طرح بھر دیا ہے؟ یوں یہ افسانے اسلامی تعلیمات کے ماخذ کا حصہ بن گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اسلامی تاریخ کی کتابوں میں سیف بن عمر کے اس پروپیگنڈے کو بھی پھیلا دیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل روایات ملاحظہ ہوں۔

اس کا یہ پروپیگنڈا کہ اسلام تلوار اور قتل عام کے ذریعے پھیلا

سیف نے ارتداد اور فتوحات سے متعلق جنگوں کی خود ساختہ کہانیوں کے ذریعے اس بات کو خوب پھیلایا کہ اسلام روئے زمین پر تلوار اور قتل عام کے ذریعے پھیلا ہے۔ اس نے مرتدین کے ساتھ جنگ کے نام پر جو باتیں گھڑی ہیں۔ ان میں درج ذیل بے بنیاد افسانے اور

رنگارنگ کہانیاں شامل ہیں۔

ارتداد کی جنگوں کے متعلق سیف کی بے بنیاد اور رنگارنگ کہانیاں

سیف نے ارتداد کی جنگوں کے نام پر رنگارنگ افسانے تیار کرنے کی غرض سے چھوٹی چھوٹی روایات کا سہارا لیا ہے۔ ان روایات کو طبری نے ارتداد کے واقعات کی ابتدا میں نقل کیا ہے۔ سیف نے ان روایات میں کہا ہے:

> پوری دنیا کافر ہو گئی ہے اور آتش کدہ بن گئی ہے۔ سارے عرب قبائل کے چھوٹے بڑے لوگ مرتد ہو گئے ہیں سوائے قبیلہ قریش و ثقیف کے۔

اس کے بعد وہ غطفانیوں میں ارتداد، زکات دینے سے قبیلہ ہوزان کے انکار، طلیحہ کی قیادت پر قبیلہ طی وقبیلہ اسد کے اتفاق اور بنی سلیم کے چیدہ چیدہ افراد کے ارتداد کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے:

> ہر مقام پر سارے لوگوں کا یہی حال تھا۔

نیز کہتا ہے:

> نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والیوں کے خطوط ہر جگہ سے آنے لگے جن میں چھوٹے بڑے قبائل کی بغاوت کا ذکر تھا۔

ابن اثیر اور ابن خلدون نے اپنی تاریخوں میں ان واقعات کو یونہی نقل کیا ہے لیکن ابن کثیر نے ان واقعات کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں کہا ہے:

> رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ساتھ سارے عرب مرتد ہو گئے سوائے دو مسجد والوں کے یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ کے۔[1]

اس کے بعد سیف نے ارتداد کی جنگوں کے متعلق اپنی خود ساختہ کہانیوں میں ذکر کیا ہے کہ مرتدین تلوار کے زور سے کس طرح دوبارہ مسلمان بنا لئے گئے۔

اس (سیف) نے اپنی روایات کے ذریعے اس بات کا تاثر دیا ہے۔ ارتداد کی جن جنگوں کا اس نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے ایک جنگ اخابث ہے جس کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ صفحہ ۳۱۲ طبع مصر۔

عک اور اشعری قبائل کے ارتداد اور رسول(ص) کے سوتیلے بیٹے کا افسانہ۔ سیف کی روایات میں

سیف عک کے اخابث کے واقعے میں کہتا ہے کہ حجاز کے جنوب مغربی علاقوں (تہامہ) میں سب سے پہلے عک اور اشعریوں نے بغاوت کی۔ جب انہیں وفات رسول(ص) کی خبر ملی تو وہ اکٹھے ہو گئے اور ساحلی راستے (اعلاب) میں مقیم ہو گئے۔ طاہر نے اس کی خبر حضرت ابو بکرؓ کو لکھی۔ پھر وہ مسروق عکی کے ساتھ ان کی طرف بڑھا یہاں تک کہ ان سے مڈبھیڑ ہو گئی اور جنگ ہوئی۔ جنگ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی اور ان کا خوب قتل عام ہوا۔ راستوں میں ان کی لاشوں کی بدبو پھیل گئی۔ ان کا قتل عام ایک عظیم فتح تھا۔

فتح کا پیغام پہنچنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے طاہر کو جواب دیا:

> مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے اپنے کوچ نیز مسروق اور اس کے افراد کو اخابث کا مقابلہ کرنے کے لئے ساحلی راستے (اعلاب) کی طرف بھیجنے کے بارے میں لکھا تھا۔ تمہاری رائے درست ہے پس ان پر فوری ضرب لگاؤ اور انہیں مہلت نہ دو۔ پھر میری طرف سے دوسرا حکم پہنچنے تک ساحلی راستے پر مقیم رہو۔

باغیوں کے یہ گروہ اور ان کا ساتھ دینے والے آج تک اخابث کے نام سے معروف ہیں۔ مذکورہ راستے کو ''طریق الاخابث'' کہتے ہیں۔ طاہر بن ابوہالہ نے اس واقعے کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں:

واللہ لو لا اللہ لا شیء غیرہ　　لما فض بالاجراع جمع العثاعث
فلم ترعینی مثل یوم رأیتہ　　بجنب صحارفی جموع الاخابث
قتلناھم ما بین قنۃ خامر　　الی القیعۃ الحمراء ذات النبائث
وفئنا باموال الاخابث عنوۃ　　جھاراً ولم نحفل بتلک الھثاھث

> واللہ اگر خدائے لا شریک نہ ہوتا تو ریتلے میدانوں میں سانپوں کا لشکر تباہ ہوتا۔ میری آنکھوں نے صحراؤں کے پہلو میں لشکر اخابث کا جو حشر دیکھا ایسا کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہم نے خامر نامی پہاڑی کی چوٹی سے لے کر کیچڑ والے سرخ صحراؤں تک کے درمیانی حصے میں ان کا قتل عام کیا۔ ہم اخابث کے اموال زبردستی چھین کر لے آئے۔ یہ

> کام ہم نے کھلے عام کیا اور ہم نے شور وغوغا کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

پھر کہتا ہے کہ طاہر نے اخابث کے راستے میں پڑاؤ ڈال دیا جبکہ اس کے ساتھ مسروق عک میں حضرت ابوبکرؓ کے حکم کا منتظر تھا۔

سیف نے عک اور اشعریوں کے ارتداد کی روایت اپنے تخیلاتی راوی طاہر بن ابو ہالہ سے لی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ سیف کی روایات کا یہ راوی یعنی طاہر کون ہے؟

سیف کی احادیث اور طاہر

سیف نے طاہر ابن ابو ہالہ تمیمی کو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا بیٹا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوتیلا بیٹا قرار دیا ہے نیز اسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ(ص) کا عامل بھی قرار دیا ہے۔ سیف نے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں طاہر کے حالات کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ طاہر نے عک اور اشعری مرتدوں کو تہس نہس کیا۔ دیگر لوگوں نے سیف کی روایت سے طاہر کی سوانح عمری مرتب کی ہے۔ استیعاب، معجم الصحابہ، اسد الغابہ، تجرید اسماء الصحابہ، الاصابہ اور دیگر کتب میں طاہر کو صحابہ کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ معجم الشعراء میں بھی اس کی سوانح عمری بیان ہوئی ہے۔ اس کے حالات تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر، البدایہ والنہایہ ابن اکثیر، تاریخ ابن خلدون اور تاریخ روضۃ الصفا میر خواند میں مذکور ہیں۔ علاوہ ازیں سیف کی روایات کی بنیاد پر شہروں کے حالات لکھنے والوں نے اعلاب اور اخابث کو جگہوں میں شمار کیا ہے مثال کے طور پر حموی نے معجم البلدان میں اور عبدالمومن نے مراصد الاطلاع میں یہی کہا ہے۔

طاہر کی روایت کا تنقیدی جائزہ

سیف نے طاہر کی باتوں کو اس کی پانچ روایتوں میں بیان کیا ہے۔ ان پانچ روایتوں کی اسناد پانچ راویوں پر مشتمل ہیں۔ یہ سب خود ساختہ ہیں اور ان کے من گھڑت نام یہ ہیں: سہل بن یوسف سلمی، یوسف سلمی، عبید بن صخر بن لوزان، جریر بن یزید الجعفی اور طلحہ کا غلام ابوعمرو۔

☆ حالانکہ عکیوں اور اشعریوں کے ارتداد کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔

☆ اور اللہ تعالیٰ نے اعلاب یا اخابث کے نام سے زمین کا کوئی حصہ خلق ہی نہیں کیا۔

☆ علاوہ ازیں دنیا میں طاہر بن ابی ہالہ نام کا کوئی صحابی جو ام المومنین جناب خدیجہؓ کا فرزند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوتیلا بیٹا ہو گزرا ہی نہیں۔

☆ عکی اور اشعری مرتدوں کے ساتھ کوئی تباہ کن جنگ ہوئی ہی نہیں جس کا تذکرہ سیف نے کیا ہے یا ان راویوں نے جن سے سیف نے طاہر کے حالات نیز عکیوں، اشعریوں اور اخابث کے ارتداد کی داستان کو نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیف نے ارتداد، مرتدوں کے ساتھ جنگ، مذکورہ علاقوں، اشعار، حضرت ابوبکرؓ کے خط اور راویوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب من گھڑت ہیں۔ اس طریقے سے وہ اپنے مقصد تک پہنچ گیا جو لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سوائے قریش اور بنی ثقیف کے سارے لوگ مرتد ہو گئے۔ پھر مسلمانون نے ان کے ساتھ تباہ کن جنگ لڑی۔ ہم نے ان سب روایات اور ان کے اسناد کا تحقیقی جائزہ اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کی پہلی جلد میں سیف کی خود ساختہ شخصیت طاہر بن ابوہالہ کی سوانح عمری میں لیا ہے۔

یہ تھا سیف کے ہاتھوں گھڑی گئی ارتداد کی جنگوں میں سے ایک جنگ کا تذکرہ۔ اس کی من گھڑت ارتداد کی دیگر جنگوں اور خود ساختہ واقعات میں خود اس کے بقول بنی طی کا ارتداد، ام زمل کا ارتداد، عمان اور مہرہ والوں کا اتداد نیز یمن کا پہلا ارتداد اور یمن کا دوسرا ارتداد شامل ہیں۔

اس نے قبائل اور سرزمینوں کے ارتداد ان کے ساتھ جنگوں اور ارتداد کی دیگر جنگوں کے واقعات خود وضع کئے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ واقعات حضرت ابوبکرؓ کے دور میں واقع ہوئے حالانکہ یہ سب اس کے جھوٹ ہیں۔ ان جنگوں میں قتل ہونے والوں کی تعداد کے ذکر میں بھی اس نے جھوٹ اور افتراء سے کام لیا ہے۔ اس نے ایسی رنگین کہانیاں لکھی ہیں جن کے ذریعے اس نے بزعم خویش تاریخ اسلام کے تابناک چہرے کو سیاہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں فتوحات کے تذکرے میں بھی اس نے یہی کیا ہے۔ اور ایسی جنگوں کا ذکر کیا ہے جو کبھی ہوئی ہی نہیں۔ اس نے مسلمان فوجوں کے ہاتھوں قتل اور تباہی کے جو واقعات نقل کئے ہیں ان کا تاریخ میں ہرگز کوئی وجود نہیں ملتا۔

یہاں ہم ان خود ساختہ واقعات میں سے بطور نمونہ ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

الیس کی فتح اور شہر امغیشیا کی تباہی کا قصہ سیف کی روایات میں

طبری نے عراق کے مضافات کے سرسبز و شاداب مفتوحہ علاقوں الیس اور امغیشیا کی فتح

کے واقعات سیف سے نقل کئے ہیں۔ وہ الیس کی فتح کے بارے میں کہتا ہے: انہوں نے زبردست جنگ کی حالانکہ مشرکین ان پر دباؤ اور شدت میں اضافہ کر رہے تھے اور بہمن جاذویہ کی آمد سے توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے زیادہ صبر کا مظاہرہ کیا کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ وہ ان کا رخ اپنی طرف بدل دے گا۔ مسلمان ان سے خشمگین ہو گئے اور خالد نے کہا:

> اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے ہمیں ان پر غالب کر دیا تو جب تک ان کے خون کا دریا نہ بہا دوں ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑوں گا۔

اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں کے مقابلے میں انہیں مغلوب کر دیا اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا کیا۔ تب خالد کے حکم سے منادی نے لوگوں کو آواز دی:

> اسیر بناؤ اسیر بناؤ اور صرف انہی افراد کو قتل کرنا جو تمہاری حکم عدولی کریں۔

پس سواروں کے دستے اسیروں کے گروہ کے گروہ ہانکتے ہوئے لے آئے۔ خالد نے ان پر ایسے افراد کو متعین کیا تھا جو دریا میں ان کی گرد مار دیں۔ وہ ایک دن اور ایک رات انہیں تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ وہ نہرین تک پہنچ گئے اور الیس کے چاروں طرف اتنے ہی فاصلے تک گئے اور ان کی گردنیں مار دیں۔ تب قعقاع اور اس جیسے لوگوں نے خالد سے کہا:

> اگر تم روئے زمین کے انسانوں کو قتل کر دو تب بھی ان کا خون جاری نہیں ہو گا۔ جب سے خون کو جاری ہونے سے منع کیا گیا ہے اور زمین کو خون چوسنے سے منع کیا گیا ہے تب سے وہ صرف ملنے پر اکتفاء کرتا ہے۔ پس اس خون پر پانی چھوڑ دو تا کہ تیری قسم پوری ہو جائے۔

اس نے دریا کے پانی کو بند کر رکھا تھا پھر اسے دوبارہ چھوڑ دیا۔ پانی چھوڑنے کے بعد خالص اور تازہ خون جاری ہو گیا۔ اس کے بعد سے اس دریا کو خونی دریا کا نام ملا اور آج تک اس کا یہی نام ہے۔ بشیر ابن حشاشیہ کے بشمول کچھ لوگوں نے کہا ہے:

> ہم نے سنا تھا کہ جب زمین نے آدم علیہ السلام کے بیٹے کے خون کو چوس لیا تو اسے مزید خون چوسنے سے منع کیا گیا تھا اور اسے بہنے سے بھی منع کیا گیا تھا مگر ایک اولے کے برابر۔

پھر کہتا ہے:

> اس دریا پر پن چکیاں تھیں۔ کم از کم اٹھارہ ہزار لشکر کے لئے تین دن کا کھانا انہی چکیوں کے ذریعے دریا کے پانی سے پیسا گیا جو سرخ تھا۔

اس کے بعد شہر امغیشیا کو تباہ کرنے کے بارے میں کہتا ہے: جب خالد جنگ الیس سے فارغ ہوا تو اس نے امغیشیا پر چڑھائی کر دی۔ اس نے لوگوں کو امغیشیا کے مال غنیمت کا شوق دلایا تھا۔ امغیشیا کے لوگ وہاں سے بھاگ چکے تھے اور آس پاس کی آبادیوں میں منتشر ہو گئے تھے۔ پس خالد نے شہر امغیشیا اور اس کے اندر موجود ہر چیز کو تباہ کرنے کا حکم دیا۔ امغیشیا حیرہ کی طرح کا ایک شہر تھا اور الیس اس کا اسلحہ خانہ تھا۔ مسلمانوں نے وہاں وہ چیزیں پائیں جس طرح کی چیزیں انہوں نے کہیں نہ پائی تھیں۔ سیف نے نہایت تفصیل کے ساتھ ان واقعات اور ان کے راویوں کو وضع کیا ہے۔ آیئے اس کی وضع کردہ مذکورہ دو واقعات پر غور وفکر کرتے ہیں۔

الیس اور امغیشیا کے بارے میں سیف کی روایت کا تنقیدی جائزہ

سیف کہتا ہے: الیس کی جنگ میں خالد نے عہد کیا تھا کہ وہ ان کے دریا کو ان کے خون سے رواں کرے گا۔ جب اسے فتح ہوئی تو اس نے دریا کے پانی کا رخ بدل دیا اور شکست خوردہ ایرانی فوجیوں نیز الیس کے چاروں طرف اور ان کی مسافت کے حدود میں واقع سرسبز و شاداب زمینوں میں آباد لوگوں کو اسیر بنا لیا۔ سوار دستے اسیروں کے قافلوں کے قافلے لے کر آ گئے۔ خالد نے ان پر ایسے افراد متعین کئے جو دریا کے کنارے ان کی گردنیں مار دیں۔ ایک دن اور ایک رات یہ سلسلہ جاری رہا اور زمین خون چوستی رہی پس قعقاع (جو سیف کا خود ساختہ صحابی ہے) اور اس جیسے چند لوگوں نے اس سے کہا:

> اگر تم روئے زمین کے تمام انسانوں کو قتل کر دو تب بھی ان کا خون جاری نہیں ہو گا۔ اس کے اوپر پانی چھوڑ دے تاکہ تیری قسم پوری ہو جائے۔

خالد نے اس کے اوپر پانی چھوڑ دیا تو تازا خون دریا میں بہنے لگا۔ اسی لئے اسے آج [illegible] خونی دریا کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے: اس کے بعد خالد امغیشیا گیا جو حیرہ کی طرح کا ایک شہر تھا۔ [illegible] امغیشیا اور اس کے اندر موجود ہر چیز کو تباہ کرنے کا حکم دیا اور وہاں کے مقتولین کی تعداد

ستر ہزار ہو گئی۔

رہی شہر امغیشیا کو تباہ کرنے کی بات تو واضح ہو کہ یہ شہر اور اس میں موجود اشیاء اور اس کی تباہی کی خبر سب کچھ سیف کی تخلیق ہے۔ البتہ تاریخ میں ہلاکو خان، چنگیز خان اور دیگر ظالموں کے ہاتھوں اس قسم کے اقدام کی مثال ملتی ہے۔ یہی معاملہ اسیروں کے قتل عام کا بھی ہے لیکن یہاں سیف نے خالد کے ساتھ ایسے کام کو منسوب کیا ہے جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں نہیں ملتی یعنی خالد کا ان لوگوں کے خون سے دریا بہانا اور یہ کہ اس کے بعد اب تک اس دریا کو خونی دریا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان واقعات کے علاوہ سیف نے ثنی، مذار مقر، فرات کے کنارے پر واقع بادقلی اور مصیخ کی جنگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کفار اس قدر قتل ہوئے کہ ان کی لاشوں سے ماحول بھر گیا۔ اس نے انہیں زمین پر پڑی ہوئی بھیڑ بکریوں سے تشبیہ دی ہے۔ ان کے علاوہ ثنی، زمیل اور فراض کی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے ان میں ایک لاکھ رومیوں کے قتل ہونے کی بات کی ہے۔ ان تمام جنگوں کے واقعات وغیرہ سیف کے خود ساختہ ہیں۔ تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر، البدایہ والنہایہ ابن کثیر اور تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں ان کا ذکر ہوا ہے حالانکہ یہ سب فرضی واقعات ہیں۔ میں نے عبداللہ بن سبا کی دوسری جلد میں ''سیف کی روایت میں اس بات کا ذکر کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا'' کے عنوان سے ان جنگوں کے واقعات اور ان کی اسناد پر تبصرہ کیا ہے۔

> ذرا سوچئے کہ اس قسم کی بے بنیاد تاریخ کی موجودگی میں کیا اسلام کے دشمنوں کو یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟

کیا اب بھی اس بات میں شک کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ اس قسم کی تاریخ لکھنے سے سیف کا مقصد کیا تھا اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کے ارادے کیا تھے؟ تاریخ اسلام میں سیف کے ہاتھوں اس قدر جعل سازی اور دست درازی کی وجہ اس کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے وہ باطن میں کافر تھا اور ظاہراً مسلمان جیسا کہ علماء نے اس کے بارے میں یہی کہا ہے۔ آخر میں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا مورخین کے امام طبری، ان کے علامہ ابن اثیر، ان کے ابن کثیر، ان کے فلسفی ابن خلدون اور اس قسم کے دسیوں افراد مثلاً ابن عبدالبر، ابن عساکر، ذہبی اور ابن حجر وغیرہ سے یہ سب کذب و افتراء پوشیدہ تھے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انہی حضرات نے سیف کو جھوٹا اور زندیق کہا ہے طبری اور ابن اثیر نے اپنی تواریخ میں جنگ ذات السلاسل کے بارے میں کہا

ہے:

اس بارے میں سیف کے بیانات سیرت نگاروں کے بیانات سے
ہم آہنگ نہیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ یہ حضرات سیف کو جھوٹا اور زندیق سمجھنے کے باوجود اس کی روایات کا سہارا لیتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ سیف نے اپنی خودساختہ اور جھوٹی باتوں پر حکمران صحابیوں کے فضائل کی ترویج کا خوبصورت لیبل لگایا ہے۔ اسی لئے علمائے مکتب خلفاء نے ان روایات کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری طاقت صرف کی ہے حالانکہ ان کو رویات کی خودساختگی کا علم تھا۔

فتوحات عراق میں اس نے اپنی من گھڑت باتوں کو خالد بن ولید کے فضائل کے نام سے بیان کیا ہے۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے جھوٹا قول منسوب کیا ہے کہ انہوں نے شہر امغیشیا کی تباہی اور الیس کی جنگ کے بعد کہا:

اے قریش والو! تمہارے شیر نے شیر پر حملہ کیا اور اس کے گوشت کے ٹکڑوں پر اسے فتح حاصل ہوئی۔ عورتیں خالد جیسے افراد کو جننے سے عاجز ہیں۔

مرتدوں کے ساتھ جنگوں کی خودساختہ داستانوں کو اس نے فضائل حضرت ابوبکرؓ کے خوبصورت فریم میں سجا کر پیش کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں شام اور ایران کی فتوحات نیز حضرت عثمانؓ کے دور کے فتنوں اور حضرت علی(ع) کے دور میں ہونے والے جنگ جمل کے بارے میں بھی اس نے اپنی خود ساختہ کہانیوں میں یہی روش اپنائی ہے۔ کیونکہ اس نے ان سب کو حکمران طبقے کی تعریف و توصیف سے مزین کیا ہے اور ان میں حکمران طبقے کو اعتراضات و تنقیدات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی بناء پر سیف کی روایات کو ترویج حاصل ہوئی اور اس کے جھوٹے افسانوں کی تشہیر ہوئی۔ یوں صحیح روایات بھلا دی گئیں اور بے توجہی کا شکار ہوئیں حالانکہ سیف کی وضع کردہ روایات میں غالباً صحابہ کی فضیلت کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ درحقیقت وہ ان کی مذمت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ حضرات کیوں کر نہیں سمجھ سکے کہ خالد کا ہزاروں لوگوں کو خون کی ندی بہانے کے لئے دریا کے کنارے لا کر قتل کرنا اس کے لئے فضیلت کا باعث نہیں اور نہ ہی اس کے ہاتھوں شہر امغیشیا کی بربادی وغیرہ کوئی مستحسن کام ہے۔ البتہ یہ کام صرف ان زندیقوں کے نزدیک قابل تعریف ہوسکتا ہے جو زندگی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زندگی نور کا قید خانہ ہے اور اس نور کو قید سے آزاد کرنے کے لئے زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بہرحال سیف کی بے قیمت کوششوں کی ترویج کا راز یہی ہے کہ اس نے اپنی روایات پر ''بزرگوں'' کی فضیلتوں کا رنگ چڑھایا ہے۔ حکمرانوں کے فضائل کی نشر و اشاعت اور ان کی حمایت کے شدید جذبے نے مکتب خلفاء کے حامیوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان باتوں کی ترویج کریں جو بظاہر ''بزرگوں'' کی تعریف و تمجید پر مبنی ہیں اگرچہ درحقیقت ان میں تعریف کا کوئی پہلو موجود نہ ہو۔ ان سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ سیف نے حکمران طبقے کی ظاہری توصیف و تعریف پر مبنی روایات وضع کرنے اور اسلام کو برباد کرنے کے لئے ان میں اپنی من پسند باتیں شامل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے رسول اللہ(ص) کے ایسے فرضی اصحاب وضع کر لئے جنہیں اللہ نے کبھی خلق ہی نہیں فرمایا۔ اس کے بعد سیف نے ان سے منسوب کرنے کے لئے جی بھر کر من پسند کرامات، فتوحات، اشعار اور مناقب کے ڈھیر لگا لئے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مکتب خلفاء کے حامی ہر اس چیز کا سہارا لیتے ہیں جس سے حکمرانوں کی تعریف کا پہلو نکلتا ہو خواہ جس طریقے سے بھی ہو۔ اسی لئے اس نے اسلام کی بربادی کی خاطر جی بھر کر جعلسازی کی۔ وہ اپنی جعلسازیوں کے معاملے میں ان لوگوں سے پر امید تھا اور اندر سے مسلمانوں کی سادگی پر خندہ زن تھا۔ پھر ان لوگوں نے بھی سیف کی توقعات کو رائیگاں نہیں جانے دیا اور وہ تیرہ سو سال تک اس کی من گھڑت باتوں کی ترویج کرتے رہے۔

یہ تھیں اسلام پر کاری ضربت لگانے کے لئے سیف کی وضع کردہ روایات کے نمونے جن کو اس نے بڑے بڑے صحابہ و تابعین (جو حکمران تھے) کی فضیلتوں کے خوبصورت فریم میں سجا کر پیش کیا ہے۔ اب ہم ذیل میں ان روایات کے کچھ نمونے پیش کریں گے جن کو اس نے مکتب خلفاء کی ان مشکلات کے حل کے روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن سے یہ مکتب فکر صدیوں تک روبرو رہا۔

وصی کے نام سے حضرت علی علیہ السلام کی شہرت مکتب خلافت کے لئے صدیوں تک دردسر بنی رہی

گزشتہ بحثوں میں ہم نے دونوں مکتب فکر کے درمیاں وصیت سے متعلق روایات کے بارے میں حضرت عائشہؓ کے دور سے لے کر ابن کثیر کے دور تک سو سال کے دوران جاری رہنے والے نظریاتی معرکے کا مشاہدہ کیا۔ وصیت کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی آپ(ص) کے مقصود کی نشاندہی ہوتی ہے جن میں آپ(ص) نے حضرت علی(ع) سے لے کر امام مہدیؑ تک اپنی آل کے استحقاق حکومت کا ذکر فرمایا: مثال کے طور پر حدیث غدیر اور وہ

حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ علی(ع) رسول(ص) کے بعد ولی امر اور آپ(ص) کے وارث ہیں۔
اس کے مقابلے میں مکتب خلفاء ان احادیث کو آل رسول(ص) کی خالی فضیلت پر محمول کرتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ علمائے اہل کتاب جب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی کے بارے میں بات کرتے تھے تو اس سے ان کا مقصود صرف اور صرف حضور(ص) کے بعد آپ(ص) کا ولی عہد ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ جب حضرت علی(ع) کے حامی اپنے خطبوں اور اشعار میں وصیت کا ذکر کرتے ہوئے حکومت پر حضرت علی(ع) کے حق پر استدلال کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وصیت ان تمام احادیث کی طرف اشارہ تھی جن میں آل رسول(ص) کے حق کا تذکرہ ہوتا تھا اور ان سب کو شامل تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے عہد عثمانؓ میں، مالک اشترؒ نے حضرت علی(ع) کی بیعت کے دن، محمد بن ابوبکرؓ نے معاویہ کے نام خط میں، مہاجرین و انصار نے جنگ جمل و صفین کے دوران اپنے اشعار میں امام حسنؑ نے لوگوں سے بیعت لیتے وقت اپنے خطبے میں امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں لشکر خلافت سے خطاب فرماتے ہوئے وصایت کے ذریعے اہل بیتؑ کے حق حکومت پر استدلال کیا۔ گویا وصیت کے ذریعے ان کا استدلال ان تمام احادیث سے بھی استدلال کے مترادف تھا۔ علاوہ بر ایں حکومت کا مطالبہ کرنے والے علویوں کی تحریکیں امام حسینؑ کی شہادت کے ساتھ ختم نہیں ہوئیں بلکہ خلفائے عصر کے خلاف ان کی انقلابی بغاوتیں عباسیوں کے دور تک جاری رہیں۔ اس دور کے صدیوں پر محیط سیاسی معرکے میں مکتب خلفاء کے لئے سب سے بڑا دردسر حضرت علی(ع) کو حاصل یہ شہرت تھی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔ کیونکہ حکومت کا مطالبہ کرنے والے علوی اس نکتے کے ذریعے اس نقطہ نظر سے استدلال کرتے تھے کہ یہ شہرت امام علی(ع) اور آپ کی اولاد کے حق میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح فرمان پر دلالت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مامون کے ذریعے استدلال کا طریقہ اپنایا اور حضرت امام رضاؑ کو اپنا ولی عہد بنایا۔ یوں اس نے تمام مقامات پر علوی تحریکوں کو خاموش کر دیا۔ نیز مامون نے ان چیدہ چیدہ افراد کو دارالخلافہ میں جمع کیا اور ان میں اکثر کو زہر کے ذریعے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں اسے علویوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ بنابرایں وصی ہونے کے ناطے حضرت علی(ع) کی شہرت صدیوں تک مکتب خلفاء کے لئے دردسر بنی رہی۔
لیکن دیکھئے کہ سیف نے اس مشکل کو کس طرح حل کیا۔

سیف اور مکتب خلفاء کی مشکل کا حل

ہم اس سے قبل دیکھ چکے کہ مکتب خلفاء ان روایات کو چھپانے کی کیا کیا کوششیں کرتے

ہیں جن میں وصیت کا ذکر ہو اور اس مقصد کے لئے حذف، تحریف نیز راویوں اور ان روایات سے استدلال کرنے والوں کی تضعیف کے علاوہ وصیت پر صریحاً دلالت کرنے والی روایات کی تاویل کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی شخص روایات وضع کر کے اس مشکل مسئلے کا حل پیش کرنے اور حقائق میں تحریف کر کے بالکل برعکس باتوں کو سامنے لانے میں سیف کی برابری نہ کر سکا۔ یہاں ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

الف۔ طبری نے ۳۵ھ کے واقعات کی ابتدا میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:[1]

سیف نے عطیہ سے اور اس نے یزید فقعسی سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا صنعا کا باشندہ یہودی تھا۔ اس کی ماں کا نام سوداء تھا۔ وہ عثمانؓ کے دور میں مسلمان ہوا۔ پھر وہ مسلمان علاقوں میں انہیں گمراہ کرنے کی کوشش میں پھرتا رہا۔ اس کام کی ابتدا اس نے حجاز سے کی، پھر بصرہ، اس کے بعد کوفہ اور ازاں بعد شام کی باری آئی۔ وہ کسی شامی کے پاس اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر شامیوں نے اسے نکال دیا اور وہ مصر آ گیا اور وہیں بس گیا اور باتوں باتوں میں ان سے کہا: مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام واپس آ جائیں گے لیکن اس بات سے انکار کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جس (خدا) نے تیرے اوپر قرآن نازل کیا وہ ضرور تمہیں ٹھکانے تک لوٹا دے گا۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ[2] بنابریں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ واپسی کے سزاوار ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ اس کی یہ بات مقبول ہوئی اور اس نے رجعت کا نظریہ وضع کیا جو لوگوں کا موضوع گفتگو بن گیا پھر اس نے ان لوگوں سے کہا:

ایک ہزار نبی تھے۔ ہر نبی کا ایک وصی تھا اور محمد(ص) کا وصی علی(ع) ہے۔

پھر اس نے کہا:

محمد(ص) خاتم الانبیاء اور علی(ع) خاتم الاوصیاء ہے۔

پھر کہا:

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو وصیت رسول(ص) کو نافذ نہ کرے، وصی رسول(ص) کا مقابلہ کرے اور امت کی امارت پر قبضہ

---

[1] تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۲۹۴۱، ۲۹۴۴ طبع یورپ [2] قصص آیت ۸۵

کرے؟

پھر ان سے کہا:

عثمانؓ نے امارت پر ناحق قبضہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی علی(ع) ہے۔ پس اس معاملے میں قیام کرو اور اسے ہلا کر رکھ دو۔ اپنے حکمرانوں پر تنقید کرو۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے بہانے کام کرو تاکہ لوگوں کے دل جیت لو اور لوگوں کو اس امر کی دعوت دو۔

پھر اس نے اپنے داعی ہر طرف پھیلا دیئے اور علاقوں میں مفسدین کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی از منکر کا دکھاوا کیا اور مختلف علاقوں کو وہاں کے والیوں کے خودساختہ عیوب پر مشتمل خطوط لکھے۔ وہاں سے ان کے ساتھی انہیں اسی قسم کا جواب دیتے تھے۔ ہر شہر میں رہنے والے ان کے ساتھی اپنی کارکردگی سے دوسرے شہروں میں رہنے والے ساتھیوں کو خط کے ذریعے آگاہ کرتے تھے۔ ہر کوئی ان خطوط کو اپنے اپنے شہر میں پڑھ کر سناتا تھا۔ یہاں تک کہ اس طریقے سے وہ مدینہ پر بھی چھا گئے۔ انہوں نے روئے زمین پر پروپیگنڈے کا دائرہ خوب پھیلایا۔ ان کے باطنی ارادے کچھ اور تھے لیکن ظاہری اعمال کچھ اور۔ بعض کاموں کو چھپاتے تھے اور بعض کو ظاہر کرتے تھے۔ ہر شہر کے لوگ یہی کہتے تھے کہ فلاں لوگوں کے برعکس ہم تو عافیت سے زندگی گزار رہے ہیں سوائے اہل مدینہ کے۔ انہی تمام شہروں سے اس قسم کی خبریں ملیں تو کہنے لگے:

ہم تو لوگوں کے برعکس بعافیت ہیں۔

محمد اور طلحہ یہاں سے اس کے ہمنوا ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ وہ عثمانؓ کے پاس آئے اور بولے:

اے امیر المومنین! کیا ہماری طرح آپ کو بھی لوگوں سے خبریں وصول ہو رہی ہیں؟

بولے:

نہیں اللہ کی قسم مجھے تو صرف سلامتی کی خبریں مل رہی ہیں۔

بولے:

اسی لئے ہم حاضر خدمت ہوئے ہیں۔

پھر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس چیز کی خبر دی جسے لوگوں نے ان تک پہنچایا تھا۔

انہوں نے کہا:

تم لوگ میرے شریک کار اور مومنین کے گواہ ہو۔ پس مجھے مشورہ دو۔

بولے:

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے بااعتماد افراد کو شہروں میں روانہ کریں تاکہ وہ وہاں کی خبریں آپ کے پاس لائیں۔

پس حضرت عثمانؓ نے محمد ابن مسلمہ کو بلا کر کوفہ بھیجا۔ حضرت اسامہؓ بن زید کو بصرہ، حضرت عمارؓ بن یاسر کو مصر اور حضرت عبداللہؓ بن عمر کو شام بھیجا۔ ان کے علاوہ دیگر افراد بھی پھیلا دیئے۔ یہ سب حضرت عمارؓ سے پہلے واپس لوٹ آئے اور بولے:

لوگو ہم سے کوئی چیز پوشیدہ ہے نہ بڑے بڑے مسلمانوں سے اور نہ ہی مسلمان عوام سے۔

ان سب نے کہا:

فیصلہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے لیکن ان کے امراء ان کے درمیان ناانصافی کرتے ہیں اور وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

لوگوں نے عمارؓ کی تاخیر کو محسوس کیا اور یہ خیال کرنے لگے کہ کہیں وہ دھوکے سے قتل نہ کئے گئے ہوں لیکن انہیں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا خط ملا جس میں انہیں اطلاع دی گئی تھی کہ عمار بن یاسرؓ کو لوگوں کی ایک جماعت نے رام کر لیا ہے اور اس کے ساتھ ان کے تعلقات مستحکم ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن سوداء، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر شامل ہیں۔

ب۔ ذہبی نے ۳۵ھ کے واقعات کے تذکرے کی ابتدا میں درج ذیل دو حدیثیں نقل کی ہیں:

پہلی حدیث: سیف بن عمر نے عطیہ سے اور اس نے یزید فقعسی سے نقل کیا ہے کہ جب ابن سوداء مصر گیا تو وہ ایک بار کنانہ بن بشر کے پاس اور ایک بار سودان بن حمران کے پاس گیا۔ پھر اس غافقی سے خصوصی روابط بنا لئے۔ غافقی نے اس کا سر پھوڑ دیا اور اسے زخمی کر دیا۔ خالد بن ملجم، عبداللہ بن رزین اور اس قسم کے دوسرے لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ اس نے گفتگو کا رخ ان کی طرف موڑا لیکن انہوں نے وصیت کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا.....الخ۔ یہ حدیث بہت طویل ہے۔

دوسری حدیث: مذکورہ بالا حدیث کے بعد ذہبی نے مصر میں عمارؓ کی سرگزشت یوں بیان کی ہے: سیف نے مبشر اور سہل بن یوسف سے محمد بن سعد بن ابی وقاص سے نقل کیا ہے کہ عمارؓ بن یاسر مصر سے لوٹا جبکہ میرا باپ (سعدؓ) اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میرے باپ کو خبر ملی تو اس نے مجھے عمارؓ کے پاس بھیجا تا کہ اسے بلاؤں۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ اس وقت وہ ایک میلے عمامے اور پوستین کے جبے میں ملبوس تھا۔ جب وہ سعدؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا:

اے ابو یقظان وائے ہوتم پر۔ اگر تم ہمارے ہاں ہوتے تو اچھا ہوتا۔ تیرے بارے میں میں کیا سن رہا ہوں؟ میں نے سنا ہے کہ تم مسلمانوں کے درمیان فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہو اور امیر المومنین کے خلاف اکٹھے ہو گئے ہو۔ تمہاری عقل ٹھیک ہے یا نہیں؟

یہ سن کر عمارؓ نے اپنے عمامے کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے اور غصے میں اسے اتارا اور کہا:

میں عثمانؓ کو اسی طرح معزول کرتا ہوں جس طرح میں نے اپنا عمامہ اتارا ہے۔

سعدؓ نے کہا:

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وائے ہوتم پر اب جبکہ تم سن رسیدہ ہو چکے ہو، تمہاری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور تمہاری عمر ختم ہونے کو ہے اس وقت تم اپنی گردن سے اسلام کی اطاعت کے طوق کو اتار رہے ہو اور دین کے دائرے سے مکمل طور پر خارج ہو رہے ہو۔

یہ سن کر حضرت عمارؓ غصے میں اپنا رخ پھیرتے ہوئے کھڑے ہو گئے او کہنے لگے:

میں سعد کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

سعد نے (قرآن کی یہ آیت) پڑھی:

آگاہ رہو کہ وہ فتنے میں گر گئے۔ خدایا عثمانؓ کے لئے اس کے عفو اور حلم کے باعث اپنے ہاں درجات میں اضافہ فرما۔

پھر عمارؓ دروازے سے باہر نکل گئے تو سعد روتے ہوئے میرے پاس آئے یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی اور بولے:

کون ہے جو فتنے سے محفوظ ہو۔ اے میرے بیٹے تم نے عمارؓ سے جو بات سنی ہے اسے ہرگز فاش نہ کرنا کیونکہ یہ ایک امانت ہے اور

مجھے یہ پسند نہیں کہ لوگ اس بات سے چمٹ جائیں اور اس کی ترویج کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الحق مع عمار مالم تغلب علیه ولهة الکبر۔

حق عمارؓ کیساتھ ہے جب تک اس پر بڑھاپے کی بدحواسی غالب نہ آجائے۔ اب وہ بڑھاپے کی وجہ سے بدحواس اور فاسد العقل ہو چکے ہیں۔

عثمانؓ کے خلاف قیام کرنے والوں میں محمدؓ بن ابی بکر بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ سے محمدؓ بن ابی بکر کی بغاوت کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا: غصہ اور طمع۔ اسے اسلام کے اندر ایک مقام حاصل تھا لیکن بعض لوگوں نے اسے دھوکہ دیا پس وہ لالچ کے پھندے میں پھنس گیا اسے حکومت میں حق حاصل تھا لیکن عثمانؓ نے اسے اس حق سے محروم کر دیا۔

ج۔ طبری نے ۳۰ھ کے واقعات میں ابوذر کے واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

سیف نے عطیہ اور اس نے یزید فقعسی سے روایت کی ہے کہ جب ابن سوداء شام پہنچا تو اس کی ابوذر غفاریؓ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا؛

اے ابوذرؓ کیا تمہیں معاویہ پر تعجب نہیں ہوتا جو یہ کہتا ہے کہ سارا مال اللہ کا ہے؟ آگاہ رہو کہ یقیناً ہر چیز خدا کی ہے۔ گویا وہ چاہتا ہے کہ مال کو اپنی طرف کھینچ لے، مسلمانوں کو محروم رکھے اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دے۔

پس حضرت ابوذرؓ معاویہ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے:

تم کس لئے مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کہتے ہو؟

معاویہ نے کہا:

اے ابوذر اللہ تجھ پر رحم کرے۔ کیا ہم اللہ کے بندے نہیں؟ کیا مال اللہ کا، بندے خدا کے اور حکم اللہ کا نہیں؟

فرمایا:

پس تم یہ نہ کہو۔ کیا میں یہ نہیں کہتا کہ یہ اللہ کا نہیں؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابن سوداء، حضرت ابودرداءؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

تم کون ہو؟ اللہ کی قسم میں تمہیں یہودی سمجھتا ہوں۔

اتنے میں عبادہؓ بن صامت آئے اور اس سے چمٹ گئے۔ پھر اسے لے کر معاویہ کے پاس گئے اور کہا:

> اللہ کی قسم اس شخص نے ابوذرؓ کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔

ابوذرؓ شام میں مقیم رہے اور کہتے تھے:

> اے امیر لوگو! غریبوں کی دلجوئی کرو۔ سونا چاندی جمع کرنے والوں اور ان کو راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کو آگ سے تپتے ہوئے لوہے کی خبر سناؤ جن کے ذریعے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔

حضرت ابوذرؓ اسی عادت پر قائم رہے یہاں تک کہ فقراء ان کی باتوں پر فریفتہ ہو گئے اور انہوں نے مذکورہ امر کو امیروں پر واجب قرار دیا یہاں تک کہ امیروں نے اپنے ساتھ فقیروں کے سلوک کی شکایت کی۔ پس معاویہ نے عثمانؓ کو لکھا کہ ابوذرؓ نے میری ناک میں دم کر دیا ہے۔ عثمانؓ نے اسے جواب لکھا:

> فتنہ ایک درندے کی طرح اپنے دانت اور اپنی آنکھیں دکھا چکا ہے اور جلد ہی چھلانگ لگانے والا ہے۔ پس اس پھوڑے کو نہ چھیلو اور ابوذرؓ کو میرے پاس بھیجو۔ اس کے ساتھ ایک رہنما بھی روانہ کرو۔ اس کے لئے زاد سفر کا بندوبست کرو۔ اس کے ساتھ نرمی کرو اور جہاں تک ہو سکے لوگوں کو اور اپنے نفس کو باز رکھو کیونکہ وہ بھی اس چیز میں متمسک ہے جس چیز سے تم متمسک ہو۔

پس معاویہ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک رہنما کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ جب وہ مدینہ پہنچا اور مقام سلع کے پاس لوگوں کے اجتماعات کو دیکھا تو بولا:

> اہل مدینہ کو ایک ہمہ گیر غارت گری اور ایک سخت جنگ کی خبر دو۔

پھر وہ عثمانؓ کے پاس گیا تو انہوں نے کہا:

> اے ابوذرؓ اہل شام تیری زبان کی تیزی کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟

کہنے لگے:

> مال کو خدا کا مال نہیں کہنا چاہیے اور امیروں کو مال کا غلام نہیں بننا چاہیے۔

بولا:

> اے ابوذرؓ یہ میری ذمہ داری ہے کہ جو حق میرے اوپر ہے اسے ادا کروں اور جو حق عوام کے اوپر ہے اسے لے لوں نیز انہیں قناعت پر مجبور نہ کروں اور ان کو کوشش اور میانہ روی کی دعوت دوں۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا:

> پس مجھے باہر جانے کی اجازت دو کیونکہ میں مدینہ میں نہیں رہ سکتا۔

بولا:

> کیا اس کے بدلے ایسی جگہ کا انتخاب کرو گے جو اس سے بدتر ہو؟

ابوذرؓ نے کہا:

> مجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب عمارتیں سلع کی حدود تک چھو لیں تو مدینہ سے نکل جاؤ۔

بولا:

> پس اس حکم پر عمل کرو۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ مدینہ سے نکل گئے یہاں تک کہ ربذہ میں ٹھہر گئے اور وہاں ایک مسجد کی لکیر کھینچی۔ عثمانؓ نے انہیں اونٹوں کے دو گلے اور دو غلام دئے اور پیغام بھیجا کہ مدینہ کو مکمل طور پر ترک نہ کرو اور شہر کی زندگی ترک کر کے دوبارہ بادیہ نشین نہ بنو۔ پس ابوذرؓ نے ایسا ہی کیا۔[1]

فتنوں کے بارے میں سیف کی روایات کا تحقیقی جائزہ

سیف نے یہ روایت اور اسی طرح کی دیگر روایات اس لئے گھڑیں تاکہ اموی خلفاء معاویہ اور مروان دیگر اموی امراء یعنی ولید، سعد بن ابی سرح اور بنی امیہ کے دیگر بزرگان کی حمایت کرے۔ پھر ان فتنوں کے بارے میں اس کی خودساختہ کہانیاں اسلام کے علمی و تحقیقی ماخذ میں جنگل کی آگ کی طرح سرایت کر گئیں۔ اس حقیقت کو ہم نے ''عبداللہ بن سباء'' کی پہلی جلد کی ابتدا میں دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی کتاب۔ ''احادیث ام المومنین عائشہؓ'' کی پہلی جلد میں ''عصر الصھرین'' اور ''مع معاویہ'' نامی فصلوں میں ان فتنوں کے بارے میں صحیح روایات کو واضح کیا ہے۔ اب ہم یہاں سیف کی سابقہ روایات میں جعلسازی اور تحریف کے مختلف طریقوں

---

[1] تاریخ الطبری ج ۱ صفحہ ۲۸۵۸، ۲۸۵۹ طبع اورپا۔

کی مثالوں کی نشاندہی کریں گے۔

سیف کی مذکورہ بالا روایتوں میں جعل سازی اور تحریف کے شواہد

سابقہ روایات میں خود ساختگی کی مثالیں

سیف کی گزشتہ روایات میں تحریف و جعلسازی کی اقسام کے نمونے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

پہلی مثال: سیف نے ان راویوں کو گھڑا ہے: عطیہ، مبشر، سہل بن یوسف اور یزید فقعسی۔ تفصیل کچھ یوں ہے:

عطیہ: سیف نے اس سے مراد عطیہ بن بلال بن ابو بلال ہلال ضبی کو قرار دیا ہے۔ اس نے عطیہ کے لئے ایک بیٹا بھی گھڑا ہے جس کا نام صعب رکھا ہے۔ سیف نے اپنی بعض جعلی روایات کو ان سے منسوب کیا ہے۔ گاہے بیٹا باپ سے اور گاہے دوسروں سے نقل کرتا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''جعلی راویان حدیث'' میں ان پر تحقیقی تبصرہ پیش کیا ہے اور ان تمام روایات کا ذکر کیا ہے جنہیں سیف نے ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں سیف کے خود ساختہ صحابی قعقاع کے حالات میں نیز عبداللہ بن سبا (جلد اول) میں علاء بن حضرمی کے واقعے میں ان روایات کا موازنہ پیش کیا ہے جنہیں سیف نے ان سے نقل کیا ہے۔

سہل بن یوسف: سیف نے اس کا نسب یوں بیان کیا ہے: سہل بن یوسف بن سہل بن مالک انصاری۔ ہم نے ان کے حالات زندگی اور سیف کی ان سے نقل کردہ تمام روایات کو اپنی کتاب ''رواۃ مختلقون '' میں بیان کیا ہے۔ علاوہ بریں ہم نے ''ایک سو پچاس جعلی صحابہ'' نامی کتاب میں قعقاع کے حالات کے بیان میں ان روایات کا جائزہ لیا ہے جنہیں سیف نے ان سے نقل کی ہے۔

مبشر: اس کی ولدیت سیف نے فضیل لکھی ہے۔ مبشر اور اس سے مروی سیف کی روایات ہم نے اپنی کتاب عبداللہ بن سباء (جلد اول) میں سقیفہ کے واقعے میں بیان کی ہیں۔

یزید فقعسی: ہم نے حدیث، سیرت، تاریخ، ادب، طبقات اور رجال کی جن کتابوں کو کریدا ہے ان میں یزید فقعسی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ تاریخ طبری میں سیف سے مروی یزید کی پانچ روائتیں ملتی ہیں اور ذہبی کی تاریخ اسلام میں ایک روایت ملتی ہے۔ گویا خدا نے اسے فقط اس

لئے خلق کیا تھا کہ سیف ہی اس سے روایت کرے۔ اسی لئے ہم نے اسے سیف کا خود ساختہ راوی قرار دیا ہے۔

دوسری مثال: سیف نے گزشتہ روایات میں غافقی وغیرہ کو گھڑا ہے۔ گفتگو میں طوالت سے احتراز کرتے ہیں۔

مذکورہ روایتوں کی عبارتوں میں بھی سیف نے درج ذیل باتوں کو گھڑا ہے:

الف۔ ان فتنوں کے بیان میں عبداللہ بن سبا کا افسانہ۔ سیف کے خود ساختہ نکات سے آگاہی کے لئے ان واقعات کا صحیح روایات سے موازنہ کرنا کافی ہے جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب ''احادیث عائشہؓ'' و''فی عصر الصهرین'' اور''مع معاویہ'' نامی فصلوں میں کیا ہے۔

ب۔ ان خود ساختہ نکات میں سے ایک نکتہ یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی عمار یاسرؓ اور ابوذر غفاریؓ کو عبداللہ بن سبا کا پیروکار قرار دینا ہے جسے سیف نے یمن کا ایک یہودی فرض کیا ہے۔ عمارؓ اور ابوذرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ و تابعینؒ کو بھی ابن سبا کے پیروکاروں میں شامل کیا ہے اور ان کا نام سبائیہ رکھا ہے۔

ج۔ سیف نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بعض لوگوں کو شکایتوں کی تحقیق کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجنے کا افسانہ تراشا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عمار یاسرؓ کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام روانہ کیا اور یہ کہ وہ سب والیوں سے عوام کی خوشنودی کی خبریں لے کر لوٹے سوائے عمارؓ کے جو عبداللہ بن سبا یہودی کی متابعت اور مصر میں فساد کراتا رہا۔

سیف نے ان تمام واقعات کو تفصیل کے ساتھ گھڑا ہے لیکن اس کے علاوہ کسی مورخ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ پس اس بارے میں صحیح روایت وہی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب ''احادیث عائشہؓ '' میں انساب الاشراف (بلاذری) وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

د۔ سیف نے ابوذرؓ اور معاویہ کا قصہ تراشا ہے اور اس میں تحریف کی ہے۔ اس واقعے کے بارے میں بھی صحیح روایات وہی ہیں جنہیں ہم نے اپنی کتاب ''احادیث عائشہؓ'' میں نقل کیا ہے۔

ہ۔ سیف کی دیگر من گھڑت باتوں میں سے ایک (اس کے بقول) خط و کتابت کا وہ سلسلہ ہے جو حضرت عثمانؓ اور ان کے والیوں کے درمیان نیز دوسرے لوگوں کے درمیان چلا۔

رہی روایات میں تحریف کی بات تو اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سابقہ روایات میں تحریف کی مثالیں

الف۔ ناموں میں تحریف: سیف نے حضرت علی (ع) کے قاتل عبدالرحمان بن ملجم اور جنگ نہروان میں خوارج کے ایک سردار عبداللہ بن وہب سبائی کے ناموں میں تحریف کی ہے اور ان دونوں کو بالترتیب خالد ابن ملجم اور عبداللہ بن سبا کے نام سے یاد کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب عبداللہ بن سبا (جلد۲) کی فصل ''تصحیف وتحریف'' میں اس بات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

ب۔ واقعات میں تحریف: مثال کے طور پر عبادہؓ بن صامت اور معاویہ کے واقعے میں تحریف[1] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رجعت کے نظریئے کے بارے میں تحریف اور اس کا یہ قول کہ اس کا گھڑنے والا ابن سبا ہے۔ یہاں نظریہ رجعت پر قرآن وسنت کی روشنی میں بحث کی گنجائش نہیں کیونکہ اس سے بات طول پکڑ جائے گی۔ یہاں ہم جواباً ایک روایت کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں جو یہ ہے:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ سنخ کے مقام پر اپنے گھر میں موجود تھے۔ اس وقت حضرت عمرؓ یہ کہنے لگے:

کچھ منافقین یہ سوچتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے ہیں جبکہ آپ نہیں مرے بلکہ وہ اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں جس طرح موسیٰ ؑ بن عمران گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس دن تک غائب رہے تھے۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا گیا کہ آپ مر گئے ہیں تو بولے:

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور واپس آئیں گے۔[2]

علاوہ ازیں سیف نے وصیت کے قصے میں بھی تحریف کرتے ہوئے اسے ابن سبا یہودی سے منسوب کیا ہے۔ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

نیز سیف نے حضرت عمارؓ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں بھی تحریف کی ہے اور یوں کہا ہے:

الحق مع عمار مالم تغلب علیه ولهة الكبر۔

---

[1] اس بارے میں صحیح واقعے کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب ''احادیث عائشہؓ '' کی فصل ''مع معاویہ'' میں کیا ہے۔
[2] اس واقعہ کی تفصیلات ہماری کتاب ''عبداللہ بن سبا'' جلد اول میں دیکھیں۔

حق عمارؓ کے ساتھ ہے، جب تک اس پر بڑھاپے کی بدحواسی کا غلبہ نہ ہو جائے۔

نیز سیف نے کہا ہے کہ سعد نے کہا:

عمارؓ بڑھاپے کے باعث بدحواس اور فاسد العقل ہو گیا ہے۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمارؓ کے بارے میں درج ذیل حدیث منقول ہے: عبداللہؓ بن مسعود سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا اختلف الناس كان ابن سمية مع الحق۔[1]

جب لوگ باہم اختلاف کریں تو سمیہ کا بیٹا حق کے ساتھ ہوگا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت علی (ع) نے عمارؓ کی شہادت پر فرمایا:

بلاشبہ عمارؓ حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے۔ حق جس طرف گھومے عمارؓ اس طرف گھومتا ہے۔[2]

سیف نے عمار کے حق میں وارد اس حدیث میں تحریف کرتے ہوئے اضافہ کیا:

ما لم تغلب علیه و لهة الكبر۔

جب تک اس پر بڑھاپے کی بدحواسی غالب نہ آ جائے۔

عمارؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ابن ہشام نے مسجد رسول (ص) کی تعمیر کے واقعے میں نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے عمارؓ کی مخالفت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یہ لوگ عمار سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ ان لوگوں کو جنت کی طرف بلا رہا ہے اور وہ لوگ اسے جہنم کی طرف بلا رہے ہیں۔ عمارؓ میری آنکھ اور ناک کی درمیانی جلد ہے۔ پس جو شخص اس مرتبے تک پہنچ جائے اسے ستانے سے باز رہو۔

اس حدیث کو ابن ہشام نے نقل کیا ہے لیکن اس شخص کا نام نہیں لکھا جس نے عمارؓ کی مخالفت کی تھی۔ سیرت ابن ہشام کی شرح میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں:

یہ شخص عثمانؓ بن عفان تھے۔

اس واقعہ کی تفصیل ہماری کتاب ''احادیث عائشہؓ'' کی فصل ''فی عهد الصهرین''

---

[1] تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ صفحہ ۱۷۹، البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۲۷۰
[2] طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۲۶۲ طبع بیروت

میں ملاحظہ ہو۔

رہے حضرت ابوذر غفاریؓ تو ان کے بارے میں ارشاد رسول (ص) ہے:

آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو زمین نے اٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو۔[1]

فتنوں کے بارے میں سیف کی روایات کا دیگر روایات سے موازنہ

ذہبی اپنی تاریخ میں دور عثمانؓ کے فتنوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

زہری سے مروی ہے کہ عثمانؓ نے خلافت سنبھالی اور چھ سال تک لوگوں کی طرف سے کسی قسم کی ناراضگی کا سامنا کئے بغیر حکومت کرتے رہے۔ وہ لوگوں کے نزدیک حضرت عمرؓ سے زیادہ محبوب تھے کیونکہ حضرت عمرؓ ان پر سخت گیری کرتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ نے امارت سنبھالی تو ان کے ساتھ نرمی کی اور ان پر احسانات کئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان کے معاملے میں لا پرواہی برتی اور آخری چھ سالوں میں اپنے رشتہ داروں اور گھر والوں کو عہدے دیئے۔ مروان کے لئے مصر اور افریقہ کی آمدنی کا پانچواں حصہ بخش دیا۔ انہوں نے اپنے اقرباء کو مال کے معاملے میں دوسروں پر ترجیح دی اور اس بارے میں صلہ رحمی کا بہانہ تراشا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ مال بنانے اور بیت المال سے قرضہ لینے لگے اور کہنے لگے: حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ (بیت المال سے) اپنا حق نہیں لیتے تھے لیکن میں اپنا حق وصول کرتا ہوں اور اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرتا ہوں۔

پس لوگوں نے عثمانؓ کی سرزنش کی۔

میری عرض ہے کہ جن وجوہات کی بناء پر حضرت عثمانؓ کی سرزنش کی گئی ان میں سے ایک عمیر بن سعد کو حمص کی امارت سے معزول کرنا تھا کیونکہ وہ ایک نیک اور پارسا انسان تھے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ باب نمبر ۱۱ حدیث ۱۵۶، سنن ترمذی باب مناقب ابوذرؓ، مسند احمد ج ۲ صفحہ ۱۶۳، ۱۷۵، ۲۲۳، ج ۵ صفحہ ۳۵۱، ۳۵۶، ج ۶ صفحہ ۴۴۲، طبقات ابن سعد ج ۴ صفحہ ۱۶۸ طبع لیدن

اس کے علاوہ شام کو معاویہ کے حوالے کرنا، عمرو بن عاص کو مصر کی حکومت سے برطرف کر کے ابن ابی سرح کو وہاں کا حاکم بنانا، ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ سے ہٹا کر عبداللہ بن عامر کو اس کی جگہ حاکم بنانا بھی ان وجوہات میں شامل ہیں۔ راوی کہتا ہے: حضرت عثمانؓ نے صحابہ کی ایک جماعت کو جن میں حضرت عمارؓ بھی شامل تھا بلایا اور کہا:

میں آپ لوگوں سے سوال کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میری تصدیق کریں۔ میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا آپ لوگ نہیں جانتے تھے؟

یہ سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ تب حضرت عثمانؓ نے کہا:

اگر میرے ہاتھوں میں جنت کی چابیاں ہوتیں تو بھی بنی امیہ کے حوالے کر دیتا یہاں تک کہ وہ اس میں داخل ہو جائیں۔

مصر، شام، کوفہ، بصرہ اور مدینہ میں بنی امیہ کے گورنروں اور امراء نے حضرت عثمانؓ کے آخری چھ سالوں میں جو گل کھلائے نیز عثمانؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیک صحابہؓ و تابعینؒ کے درمیان جو کچھ گزرا ان سب کو بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہم ان کے ساتھ حضرت ابوذر کے واقعے کے کچھ گوشوں کا تذکرہ کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ حج کے موقع پر منیٰ میں

ابو کثیر اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: میں اس وقت حضرت ابوذرؓ کے پاس آیا جب وہ جمرہ وسطیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے پاس جمع تھے تاکہ ان سے فتویٰ حاصل کریں۔ اتنے میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور انہیں دیکھ کر کہنے لگا:

کیا تمہیں فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا گیا تھا؟

حضرت ابوذرؓ نے اپنا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا:

کیا تم میرے اوپر نگرانی کر رہے ہو؟ اگر تم لوگ شمشیر براں اس جگہ رکھو (یہ کہتے ہوئے اپنی گدی کی طرف اشارہ کیا) اور اس دوران میں یہ احتمال دوں کہ قبل اس کے کہ تم میرا کام تمام کر دو میں ایک کلمہ پر جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو عملدرآمد کر سکتا ہوں تو اس پر عمل کر کے رہوں گیا۔[1]

---

[1] سنن الدارمی ج ۱ صفحہ ۱۳۷، طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۵۴۔

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس واقعے کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا: اگر تم لوگ اس جگہ (یہ کہکر اپنی گدی کی طرف اشارہ کیا) تلوار براں رکھو اور میں یہ احتمال دوں کہ قبل اس کے کہ تم میری گردن اڑاؤ میں ایک ایسے کلمہ کو عملی جامہ پہنا سکتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو تو میں اس کو ضرور عملی جامہ پہناؤں گا۔[1]

ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت ابوذرؓ سے مخاطب ہونے اور اسے (فتویٰ دینے سے) منع کرنے والا قریشی عثمانؓ بن عفان تھا۔[2]

پھر کہتے ہیں:

حضرت ابوذرؓ نے اسم نکرہ استعمال کرتے ہوئے "کلمہ" کہا تا کہ قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری ہر حال میں ادا کرے گا اور اس سے دستبردار نہ ہو گا اگرچہ موت سامنے ہی کیوں نہ ہو۔

یہ تھا شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان۔ انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ابوذرؓ کی مراد یہ تھی کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو احادیث سن رکھی تھی وہ ان کی نشر و اشاعت ضرور کرے گا اگرچہ وہ ایک لحظہ ہی کیوں نہ ہو اور اس کام سے ہرگز دستبردار نہ ہو گا اگر چہ موت سامنے ہو۔

علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ میں مذکور ہے ان کے ساتھ قریش کے کچھ جوان تھے۔ پس انہوں نے کہا:

اما نہاک امیر المومنین عن الفتیا....

کیا تمہیں امیر المومنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا؟ ...الخ[3]

حضرت ابوذر غفاریؓ بیت اللہ میں

مستدرک الحاکم میں حنش الکنانی سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

۱۔ صحیح بخاری ج ۱ باب العلم قبل القول والعمل ص ۱۶ ۲۔ فتح الباری ج ۱ صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱

۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸ طبع دکن

میں نے حضرت ابوذرؓ کو کعبے کا دروازہ تھام کر یہ کہتے سنا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے اس کے لئے میں وہی ہوں جسے تم لوگ پہچانتے ہو لیکن جو کوئی مجھے نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں ابوذر ہوں۔ میں نے رسول اللہ (ص) کو یہ فرماتے سنا:

مثل اھل بیتی کسفینة نوح من رکبھا نجا و من تخلف عنھا غرق

میرے اہل بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔

امام حاکم کہتے ہیں:

یہ حدیث مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح حدیث ہے۔[1]

حضرت ابوذرؓ مسجد النبیؐ وغیرہ میں

مورخین نے حکمرانوں کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے واقعے کی تفصیل بیان کی ہے اور کہا ہے: حضرت عثمانؓ کو خبر ملی کہ حضرت ابوذرؓ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن میں ان پر تنقید ہوتی ہے نیز یہ کہ ابوذرؓ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا:

اے لوگو! جنہوں نے مجھے پہچانا سو پہچانا اور جس نے مجھے نہیں پہچانا وہ جان لے کہ میں ابوذر غفاریؓ ہوں۔ میں جندب بن جنادہ ربذی ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام، نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام عالمین پر برگزیدہ قرار دیا۔ ان میں سے بعض بعض کی ذریت ہیں اور اللہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ برگزیدہ ہستی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق نوحؑ سے ہے اور آپ (ص) کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کی آل سے ہے اور نسل اسمٰعیلؑ کی ہے اور ہدایت کرنے والے گھرانے کا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ آپ (ص) علم آدمؑ اور انبیاء کی فضیلتوں کے وارث ہیں۔ علی ابن ابی طالب (ع) ان کے وصی اور آپ (ص) کے علم کے وارث ہیں۔ اے وہ امت جو اپنے رسول (ص) کے بعد حیران و

۱۔ مستدرک علی الصحیحین ج ۲ صفحہ ۳۴۳۔

سرگشتہ ہوگئی آگاہ رہو کہ اگر تم اسے مقدم رکھتے جسے اللہ نے مقدم
رکھا ہے اور جسے اللہ نے موخر کیا ہے تم بھی اسے موخر سمجھتے نیز اہل
بیت نبی(ص) کی ولایت و وراثت کا اقرار کرتے تو تم آسمان اور
زمین کی نعمتوں سے بے حد بہرہ مند ہوتے۔ نہ خدا کا کوئی دوست
محتاج وتنگدست ہوتا اور نہ خدا کے فرائض کا کوئی حصہ ضائع ہو جاتا
اور نہ ہی دو شخص حکم خدا میں اختلاف کرتے مگر یہ کہ تم اس کا علم
کتاب خدا اور سنت رسول(ص) کے مطابق ان کے پاس پاتے لیکن
چونکہ تم نے جو کرنا تھا سو کر لیا پس اپنے کرتوت کا مزہ چکھ لو اور ظلم
کرنے والے جلد ہی جان لیں گے کہ ان کی برگشت کہاں ہوگی۔

موٴرخ یعقوبی اس کے بعد تحریر کرتے ہیں: حضرت عثمانؓ کو خبر ملی کہ حضرت ابوذرؓ ان کے عیوب بیان کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نیز سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں کی جانے والی تبدیلیوں اور تحریفات کا ذکر کرتے ہیں۔ پس حضرت عثمانؓ نے انہیں معاویہ کے پاس شام بھیج دیا جہاں وہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور حسب سابق گفتگو کرتے تھے۔ لوگ ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے پاس آنے اور ان کی باتیں سننے والوں کی تعداد کثیر ہوگئی۔[1]
اس کے بعد یعقوبی کے بیان کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ آپ نے ابوذرؓ کے ذریعے شام کو
خراب کیا جو آپ کے مفاد میں نہیں ہے تو انہوں اسے لکھا: اسے
ایسے پالان کے اوپر بٹھا کر بھیجو جس کے اوپر کوئی چیز نہ بچھی ہو۔

حضرت ابوذرؓ اس حالت میں مدینہ پہنچے کہ ان کی رانوں کا گوشت گر چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمانؓ کے تعلقات اس مرحلے پر پہنچ گئے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو شہر بدر کر کے ربذہ بھیج دیا۔ والی کوفہ ولید اور عبداللہؓ بن مسعود کے درمیان بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ پھر انہیں مدینہ لے آئے۔ ان کے حکم پر انہیں زمین پر دے مارا گیا اور اسی کے نتیجے میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت عمارؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک ہوا۔[2]

عہد عثمانی کے اواخر میں رونما ہونے والے فتنوں کا خلاصہ

حضرت عثمانؓ نے بنی امیہ کے گورنروں کو مسلمانوں کے امور اور ان کے خزانوں کے

۱۔ تاریخ یعقوبی ج۲ صفحہ ۱۷۱
۲۔ تفصیل کے لئے کتاب ''احادیث عائشہؓ'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

معاملے میں کھلی چھٹی دے دی۔ جب مسلمان عوام گورنروں کی شکایت حضرت عثمانؓ سے کرتے تو وہ ٹس سے مس نہ ہوتے۔ یوں لوگ ان کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ اس وقت بنی تیم نے عثمانؓ کی مخالفت کی۔ وہ طلحہ کے لئے اور آل زبیر کے لئے خلافت کا خواب دیکھنے لگے۔ ان لوگوں اور بنی امیہ کے علاوہ باقی ماندہ انصار اور اصحاب رسول(ص) کی اکثریت حضرت علی(ع) کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ آخر کار باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا لیکن انصار اور دوسرے اصحاب نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار حضرت علی(ع) کی طرف ٹوٹ پڑے اور انہوں نے آپ کی بیعت کی۔ طلحہ و زبیر نے بھی رائے عامہ کی پیروی کرتے ہوئے اصحاب میں سب سے پہلے حضرت علی(ع) کی بیعت کی۔ لیکن جب حضرت علی(ع) نے بیت المال کی دولت مساوی طور پر تقسیم فرمائی تو مراعات یافتہ اور امتیازی حیثیت کا حامل طبقہ آپ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ان لوگوں میں سرفہرست طلحہ و زبیر تھے۔ یہ لوگ مکہ میں حضرت عائشہ کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے بصرہ کا رخ کیا اور بصرہ پر قبضہ کر کے حضرت علی(ع) سے جنگ کے لئے ایک لشکر بنایا۔ حضرت علی(ع) مدینہ سے نکلے۔ بصرہ کے باہر ان سے آمنا سامنا ہوا۔ حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار لشکر کی قیادت فرما رہی تھیں۔ انہوں نے حضرت علی(ع) کے لشکر سے جنگ کی مگر شکست کھائی۔ حضرت عائشہؓ کے لشکر سے جو قتل ہوئے سو ہوئے اور باقیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ حضرت علی(ع) نے انہیں عام معافی دے دی۔

یہ ہے حضرت عثمانؓ کے دور کے آخری ایام کے فتنوں، حضرت علی (ع) کی بیعت اور بصرہ میں جنگ جمل کے واقعات کا خلاصہ۔ ہم نے یہ واقعات اور ان واقعات کے ماخذ کا ذکر ''احادیث عائشہؓ'' نامی کتاب میں کیا ہے۔

فتنوں کے بارے میں صحیح روایات کے ساتھ سیف کی جعلی روایات کے تقابلی جائزے کا نتیجہ

سیف کہتا ہے کہ یمن کے شہر صنعا کے ایک یہودی جس کا نام عبداللہ بن سبا ابن الامۃ السوداء تھا، نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھ لیا وہ اسلامی سرزمینوں کے مراکز اور شہروں مثلاً مدینہ، شام، کوفہ اور مصر میں گھوما پھرا اور لوگوں کے درمیان اس عقیدے کا پرچار کرتا رہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کے بعد دوبارہ لوٹیں گے اور یہ کہ حضرت علی(ع)،

آپ(ص) کے وصی ہیں اور عثمانؓ اس وصی کے حق کا غاصب ہے۔ حضرت ابوذرؓ، حضرت عمارؓ، حضرت حجر بن عدیؓ اور ان جیسے بیسیوں نیک اصحاب اس کے معتقد ہو گئے۔ سیف نے ان کو سبائیہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ سیف کے مطابق یہودی ابن سبا نے ان لوگوں کو سکھایا کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی از منکر کی ترغیب دیں، گورنروں کے عیوب لکھیں اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھاریں۔ پس ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ سیف کے بقول بڑھاپے سے حضرت عمارؓ کی عقل سٹھیا گئی جیسا کہ بقول اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہی حال ابوذرؓ کا بھی تھا۔ یوں سبائی صحابہؓ و تابعینؒ ابن سبا کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے۔ انہوں نے لوگوں کو مدینہ میں جمع کیا اور حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر میں قتل کر دیا پھر انہوں نے حضرت علی(ع) کی بیعت کی۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے بصرہ چلے گئے۔ حضرت علی(ع) ان کے پیچھے چلے اور بصرہ کے باہر ان کا آمنا سامنا ہوا۔ اور انہیں اپنا انجام برا نظر آنے لگا۔ چنانچہ وہ رات کو دونوں لشکروں میں گھس گئے اور دونوں طرف سے تیر اندازی کرنے لگے۔ یوں انہوں نے دونوں لشکروں کو لڑا دیا۔ لیکن دونوں لشکروں کو ان کی چال کا علم نہ ہو سکا۔ انہیں اور ان کے سرداروں کو پتہ نہیں تھا کہ تیر کس کی طرف سے چلائے جا رہے ہیں۔ جبکہ دراصل تیر چلانے والے ان کی صفوں میں گھسے ہوئے (سبائی لوگ) تھے۔ سیف کہتا ہے کہ یوں جنگ چھڑ گئی اور لشکر حضرت علی(ع) کی فتح پر منتج ہوئی۔ سیف نے ان واقعات کو اپنی وضع کردہ سینکڑوں روایات میں ان راویوں سے نقل کیا ہے جو اس کے اپنے تراشے ہوئے ہیں۔ ان جعلی راویوں میں سے بعض کا ذکر سابقہ روایات میں گزر چکا ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں ان واقعات کے بارے میں حقیقی روایات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ بات طبری، ابن اثیر، ابن عساکر، ابن کثیر، ابن خلدون اور ان جیسے دیگر بڑے بڑے علماء سے پوشیدہ نہ تھی۔

یاد رہے کہ سیف بن عمر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ زندیق ہے۔ علم رجال کے ماہرین نے بالاتفاق یہ کہا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ علمائے رجال میں سے کسی نے اس کو قابل اعتماد قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ خود سیف کی روایات کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''عبد اللہ بن سباء'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کی نظروں سے صحیح روایات و احادیث پوشیدہ بھی نہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ انہیں ان صحیح روایات کا ذکر پسند نہیں آیا جیسا کہ خود انہوں نے اس حقیقت کو صریحاً بیان کیا ہے۔ پس انہوں نے صحیح روایات پر پردہ ڈال دیا اور یہ بہانہ بنایا کہ مکتب خلفاء کے پیروکار ان روایات کو سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کاش کہ یہ حضرات اس معاملے میں صحیح روایات کو چھپانے پر ہی اکتفاء کر لیتے (جیسا کہ دیگر بہت

ساری احادیث کے ساتھ کیا ہے) مگر لوگوں کے درمیان جان بوجھ کر خودساختہ اور جھوٹی روایات کی تشہیر نہ کرتے۔ یہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ سیف نے حضرت عمارؓ حضرت ابوذرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حجرؓ بن عدی اور ان کے علاوہ دیگر بیسیوں صحابہؓ و تابعینؒ کے ساتھ جن ناروا اور من گھڑت باتوں کو منسوب کیا ہے وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں اور ان کو ایک ایسے یہودی کے پیروکار قرار دینا جو انہیں مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد پیدا کرنے کا حکم دے اور یوں وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں اور ان کو پتہ بھی نہ لگے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، کذب محض ہے۔

ان بے بنیاد باتوں کی تصدیق کرنے والوں کی عقلوں پر خاک۔ یہ لوگ کیسے تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ (بقول سیف) اس یہودی کی سازشوں سے بے خبر رہے اور وہ فتنے کی آگ بھڑکاتا رہا؟ اگر یہ یہودی حضرت علی(ع) کو رسول(ص) کا وصی قرار دے کر پروپیگنڈا کر رہا تھا تو حضرت عمارؓ اور حضرت ابوذرؓ نے حضرت علی(ع) سے اس بارے میں استفسار کیوں نہیں کیا؟ آپ(ع) کے سوتیلے بیٹے محمدؓ بن ابوبکر نے آپ سے اس یہودی کے نظریات کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ ان جھوٹے افسانوں کی کس طرح تصدیق کرتے ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ علماء سیف کی روایات کو صحیح قرار دے سکتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یقیناً انہیں (فرضی) سیف کی خودساختہ اور افترا پر مبنی باتوں کے جھوٹ ہونے کا علم ہے؟ مجھے تو عوام پر تعجب ہے جو ان بے بنیاد افسانوں کو مانتے ہیں۔ کیونکہ سیف کی من گھڑت باتوں کی تشہیر کرنے والے علماء تو اس کی دروغ پردازیوں سے آگاہ تھے لیکن چونکہ اس زندیق نے اپنی روایات پر حکمرانوں پر ہونے والے اعتراضات کے مقابلے میں ان کی حمایت کا رنگ چڑھایا ہے بس اسی لئے وہ انہیں قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ سیف نے خالد پر ہونے والی تنقید کے معاملے میں ایسا کیا ہے۔ خالد نے حضرت مالکؓ بن نویرہ کو قتل کیا تھا اور ان کی بیوی سے اسی رات ہم بستری کی تھی۔ نیز بصرہ کی امارت کے دوران مغیرہ بن شعبہ کے کرتوت پر ہونے والے اعتراض کے مقابلے میں بھی سیف نے اس کا دفاع کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے حکم سے ابو محجن سے شراب خوری کی حد ساقط کئے جانے اور ولید پر شراب خوری کی شرعی حد جاری ہونے کے بارے میں بھی سیف نے ان کا دفاع کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سیف بن عمر نے مذکورہ افراد کے علاوہ خلفاء، امراء اور انکے رشتہ داروں پر ہونے والے اعتراضات کا حل تراشا ہے۔ اسی بنا پر بڑے بڑے علماء نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت عمارؓ جیسے پاکباز لیکن بے کس و نادار صحابہؓ پر اس زندیق کی طرف سے عائد ہونے والی افترا پردازیوں پر برہمی کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ خلفاء وغیرہ کی حمایت کے پرچم تلے ان افترا پردازیوں کی ترویج کرتے رہے۔ کیونکہ ان کا

اصلی مقصد عوام کی نظروں سے خلفاء، ان کے امراء اور ان کے رشتہ داروں کے عیوب کی پردہ پوشی ہے۔ سیف کی افترا پردازیوں کی ترویج سے ان کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور سیف کا مقصد بھی پورا ہوجاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکباز اصحابؓ کی توہین نیز اپنے لادینی نظریات کی خاطر تاریخ اسلام میں بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کی ترویج سے عبارت ہے۔

قتل عثمانؓ کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے طبری کہتے ہیں:

> ہم نے کئی ایک وجوہات کے پیش نظر ان میں سے بہت سی روایات کا ذکر نہیں کیا۔

طبری کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح روایات کو چھپانے کی وجہ عوام الناس کی نظروں سے ان روایات احادیث کو چھپانا ہے جن میں حکمران خلفاء کے عیوب بیان ہوئے ہیں جیسا کہ ہم اس کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ "عام لوگ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے"۔ خلاصہ یہ کہ کچھ لوگ حقیقت پوشی کی اس قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث و سیرت نیز اہل بیت رسول(ص) اور اصحاب کی حقیقی سیرت و روایات میں تحریف کر کے ان کی جگہ خودساختہ واقعات کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ سیف نے اپنے لادینی عقائد سے مغلوب ہو کر ایسا کیا ہے۔ ادھر علماء بھی صحیح السند روایات کی بجائے ان خودساختہ روایات کی ترویج کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان علماء کا ہدف حکمران خلفاء، امراء اور گورنروں نیز ان کے رشتہ داروں کی حمایت ہے۔ حق پوشی و کتمان کی یہ قسم مکتب خلفاء کے علماء کے ہاں بہت رائج ہے۔

حقیقت کی پردہ پوشی کی اقسام کی بحث کا خلاصہ

ہم نے دیکھ لیا کہ مکتب خلفاء کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر اس روایت یا واقعے کو چھپانا چاہیے جو صدر اسلام کے حکمرانوں، ان کے گورنروں اور رشتہ داروں پر تنقید کا باعث بنے۔ اس کا بہانہ وہ یہ ڈھونڈتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکباز اور غریب اصحاب مثلاً حضرت عمارؓ، حضرت ابوذرؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ پر تہمتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ حکمران طبقے کی حمایت کی خاطر کبھی وہ پوری روایت یا پورے واقعے کو چھپا دیتے ہیں اور گاہے واقعات یا روایت کے بعض حصوں کو جن سے حکمرانوں پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے حذف کر لیتے ہیں اور باقی ماندہ حصے کو جس میں تنقید کا پہلو نہ ہو نقل کرتے ہیں اور کبھی کسی واقعے یا روایت کے اس حصے کو جس میں حکام پر تنقید ہو مبہم الفاظ سے بدل دیتے ہیں اور گاہے کسی واقعے یا روایت میں تحریف کے

مختلف طریقوں سے کام لیتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ بردبار اور پارسا انسان ظالم و سفیہ دکھائی دیتا ہے اور ظالم آدمی پاکباز اور حلیم نظر آتا ہے۔ یعنی وہ حقائق کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے حضرات اسلامی معاشروں میں ان تحریف شدہ اور من گھڑت روایتوں کی توثیق اور نشر و اشاعت میں دوڑ لگا دیتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ ان صحیح روایات و واقعات کو چھوڑ دیتے ہیں جن میں حکمران طبقے پر تنقید ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ وہ حکمرانوں پر تنقید کی حامل روایات اور ان کے راویوں نیز ان پر مشتمل کتابوں کے مولفین کی حیثیت کو کمزور کرنے نیز ان کے خلاف الزامات اور تہمتوں کا بازار گرم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر گاہے وہ ان تمام باتوں میں ناکام رہیں تو آخری حربے کے طور پر وہ ان واقعات اور روایات میں ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان حکمرانوں کے حق میں ہو۔ یوں وہ تنقید کو تعریف میں بدل دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حضرات اس روش پر چلنے والوں کا اسی حساب سے احترام و اکرام کرتے ہیں جس قدر زیادہ سختی سے وہ اس روش پر چلتے ہیں۔ نیز وہ اس روش کے تابع راویوں کو قابل اعتماد قرار دیتے ہیں، ان کی روایات کو صحیح گردانتے ہیں اور اس قسم کے افراد کی تالیفات کو قابل وثوق اور صحیح جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اس روش کے (جس پر ان کا اتفاق ہے) کس قدر پابند ہیں۔ پھر یہ حضرات ان کی تشہیر کرتے ہیں اور ان کا ذکر عزت و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت ابن ہشام کی وثاقت اور اس کا اعتبار مکتب خلفاء اور اس کے پیروکاروں کے ہاں معروف و مشہور ہے۔ کیونکہ وہ اپنی متفق علیہ روش کے آگے مجبور ہیں۔ نیز یہی وجہ ہے کہ وہ سیرت ابن اسحاق کو اہمیت نہیں دیتے کیونکہ اس نے ان حضرات کے ہاں مقبول اور پسندیدہ روش کی پابندی نہیں کی۔ چنانچہ ان حضرات نے سیرت ابن اسحاق کا مطالعہ اور اس کو نقل کرنا چھوڑ دیا ہے جو سیرت ابن اسحاق کے فقدان پر منتج ہوا ہے حالانکہ ابن ہشام نے اپنی سیرت کا تمام مواد ابن اسحاق کی سیرت سے لیا ہے۔ البتہ سیرت ابن اسحاق کے ان حصوں کو چھوڑ دیا ہے جن کے ذکر سے (بقول ابن ہشام) عوام پر برا اثر مرتب ہوتا ہے۔

مذکورہ علت کی بناء پر ہی (ان حضرات کے ہاں) تاریخ طبری اسلامی تاریخ کا سب سے قابل وثوق اور سب سے معروف و معتبر منبع و ماخذ بن گیا نیز اس کتاب کا مولف ابن جریر طبری مکتب خلفاء کے ہاں "امام المورخین" کے مرتبے کو پہنچ گیا۔ کیونکہ اس نے مذکورہ روش کو اپناتے ہوئے سیف کی روایات کو خوب پھیلایا جبکہ وہ جانتا تھا کہ یہ روایات جھوٹی، خلاف حقیقت اور عصر صحابہ (یا اس سے مناسب تر الفاظ میں صدر اسلام کے خلفاء) کے دور کے تاریخی حقائق کی برعکس ہیں۔ اس کے بعد روایات کو تاریخ طبری سے نقل کرنے اور اسلامی تعلیمات کے ماخذ و

منابع میں ان کو پھیلانے کے لئے علماء ٹوٹ پڑے اور ان کے مقابلے میں انہوں نے صحیح روایات و احادیث پر توجہ نہیں دی یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان کو بھلا دیا اور یہ ان کے ہاں مفقود ہو گئیں۔ مذکورہ بالا علت کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ مکتب خلفاء کے ہاں بخاری کو امام المحدثین کا مرتبہ ملا اور ان کی کتاب بخاری قرآن کے بعد سب سے سچی کتاب قرار پائی۔ یوں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں غیر موجود صحیح احادیث کا اعتبار جاتا رہا۔

اسلامی تعلیمات کے ماخذ
میں روایات کے اختلاف کا سرچشمہ۔

اگر ہم اپنی گزشتہ بحثوں اور خلفاء کے ذاتی اجتہادات (جن کا ذکر دوسری جلد میں ہوگا) کے باب پر نظر کریں تو ہمیں اسلامی تعلیمات کے ماخذ میں روایات کے اختلاف کی بنیادی وجہ معلوم ہو جائے گی۔ ہم دونوں مقامات پر ایسی احادیث کا مشاہدہ کرتے ہیں جو حکمران طبقے کے سیاسی مفادات و مصالح کے عین مطابق ان صحیح روایات کے مقابلے میں وضع کی گئی ہیں جو ان حکمرانوں کی سیاست اور ان کے مفادات کی نفی کرتی تھیں۔ یہیں سے ہمیں ایک پائیدار کسوٹی مل جاتی ہے جس کے ذریعے ہم کمزور حدیث اور معتبر حدیث کے فرق کو پرکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری میں میت پر رونے کے بارے میں متضاد و متعارج احادیث موجود ہیں۔ اب ان احادیث میں سے ضعیف حدیث وہ ہوگی جو حکمران طبقے کی سیاست اور پالیسیوں کی موافق ہو یعنی وہ حدیث جو میت پر رونے سے منع کرے اور اس ممنوعیت کو رسول (ص) سے منسوب کرے۔ اس کے مقابلے میں صحیح اور قوی حدیث وہ ہوگی جو اس کی مخالف ہو مثلاً حضرت عائشہؓ کی روایت اور دیگر لوگوں کی روایت جو میت پر رونے کو جائز اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت قرار دیتی ہیں۔

اسی طرح اس مسئلے کے بارے میں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات میں آپ کے پاس کون موجود تھا حضرت عائشہؓ کی دو متضاد و متعارض حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا معیار کے مطاق حضرت عائشہؓ کی دونوں حدیثوں میں سے کمزور حدیث وہ ہوگی جس میں وہ کہتی ہیں:

> اس کے حق میں وصیت کب کی گئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن میرے سینے پر ڈھلک گیا اور آپ (ص) کی رحلت ہوئی۔

اس کے برعکس ان دونوں میں سے قوی اور معتبر حدیث دوسری حدیث ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحوں میں حضرت علی (ع) آپ (ص) کے

پاس بیٹھے تھے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کیونکہ پہلی حدیث حکمرانوں کی خواہشات کی عکاسی کرتی ہے اور دوسری حدیث ان کی سیاست پر تنقید کی غماز ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ (ص) کی سیرت، صحابہؓ و تابعینؒ اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے علاوہ جن احکام میں خلفاء نے ذاتی اجتہاد اور رائے سے کام لیا ہے ان سے متعلق روایات کو پرکھنے اور ان میں سے قوی کو کمزور سے علیحدہ کرنے کی پائیدار کسوٹی وہی ہے جس کا اوپر تذکرہ ہوا۔

گزشتہ مباحث کا نتیجہ اور حقیقت حال

باریک بین محقق کے لئے واضح ہے کہ مکتب خلفاء کی نظر میں حق و باطل کی معرفت کا مستقل معیار صرف حکمرانوں کے لئے سازگار مصلحتیں ہیں۔ ہر وہ واقعہ یا روایت جس میں ان حکمرانوں (خلفاء) پر تنقید کا پہلو موجود ہو یا ان کے عیوب کا بیان ہو، ان کی نظر میں غیر معتبر غلط اور باطل ہے۔ اسی طرح ہر وہ کتاب، ہر وہ راوی اور ہر وہ مولف جو اس قسم کی کوئی بات نقل کرے وہ بھی غیر معتبر اور ضعیف ہے اور ان کے اوپر ہر قسم کی تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ جب کوئی حدیث یا واقعہ ایسے راوی سے منقول ہو جس پر طعن و تشنیع کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی کتاب کے مولف پر تو پھر وہ اس روایت کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان کی خواہشات کی عکاسی کرے۔ اس کے برعکس ہر وہ مولف یا راوی جو حکمران طبقے کی تعریف کرے اور ان پر تنقید کے حامل مواد کو ترک کرے تو وہ ان کے نزدیک باوثوق اور سچا محسوب ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی روایت یا اپنی تالیف میں ان کی حمایت اور ان کا دفاع کر سکے تو پھر وہ ثقہ، سچا اور قابل اعتماد بن جائے گا۔ پھر اس کی روایات کتابوں میں پھیل جائیں گی اور ان کا چرچا ہوگا۔ اسی دروازے سے سیف بن عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت (یعنی آپ کی سیرت اور احادیث) میں اپنے الحادی اعتقادات کے مطابق جی بھر کر دست اندازی کی ہے اور من پسند باتوں کو داخل کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی روایات اسلام شناسی کے ستر سے زیادہ ماخذ و منابع میں تیرہ صدیوں کے دوران سرایت کر چکی ہیں۔

سیف بن عمر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یعنی آپ (ص) کی سیرت اور احادیث میں اپنی من گھڑت باتوں کو شامل کیا ہے۔ ان کا جائزہ ہم نے ''عمال رسول اللہ (ص)''، ''الوافدون علی رسول اللہ (ص)'' اور ''ربیب رسول اللہ (ص)'' کے عنوانات کے تحت اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' اور دوسری کتاب ''رواۃ مختلقون'' میں لیا ہے۔ اس سے قبل ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمارؓ کے حق میں رسول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں کس طرح تحریف کا

عمل انجام دیا گیا ہے۔

یہ تھا ہمارا نقطہ نظر سیف اور اس جیسے دیگر افراد مثال کے طور پر ابوالحسن بکری (کتاب الانوار کے مولف) کے بارے میں جس نے اپنی کتاب سیرت النبی المختارؐ اور اپنی دیگر کتب میں جھوٹی احادیث کو اس طرح داخل کیا ہے جس طرح کعب الاحبار نے اسلامی علوم کے ماخذ و منابع میں اسرائیلیات کو داخل کیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب نقش ائمہ میں ان کے حالات اور ان کی روایات کے اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔[1] یہ تھا ہمارے ہاں ان لوگوں کی حیثیت۔

لیکن امام بخاری اور ان کی کتاب صحیح بخاری، ابن ہشام اور اس کی کتاب (سیرت ابن ہشام)، طبری اور اس کی تاریخ نیز ان کی طرح دیگر علماء جن کے اسلوب بیان کا ہم نے تنقیدی جائزہ لیا ہے کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر مختلف ہے کیونکہ اگرچہ ان کے اسلوب کے بعض پہلو قابل تنقید ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی کتابوں میں رسول (ص) کی حقیقی سیرت اور آپ (ص) کی صحیح احادیث کو کثیر مقدار میں نقل کیا ہے جن پر ہم اعتماد کرتے ہیں اور جنہیں ہم ان سے نقل بھی کرتے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ کے علماء کی یہی روش ان لوگوں کے معاملے میں بھی ہے جن کی علمی روش میں غلطی پائی جاتی ہے۔ مکتب اہل بیتؑ کے علماء ان کے اسلوب پر شدید تنقید کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا احترام و اکرام بھی ملحوظ رکھتے ہیں اور تنقید شدہ مسئلے کے علاوہ دیگر امور میں ان کی روایات کو نقل بھی کرتے ہیں۔ مکتب اہل بیت کے ہاں فقہی احکام اور فہم حدیث میں گزشتہ علماء کی تقلید نہ کرنے کا مفہوم یہی ہے۔ مکتب اہل بیتؑ کے علماء غیر معتبر احادیث کو غیر معتبر ہی سمجھتے ہیں خواہ یہ احادیث اصول کافی کی ہوں یا صحیح بخاری کی۔ اسی طرح وہ صحیح احادیث کو دونوں سے اخذ کرتے ہیں۔

علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) نے اپنی کتاب مرآۃ العقول میں الکافی کی شرح لکھتے وقت ایسی ہزاروں ضعیف احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو الکافی کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔ یاد رہے کہ کافی مکتب اہل بیت کی مشہور ترین کتاب حدیث ہے۔ مکتب اہل بیتؑ کی یہ خصوصیت مکتب خلفاء کے پیروکاروں کی روش کے برعکس ہے جو صحیح بخاری کو قرآن کا درجہ دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی غیر صحیح حدیث موجود نہیں ہے بلکہ وہ اس سے بھی چند قدم آگے بڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں مذکور رسول اللہ (ص) کی سیرت کی صحت و حقانیت قرآن سے بھی زیادہ ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب میں مذکور رسول اللہ (ص) کی سنت کو قبول کرنا ان لوگوں کیلئے شاق گزرتا ہے، اگرچہ وہ باقی ماندہ کتب اربعہ کو بخاری و مسلم کے ساتھ ملا

[1] ہم نے کعب الاحبار، عبداللہ بن سلام اور وہب بن منبہ کے بارے میں اپنی کتاب "السیف البارق" میں تفصیلات درج کی ہیں۔ مترجم

کر صحاح ستہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مکتب خلفاء کے بہت سارے محدثین ان لوگوں کے علاوہ ہیں جنہوں نے حدیث کے میدان میں صحاح، مسانید، مصنفات سنن اور زوائد وغیرہ لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر

☆ صحیح ابن حبان۔ (متوفی ۳۵۴ھ)

☆ حافظ ابوعلی بن سکن (متوفی ۲۵۲ھ) کی کتاب الصحاح الماثورہ عن رسول اللہؐ

☆ مسند طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ)

☆ سنن بیہقی (متوفی ۳۴۷ھ)

☆ سنن ابوبکر شافعی (۳۴۷ھ)

☆ طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) کی معاجم ثلاثہ

☆ ابن ابی شیبہ (متوفی ۳۴۵ھ) کی المصنف

☆ ہیثمی (متوفی ۸۰۷ھ) کی مجمع الزوائد

☆ حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) کی المستدرک

ان کے علاوہ دیگر محدثین کی لکھی ہوئی حدیث کی دسیوں بڑی بڑی کتابیں نیز سیرت النبیؐ، سیرت صحابہ اور فتوحات پر لکھنے والوں میں سے بعض یہ ہیں:

☆ خلیفہ ابن خیاط (متوفی ۲۴۰ھ) نے الطبقات اور التاریخ لکھی۔

☆ بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) نے فتوح البلدان اور انساب الاشراف لکھیں۔

☆ واقدی (متوفی ۲۰۷ھ) نے المغازی لکھی۔

☆ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے الطبقات لکھی۔

ان کے علاوہ دیگر مؤلفین نے بیسیوں معتبر کتابیں تالیف کی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حدیث کے میدان میں صحاح ستہ کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے جس کے مقابلے میں دیگر کتابوں کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے؟ نیز سیرت و فتوحات کے موضوع پر سیرت ابن ہشام اور تاریخ کے میدان میں تاریخ طبری کو کیوں خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ دیگر کتابوں پر توجہ نہیں دی جاتی؟

خلاصہ کلام یہ کہ مکتب خلفاء کے علمی اسلوب کار پر دو طرح کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

پہلا اعتراض: یہ علماء صدیوں تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و احادیث اور دیگر واقعات سے ان چیزوں کو حذف کرتے آئے ہیں جو حکمران طبقے کی سیاست سے ہم آہنگ نہ

ہوں۔ اس سلسلے میں انہوں نے سیرت انبیاء سلف، سیرت خاتم الانبیاء(ص)، سیرت اہل بیت اور سیرت صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں برتا۔ اسلامی عقائد اور تفسیر قرآن کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا گیا جیسا کہ ہم نے طبری اور ابن کثیر کا رویہ قرآن کی آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کی تفسیر کے بارے میں دیکھ لیا۔ ان دونوں نے حضرت علی(ع) کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ وصیی و خلیفتی کو حذف کر کے ان کی جگہ کذا و کذا لکھ دیا۔ یہی رویہ ان روایات کے ساتھ بھی برقرار رکھا گیا جو خلفاء کے ذاتی اجتہادات کے برعکس اسلامی احکام میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو واضح کرتی ہیں۔ اس نکتے کا ذکر انشاءاللہ کتاب ہذا کی دوسری جلد میں مکتب خلفاء کے ہاں اسلامی شریعت کے ماخذ و منابع کی بحث کے دوران آئے گا۔

دوسرا اعتراض: آج جبکہ مسلمان ایک عالمگیر اسلامی تحریک کے دروازوں پر کھڑے ہیں۔ انہیں فقہی میدان میں مذاہب اربعہ کے اماموں کے مقلد محض بن کر نہیں رہنا چاہیے اور نہ ہی معتبر و غیر معتبر احادیث کی پہچان میں صحاح ستہ خاص کر بخاری و مسلم کی تقلید پر باقی رہتے ہوئے ان کے نظریات کو حرف آخر سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح ان شرعی احکام میں بھی اندھی تقلید چھوڑ دینی چاہیے جن میں خلفاء نے رسول اللہ(ص) کے صریح فرامین کے مقابلے میں اپنے دور کی مصلحتوں کے پیش نظر ذاتی رائے اور اجتہاد سے کام لیا تھا بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی سنت کی جستجو کریں اور سنت کے ان گوشوں کو ظاہر کریں جو صدیوں کے دوران خلفاء وقت کی مصلحتوں کی خاطر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھے گئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے نیز قرآن اور رسول(ص) کی حقیقی سنت پر عمل کی دعوت دینے کے لئے جہاد کا آغاز کرنا چاہیے۔ یوں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متفق علیہ سیرت کی بنیادوں پر مسلمان ایک مشترکہ پرچم تلے جمع ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ عنایت کوئی بعید بات نہیں۔

مسئلہ وصیت پر دوبارہ نظر

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت پر حضرت علی علیہ السلام اور آپ (ص) کے بعد آپ کی نسل کے معصوم اماموں کے حق پر دلالت کرنے والی نصوص و روایات کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لینے والوں پر زبردست اعتراضات وارد ہوتے ہیں اس لئے مکتب خلفاء کے پروردہ علماء ان روایات و نصوص کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی اہم نصوص میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے

بعد آپ کے وصی کے بارے میں علمائے اہل کتاب کی جستجو اور اس سلسلے میں ان کے اقوال ہیں۔ مثال کے طور پر ان دو راہبوں کا واقعہ جن سے صفین کے راستے میں حضرت علی(ع) کی ملاقات ہوئی تھی۔ مکتب اہل بیتؑ کے تربیت یافتہ علماء نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں محفوظ کر لیا ہے۔ ایک اور مثال حضرت ابوبکرؓ کے دور میں دو یہودیوں کی آمد اور وصی رسول(ص) کے بارے میں ان دونوں کا سوال ہے۔ لوگوں نے ان دونوں کو حضرت ابوبکرؓ کی نشاندہی کی، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے وہ اپنے سوالات کا جواب نہ پا سکے تو لوگوں نے انہیں حضرت علی(ع) کے پاس بھیجا۔ امام(ع) نے ان کے سوالات کا شافی جواب عنایت فرمایا۔ تب ان دونوں نے کہا:

> آپ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔

پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی چند اہل کتاب آئے۔ حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کا قصہ تقریباً وہی ہے جو سابقہ واقعے میں ابوبکرؓ کے دور میں پیش آیا۔ اس سے قبل ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کعب الاحبار کے سوالات اور ان کا اسے حضرت علی ابن ابی طالب(ع) کے پاس بھیجنے کا واقعہ بھی پڑھ چکے ہیں۔ اہل کتاب کی طرف سے اس قسم کے مراجعات اور قبول اسلام کا سلسلہ آخری زمانوں تک جاری رہا۔ چنانچہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں توراۃ کی یہ بشارت نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ کی بشارت دی اور وہ خوشخبری بھی دی کہ وہ اسمٰعیلؑ کی نسل کو بڑھائے گا اور ان کی ذریت سے بارہ عظیم انسان پیدا کرے گا۔ اس کے بعد وہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی بشارت جابرؓ ابن سمرہ کی روایت میں دی گئی ہے اور جب تک یہ لوگ دنیا میں نہ آجائیں قیامت برپا نہیں ہوگی۔ اس کے بعد ابن کثیر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہودیت چھوڑ کر مسلمان ہونے والے بہت سے لوگوں نے غلطی سے
> یہ سمجھا کہ ان (بارہ افراد) سے مراد وہی ہیں جن کی طرف رافضیوں
> کا فرقہ دعوت دیتا ہے چنانچہ انہوں نے اس کی متابعت کر لی۔[1]

چھپائی جانے والی نصوص و روایات کی مقدار

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں خوارج[2] کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ صفحہ ۲۵۰
[2] جن کے ساتھ حضرت علی (ع) نے نہروان کی جنگ لڑی تھی۔

احادیث کونقل کیا ہے جو سترہ صفحات پر مشتمل ہیں۔ دوسری طرف سے جنگ جمل اور صفین وغیرہ کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث جن میں حضرت علی (ع) کی فضیلت کا تذکرہ ہوا ہے کی نہایت قلیل مقدار کتابوں میں رہ گئی ہیں۔ جب ہم ان دونوں کا موازنہ کرتے ہیں تو اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے اس قدر احادیث کو مخفی رکھنے کے باعث کس قدر عظیم خسارہ ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ ان لوگوں نے صرف انہی احادیث کو باقی رکھا ہے جو خوارج کے بارے میں ہیں۔ وہی خوارج جو حضرت علی (ع) کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ احادیث کے درمیان اس امتیازی سلوک کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی (ع) کے بعد بھی حکمرانوں کے خلاف خوارج کی بغاوتیں جاری رہیں۔ بنابرایں ان سے مربوط احادیث کی تبلیغ و ترویج میں حکمران طبقے کا فائدہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مکتب خلفاء کے علماء نے احادیث کی تمام کتب میں ان احادیث کو نقل کیا ہے اور آج تک کتابوں میں صحیح و سالم موجود ہیں۔

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو احادیث مکتب خلفاء کی پالیسیوں سے متصادم تھیں اور انہوں نے ان کو چھپانے کی کوشش کی۔ ان میں حضرت علی (ع) کے حق میں مروی وہ احادیث بھی ہیں جن میں آپ کو رسول (ص) کا وصی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ (ع) کے بارے میں صحابہؓ کے اشعار اور نثری مواد کے بارے میں بھی وہی روش اپنائی گئی۔

۱۔ ہم نے مشاہدہ کیا کہ مکتب خلفاء کے کچھ علماء گاہے کلام کا وہ حصہ حذف کرتے ہیں جس میں وصیت کا ذکر ہو اور اس حذف کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے جیسا کہ نعمانؓ بن عجلان انصاری کے قصیدے کے ساتھ ہوا۔

۲۔ بعض حضرات روایت کے ایک حصے کو حذف کر کے کلام کو مبہم چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ طبری اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں حدیث رسول (ص) کے الفاظ وصیی و خلیفتی کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔

۳۔ ان میں سے کچھ علماء روایت سے وصیت کے لفظ کو غائب کر دیتے ہیں اور روایت میں تحریف کرتے ہیں جیسا کہ ابن کثیر نے امام حسینؑ کے خطبے کے ساتھ یہی روش اپنائی ہے۔

۴۔ ان میں سے کچھ حضرات پوری روایت جس میں وصیت کا ذکر ہو حذف کر دیتے ہیں لیکن اس حذف کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے محمدؓ بن ابوبکر کے خط کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔

۵۔ بعض حضرات ذکر وصیت پر مشتمل پوری روایت کو چھپا لیتے ہیں اور اس کی

طرف اشارہ بھی نہیں کرتے جیسا کہ ابن ہشام نے دعوت ذوالعشیرہ میں حضرت علی (ع) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وصیی و خلیفتی فیکم کے ساتھ یہی کیا ہے۔

۶۔ مکتب خلفاء کے بعض علماء وصیت کے معنی کو بدل دیتے ہیں جیسا کہ طبرانی نے حدیث رسول (ص) کے ساتھ اور ابن ابی الحدید نے حضرت علی (ع) کے کلام کے ساتھ یہی ستم کیا ہے۔

۷۔ کچھ مولفین ایسے ہیں جو غلطی سے اس قسم کی روایت کا ذکر اپنی کسی کتاب میں کرتے ہیں لیکن اپنی دوسری کتاب میں اس کو حذف کرتے ہیں اور اس میں رد و بدل کرتے ہیں جیسا کہ طبری نے اپنی تاریخ اور تفسیر میں یہی کیا ہے۔

۸۔ بعض مولفین اپنی کتب کے پہلے ایڈیشن میں اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے جیسا کہ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ''حیات محمد (ص)'' میں یہی کارنامہ انجام دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حکومت پر آل رسول(ص) کے
حق کو بیان کرنے والی
باقی ماندہ احادیث رسول(ص)

ہم چاہتے تھے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث کا تذکرہ کریں۔ اس سلسلے میں ہمارے لئے ضروری تھا کہ گزشتہ مباحث کو بطور تمہید پیش کریں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان ہستیوں کے بارے میں احادیث کو کتمان وحق پوشی کے مختلف اقسام کا سامنا کرنا پڑا ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں کیونکہ یہ روایات صدیوں پر محیط خلفاء کی سیاست سے متصادم تھیں اسی لئے مکتب خلفاء کی کتابوں میں ان کی تعداد نہایت کم رہ گئی ہے۔ ان روایات کو بعض علماء نے بے توجہی اور غفلت میں اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے۔ خدا نے ہمیں ان روایات کو پانے کی توفیق عنایت فرمائی۔ یہاں ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد کے سہارے گزشتہ احادیث کے علاوہ ان روایات کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر

الف۔ قرآن میں اس کا تذکرہ اور حدیث رسول(ص) میں اس کی وضاحت

انشا اللہ آگے چل کر بیان ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) سے فرمایا:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الاانه لا نبی بعدی۔

کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کی نسبت مجھ سے وہی ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی؟ البتہ اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کی نسبت کا

تذکرہ ان دونوں کے واقعے میں کیا ہے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا نقل فرماتا ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْراً مِّنْ اَهْلِيْ ۙ هَارُوْنَ اَخِي۔ اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ۔[1]

اور میرے کنبے میں سے میرا ایک وزیر بنا دے۔ میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میرا پشت پناہ بنا دے۔

پھر اللہ تعالیٰ جناب موسیٰؑ کی دعا کی قبولیت کے بارے میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا[2]

اور بتحقیق ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر ان کے ساتھ کر دیا۔

ب۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) کو کب وزیر بنایا؟

جب آپ نے حضرت عبدالمطلبؑ کی اولاد کو دعوت دی اور ان سے فرمایا:

تم میں سے کون اس امر میں میری پشت پناہی کرے گا؟....الخ

اور صرف حضرت علی(ع) نے اثبات میں جواب دیا تو اس دن آپ(ص) نے حضرت علی(ع) کو اپنا وزیر بنا لیا۔

اسماء بنت عمیس کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ

خدایا میرے گھرانے سے کسی کو میرا وزیر بنا۔

آپ(ص) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا:

خدایا میں اپنے بھائی موسیٰؑ کی طرح دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے گھر سے میرے بھائی علی(ع) کو میرا وزیر بنا۔ اس کے ذریعے میری پشت پناہی فرما۔[3]

تفسیر سیوطی میں قرآن کی آیت "وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْراً مِّنْ اَهْلِيْ" کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی اور عرض کیا:

اللهم اشدد ازری باخی علی۔

خدایا میرے بھائی علی(ع) کے ذریعے میری پشت مضبوط فرما۔

پس اللہ نے رسول(ص) کی یہ دعا قبول فرمائی۔

حضرت ابن عمرؓ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ(ص) حضرت علی ع

١۔ سورة طٰہٰ آیت ٢٩-٣٠ ٢۔ سورہ الفرقان آیت ٣٥ ٣۔ الریاض النضرہ ج٢ صفحہ ١٦٣

سے فرمایا:

تم میرے بھائی اور میرے وزیر ہو۔ تم میرے قرضے کو ادا کرو گے
اور میرے وعدے کو پورا کرو گے.....تا آخر۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (ع) سے انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی فرما کر آپ کے لئے وہ تمام چیزیں ثابت فرمائی ہیں جو ہارون کے لیے موسیٰ کی طرف سے ثابت تھیں، سوائے نبوت کے۔ جناب ہارون کو حضرت موسی علیہما السلام کی طرف سے جو چیزیں حاصل تھیں ان میں سب سے اہم موسیٰ کا وزیر ہونا تھا۔ اس حدیث کے ماخذ کا بعد میں ذکر ہوگا۔

نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت علی (ع) سے فرمایا:

لکنك وزير
بلکہ آپ وزیر ہیں۔[2]

اشعث کے نام حضرت علی (ع) کے خط کا اس نے منظوم جواب دیا تھا۔ اس منظوم جواب کے ایک شعر میں کہا گیا ہے:

وزیر النبی وذو صهرة
یعنی وہ نبی (ص) کے وزیر اور داماد ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ

غزدات کے دوران مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کو اپنا نائب بنایا تھا ان کے ذکر کے دوارن ہم نے صحیح بخاری (باب غزوہ تبوک) سے نقل کیا تھا کہ جب آپ تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت علی (ع) کو (مدینہ میں) اپنا جانشین بنایا تو انہوں نے عرض کیا:

کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے درمیان چھوڑے جا رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا:

کیا آپ کو یہ منظور نہیں کہ آپؑ کی نسبت مجھ سے وہی ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی؟ اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا.

اللہ نے اس بارے میں ہارون کے واقعے کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ [3]

[1] مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۲۱، کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۵۔ [2] نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۹۰ [3] سورہ اعراف آیت ۱۴۲

موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا: میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا۔

مسند احمد کی دو روایتوں میں سے ایک میں دعوت ذوالعشیرہ میں علی (ع) کے حق میں رسول (ص) کا قول وخلیفتی نقل ہوا ہے۔[1]

وصی، وزیر اور خلیفہ کے ذکر پر مشتمل یہ وہ احادیث تھیں جنہیں ہم عجلت میں لکھی جانے والی اس کتب میں نقل کر سکے۔ ذیل میں ہم ایسی روایات کا تذکرہ کریں گے جو حذف اور کتمان کے باوجود مکتب خلفاء کی کتابوں میں باقی رہ گئی ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کا ولی امر

آپ (ص) نے متعدد موقعوں پر صریحاً فرمایا ہے:

حضرت علی (ع) مسلمانوں کے ولی امر ہیں۔

ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

اولاً شکایت کا واقعہ: مسند احمد، خصائص نسائی، مستدرک حاکم اور دیگر کتب میں ایک روایت منقول ہے جسے ہم مسند احمد کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت بریدہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کی طرف دو دستے بھیجے ایک کو حضرت علی (ع) ابن ابی طالب علیہ السلام کی قیادت میں اور دوسرے کو خالد بن ولید کی قیادت میں اور فرمایا:

جب تم لوگ ایک ساتھ ہو جاؤ تو پھر قیادت حضرت علی (ع) کی ہو گی اور اگر الگ ہو جاؤ تو تم دونوں میں سے ہر ایک اپنی فوج کا سربراہ ہوگا۔

راوی کہتا ہے: پھر یمن کے بنی زید سے ہمارا سامنا ہوا اور ہم نے ان سے جنگ کی۔ یوں مسلمانوں کو مشرکین پر فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ہم نے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور بال بچوں کو اسیر بنا لیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اسیروں میں سے اپنے لئے ایک عورت کو پسند کر لیا۔ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں: خالدؓ نے میرے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام ایک خط بھیجا جس میں اس واقعے کی اطلاع دی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وہ خط پیش کیا۔ جب خط آپ (ص) کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس وقت میں نے آپ (ص) کے چہرے پر غصے کے آثار

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۱۱

دیکھے۔ میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ(ص) میں (آپ کے غضب سے) پناہ مانگتا ہوں۔ آپ(ص) نے مجھے ایک شخص کے ساتھ بھیجا اور اس کی اطاعت کا حکم دیا۔ میں نے وہی کیا جس کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا۔

آپ(ص) نے فرمایا:

لا تقع فی علی فانه منی وانا منه وهو ولیکم بعدی وانه منی وانا منه وهو ولیکم بعدی۔[1]

علی(ع) کی برائی مت کرو کیونکہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا سرپرست ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: پس میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ(ص) آپ کو اپنی مصاحبت کا واسطہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ مجھ سے دوبارہ اسلام کی بیعت لیں۔

راوی کہتا ہے:

پھر میں نے آپ(ص) سے جدا ہونے سے پہلے اسلام پر آپ کی (دوبارہ) بیعت کی۔[2]

صحیح ترمذی، مسند احمد، مسند طیالسی اور دیگر کتب میں ایک روایت منقول ہے جو ترمذی کے الفاظ میں یہ ہے: حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار اصحاب نے اس جنگ میں عہد کرلیا کہ جب آپ سے ملاقات ہو تو علی ابن ابی طالب(ع) کی شکایت کریں گے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو ان میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا:

یا رسول اللہ(ص)! آپ علی(ع) کی حالت نہیں دیکھتے؟ اس نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔

یہ سن کر آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد دوسرے، تیسرے اور چوتھے نے بھی پہلے شخص کی بات دہرائی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بار شکایت کرنے والے سے منہ پھیر لیا۔ راوی کہتا ہے: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں آئے کہ آپ ص

---

[1] مسند احمد ج ۵ صفحہ ۳۵۶، خصائص امام نسائی صفحہ ۲۴ معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ دیکھئے، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۱۰، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۲۷، کنز العمال ج ۱۲ صفحہ ۲۰۷ کنوز الحقائق مناوی صفحہ ۱۸۲۔

[2] مسند احمد ج ۵ صفحہ ۳۵۰، ۳۵۸، ۳۶۱، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۲۸۔

کے چہرے سے غصہ ظاہر تھا اور فرمایا؛

تم لوگ علی(ع) سے کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو علی(ع) سے؟ بیشک علی(ع) مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ بیشک وہ مجھ سے۔ وہ میرے بعد مومنوں کا سرپرست ہے۔[1]

دوسری شکایت: اسد الغابہ، مجمع الزوائد اور دیگر کتب میں ایک روایت منقول ہے جسے ہم اسد الغابہ کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ وہبؓ بن حمزہ سے مروی ہے:

میں نے مدینہ سے مکہ حضرت علی(ع) کے ساتھ سفر کیا اور میں نے ان سے ایسے امر کا مشاہدہ کیا جو مجھے پسند نہ آیا۔ میں نے کہا: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس پہنچا تو ضرور ان کی شکایت کروں گا۔

جب میں واپس پہنچا تو میں نے آپؐ سے ملاقات کی اور عرض کیا: میں نے علی(ع) سے فلاں فلاں چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

تو فرمایا:

لاتقل هذا فهو اولیٰ الناس بکم بعدی۔

یہ نہ کہو کیونکہ وہ میرے بعد تم لوگوں کے معاملے میں سب سے زیادہ بااختیار ہے۔[2]

شکایت کا زمانہ: مورخین اور سیرت نگاروں نے یمن کی طرف حضرت علی(ع) کے دو بار سفر کا ذکر کیا ہے۔ ہماری نظر میں آپ نے تین بار سفر کیا جس کا بیان انشاللہ اجتہاد کے بحث میں آئے گا۔ دونوں صورتوں میں آخری بار سفر ہجرت کے دسویں سال ہوا جب امام(ع) حجت الوداع میں یوم ترویہ سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے۔ اگر مختلف موقعوں پر حضرت علی(ع) کے سفر کے دوران مذکورہ شکایت رسول اللہ(ص) کے حضور دوبارہ پیش ہوئی ہو تو پھر پہلی شکایت مدینہ میں دسویں ہجری سے قبل ہوئی ہے۔ اور دوسری شکایت مکہ میں حضرت علی(ع) کے ساتھیوں کے خدمت رسول(ص) میں پہنچنے کے بعد یوم ترویہ سے پہلے ہوئی ہے کیونکہ وہ ایام حج

---

[1] سنن ترمذی ج ۱۳ صفحہ ۱۶۵، باب مناقب علی بن ابی طالب، مسند احمد ج ۴ صفحہ ۴۳۷، مسند ابی داؤد طیالسی ج ۳ صفحہ ۱۱۱ حدیث ۸۲۹، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۱۰، خصائص نسائی صفحہ ۱۲، ۱۹، حلیۃ الاولیاء ج ۶ صفحہ ۲۹۴، الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۷۱، کنز العمال ج ۱۲ صفحہ ۲۰۷

[2] اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۹۴ مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۰۹

سے پہلے مکہ پہنچے تھے۔ اسی بنا پر بعض علماء کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ غدیر کا واقعہ اسی شکایت کے ازالے کے لئے تھا۔ کیونکہ غدیر کا واقعہ حج کے بعد جمعہ میں مسلمانوں کے جم غفیر کے سامنے ہوا تھا اور یہاں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب فقط شکایت کنندگان تھے۔ یہ واقعہ شکایت کنندگان کی طرف سے شکایت کے فوری بعد اسی محفل میں ہوا۔ رہی دوسری شکایت تو حدیث صریحاً دلالت کرتی ہے کہ یہ شکایت ان دونوں کی مدینہ واپسی کے بعد کی گئی۔

بعض اور روایات جن کے وقت کا ذکر نہیں ہوا

ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (ع) سے کہا:

آپ میرے بعد ہر مومن کے سرپرست ہیں۔[1]

اور علی (ع) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

آپ میرے بعد مومنین کے ولی (سرپرست) ہیں۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] مسند ابی داؤد طیالسی ج ۱۱ صفحہ ۳۶۰ حدیث ۲۷۵۲، الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۲۰۳

[2] تاریخ بغداد خطیب بغدادی ج ۴ صفحہ ۳۳۹، کنز العمال ج ۱۵ صفحہ ۱۱۴، ج ۱۲ صفحہ ۲۲۱۔

امامت علی (ع) کی تصریح غدیر کے دن

حضرت علی (ع) کی امامت کو بیان کرنے والی صریح احادیث میں سے ایک حدیث غدیر ہے جیسا کہ امام حاکم سے یوں مروی ہے: حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ ان دونوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ حضرت علی (ع) کو لوگوں کے سامنے کھڑا کریں اور ان کو ولایت سے آگاہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوف محسوس کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ نے اپنے ابن عم کی طرفداری کی ہے اور اس معاملے میں آپ (ص) کے اوپر تہمت نہ لگائیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور (ص) پر یہ آیت اتاری:

> يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔[1]
>
> اے رسول (ص)! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

آپ (ص) نے غدیر خم کے دن حضرت علی (ع) کی ولایت کا اعلان کیا۔[2]

امام حاکم نے زیاد بن منذر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: میں ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام کے پاس موجود تھا اور آپ لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے۔ اتنے میں بصرہ کا ایک شخص جسے عثمان اعشی کہتے تھے (وہ حسن بصری سے روایت کرتا تھا) کھڑا ہو گیا اور اس نے آپ سے پوچھا:

> اے فرزند رسول (ص) خدا مجھے آپ پر قربان کرے۔ حسن (بصری) ہم سے کہا کرتے تھے: یہ آیت يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ... ایک شخص کی وجہ سے اتری ہے، لیکن یہ نہیں

---

[1] سورۃ المائدہ آیت ۶۷

[2] شواہد التنزیل حسکانی ج ۱ صفحہ ۱۹۲ حدیث ۲۴۹ طبع بیروت ۱۳۹۳ھ

بتاتے کہ وہ شخص کون تھا۔

فرمایا: اگر وہ اس کے بارے میں بتانا چاہتے تو بتا دیتے لیکن وہ ڈرتے تھے۔ بلاشک وشبہ جبریل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترے۔

آگے چل کر فرمایا:

پھر جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ان کے ولی ''علی'' سے آگاہ کریں جس طرح آپ نے ان کو نماز، زکات، روزے اور حج سے آگاہ کیا تھا تا کہ ان پر ان تمام چیزوں کے بارے میں حجت تمام ہو جائے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میرے رب میری قوم کو جاہلیت (کفر) سے خارج ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ان میں باہمی مقابلے اور فخر وغرور کا جذبہ موجود ہے۔ ان میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے اس کے دوست نے نہ جکڑ رکھا ہو۔

مجھے خوف محسوس ہوتا ہے (یعنی ان کی طرف سے تکذیب کا)۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔

اے رسول (ص)! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ (ص) کو حفاظت کی ضمانت دی اور متنبہ کیا تو پھر آپ نے حضرت علی (ع) کا ہاتھ پکڑا...[1]

حاکم حسکانی روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ واقعہ معراج کے بارے میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

میں نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے لئے ایک وزیر بنایا۔

آپ اللہ کے رسول (ص) اور علی (ع) آپ (ص) کا وزیر ہیں۔

۱؎ شواہد التنزیل ج ۱ صفحہ ۱۹۱

ابن عباسؓ کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے تو لوگوں کو ان باتوں میں سے کسی چیز کے بارے میں بتانا آپ (ص) کو مناسب معلوم نہ ہوا کیونکہ لوگ جاہلیت (کفر) سے نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

راوی کہتا ہے: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشم پوشی کرتے رہے یہاں تک کہ جب (ذی الحجہ کی) اٹھارویں تاریخ آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ (ص) پر یہ آیت اتاری: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ ....

پھر ابن عباسؓ کہتے ہیں:

آپؐ نے فرمایا: لوگو! اللہ نے مجھے ایک پیغام کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا ہے اور میں اس مسئلے سے رنجیدہ خاطر ہوا تھا اس خوف سے کہ تم لوگ مجھ پر تہمت لگاؤ گے اور مجھے جھٹلاؤ گے یہاں تک کہ میرے رب نے اس مسئلے میں مجھے وحی کے ذریعے متنبہ کیا ہے اور میری سرزنش کی....[1]

حسکانی اور ابن عساکر ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے وحی کی:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك فی علی ابن ابی طالب وان لم تفعل فما بلغت رسالته۔

یہاں ابو ہریرہ کی مراد یہ ہے کہ مقصد علی (ع) کے بارے میں نازل شدہ حکم کی تبلیغ تھا۔[2]

حسکانی یوں نقل کرتے ہیں: عبداللہؓ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غدیر خم کے دن یہ کہتے ہوئے سنا:

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ ....

اس کے بعد آپ (ص) نے حضرت علی (ع) کے دونوں ہاتھ بلند کئے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد فرمایا:

الا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ....

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب (ع) کی شان میں نازل ہوئی:

۱؎ شواہد التنزیل ج ۱ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳ ۲؎ شواہد التنزیل ج ۱ صفحہ ۱۸۷، تاریخ دمشق ۴۳ صفحہ ۳۵۲۔

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ.....[1]

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں (اس آیت کو) یوں پڑھا کرتے تھے:

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك ان علياً مولى المومنين وان لم تفعل فما بلغت رسالته...

اے رسول(ص)، اللہ کی طرف سے نازل شدہ اس حکم کو پہنچاؤ کہ علی(ع) مومنین کے مولیٰ ہیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو تم نے رسالت پہنچائی ہی نہیں.....[2]

حضرت ابن مسعودؓ کی مراد یہ ہے کہ وہ عہد رسول(ص) میں قرآن کی تفسیر اس طرح کرتے تھے۔ یہ آیت غدیر خم میں اتری۔ ذیل میں واقعے کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

واقعہ غدیر خم

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے لوٹے تو ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ کو آپ(ص) پر یہ آیت اتری:

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ.....

تب رسول خدا جحفہ میں غدیر خم کے مقام پر اترے۔[3] یہیں سے مدینہ، مصر اور شام کے راستے الگ ہوتے تھے۔ آپ(ص) وہاں ٹھہر گئے یہاں تک کہ بعد والے وہاں آپ(ص) کے پاس پہنچ گئے اور آگے جانے والے لوٹائے گئے۔ آپ(ص) نے اصحاب کو اس کشادہ وادی میں پھیلے ہوئے ببول کے درختوں کے نیچے اترنے سے منع کیا۔ پھر آپ(ص) نے آدمی بھیج کر ان کے نیچے پڑے ہوئے کانٹوں کو جمع کیا۔ اس کے بعد نماز جامعہ کے لئے اترے اور ندائے عام دی گئی۔ پھر ان کا رخ کیا اور ببول کے ایک درخت پر کپڑا ڈال کر آفتاب کے آگے سایہ کر دیا۔ اس کے بعد حضور(ص) نے ایک کشادہ تالاب نما جگہ میں ظہر کی نماز ادا کی اور پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ آپ(ص) نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد تذکر دیا اور وعظ و نصیحت فرمائی اور کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد فرمایا:

قریب ہے کہ مجھے (اللہ کے ہاں سے) بلاوا آجائے اور میں لبیک

[1] شواھد التنزیل ج۱ صفحہ ۱۹۱، اسباب النزول صفحہ ۱۳۵، درمنثور ج۲ صفحہ ۲۹۸، تفسیر فتح القدیر ج۲ صفحہ ۵۷، غرائب القرآن نیشاپوری ج۶ صفحہ ۱۹۴۔

[2] درمنثور ج۳ صفحہ ۲۹۸

[3] مجمع الزوائد ج۹ صفحہ ۱۶۳، ۱۶۵، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۳

کہوں۔ بہ تحقیق میں ذمہ دار ہوں اور تم لوگ بھی ذمہ دار ہو۔ بتاؤ کیا کہتے ہو؟

وہ بولے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ(ص) نے تبلیغ رسالت کی ہے اور (لوگوں کو) سمجھایا ہے۔ پس اللہ آپ(ص) کو جزائے خیر دے۔

فرمایا:

کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد(ص) اس کا بندہ اور رسول(ص) ہے نیز یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم برحق ہے۔

سب نے کہا: جی ہاں ہم ان باتوں کی شہادت دیتے ہیں۔

فرمایا: اے لوگو! میں پہلے جانے والا ہوں اور تم حوض پر میرے پاس پہنچو گے۔ بے شک اس حوض کا عرض بصرہ سے صنعاء جتنا ہے۔ اس میں چاندی کے پیالوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو گی۔ وہاں میں تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا۔ پس خوب سوچ لو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟

پس ایک شخص نے آواز دی: اے اللہ کے رسول(ص) ثقلین سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: اللہ کی کتاب جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تم لوگوں کے ہاتھوں میں۔ پس اس سے متمسک رہو اس صورت میں نہ گمراہ ہو گے اور نہ بدل جاؤ گے۔ اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت ہیں۔ بے شک مجھے خدائے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر میرے پاس حاضر نہ ہوں۔ میں نے ان دونوں کے بارے میں اپنے رب سے اس بات کی دعا کی تھی۔ پس ان دونوں سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ نیز ان دونوں کے معاملے میں کوتاہی بھی نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان دونوں کو سکھانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ وہ تم لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔[1]

اس کے بعد فرمایا:

[1] مجمع الزوائد ج۹ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳، مستدرک حاکم ج۳ صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۰۹

کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ میں مومنین پر خود ان سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں؟

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول (ص)۔

فرمایا: کیا تم نہیں جانتے اور شہادت نہیں دیتے کہ میں ہر مومن کی جان پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں؟

بولے: ہاں اے اللہ کے رسول (ص)۔

اس کے بعد آپ (ص) نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہاتھ دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اونچا کیا یہاں تک کہ لوگوں نے ان دونوں کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ اس کے بعد فرمایا:

لوگو! اللہ میرا مولیٰ ہے میں تمہارا مولیٰ ہوں۔ پس جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا یہ علی (ع) مولیٰ ہے۔ اے اللہ تو اس شخص کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور دشمنی کر اس سے جو اس سے دشمنی کرے۔ جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو اس سے بغض رکھے تو بھی اس سے بغض رکھ۔[1]

اس کے بعد فرمایا:

خدایا گواہ رہ۔

پھر قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی (ع) جدا ہوتے، یہ آیت اتری:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔[2]

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

اس کے بعد آپ (ص) نے فرمایا:

اللہ اکبر کہ دین کامل ہو گیا، نعمت پوری ہو گئی نیز پروردگار میری رسالت اور علی (ع) کی ولایت سے راضی ہو گیا۔[3]

---

[1] مسند احمد ج۱ صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹، ج۴ صفحہ ۲۸۱، سنن ابن ماجہ ج۱ صفحہ ۴۳ حدیث ۱۱۶، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۲، شواہد التنزیل ج۱ صفحہ ۱۹۰

[2] سورہ مائدہ آیت ۳

[3] حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے شواہد التنزیل ج۱ صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸، حدیث ۲۱۱، ۲۱۲ حضرت ابو ہریرہ سے بھی روایت ہے شواہد التنزیل صفحہ ۱۵۸ حدیث ۲۱۳، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۱۴

تاریخ یعقوبی (باب مانزل من القرآن بالمدینة) میں مرقوم ہے: آپ (ص) پر سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ.... الخ ہے اور یہ ایک صحیح اور مسلم حدیث ہے۔ اس آیت کا نزول غدیر خم میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کی ولایت کے بارے میں اعلان کے موقع پر ہوا۔

اس کے بعد عمرؓ ابن خطاب آپ (ع) سے ملے اور بولے:

هنيئاً لك يا ابن ابی طالب، اصبحت و امسيت مولى كل مومن و مومنة

اے فرزند ابوطالب آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولا بن گئے۔[1]

ایک اور روایت کی رو سے حضرت عمرؓ نے حضرت علی (ع) سے کہا:

بخ بخ لك يا بن ابی طالب

اے فرزند ابوطالبؑ آپ کو مبارک ہو مبارک ہو۔

ایک اور روایت کی رو سے حضرت عمرؓ نے کہا:

اے فرزند ابو طالبؑ آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے۔[2]

حضرت علی (ع) کی تاجپوشی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمامہ تھا جسے ''سحاب'' کہا جاتا تھا۔ آپ نے وہ عمامہ حضرت علی علیہ السلام کو پہنایا، اس کا رنگ سیاہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خاص دنوں میں پہنا کرتے تھے مثلاً فتح مکہ کے دن۔ غدیر کے دن حضرت علی (ع) کی تاجپوشی کی کیفیت کے بارے میں کہا گیا ہے: عبدالاعلیٰ بن عدی بہرانی سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

رسول اللہ (ص) نے غدیر کے دن علی (ع) کو بلایا پھر انہیں عمامہ پہنایا اور عمامے کا سرا پشت کی طرف لٹکا دیا۔[3]

---

[1] تاریخ یعقوبی ج۲ صفحہ ۴۳، مسند احمد ج۴ صفحہ ۲۸۱، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۱۰

[2] شواہد التنزیل ج۱ صفحہ ۱۵۷ مسند احمد ج۴ صفحہ ۲۸۱، سنن ابن ماجہ باب فضائل علی، الریاض النضرہ ج۲ صفحہ ۱۶۹، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۱۰

[3] زاد المعاد بھامش مواہب اللدنیہ زرقانی ج۱ صفحہ ۱۲۱، صحیح مسلم کتاب الحج حدیث ۴۵۱، ۴۵۲۔ سنن ابی داؤد ج۴ صفحہ ۵۴ باب فی العمائم، شرح الزرقانی ج۵ صفحہ ۱۰، الریاض النضرۃ ج۲ صفحہ ۲۸۹، اسد الغابہ ج۳ صفحہ ۱۱۴

نیز مروی ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرخم کے دن مجھے ایک سیاہ عمامہ پہنایا جس کا کنارا میرے پہلو کی طرف لٹک رہا تھا۔[1]

مسند طیالسی اور سنن بیہقی میں مرقوم ہے کہ آپ (ع) نے کہا: غدیرخم کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک عمامہ پہنایا اور اس کا کنارا میری پشت کی طرف لٹکایا۔ پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے بدر وحنین میں میری مدد ایسے فرشتوں کے ذریعے کی جو اس طرح سے عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھے۔

اس کے بعد فرمایا:

عمامہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔۔۔۔[2]

حضرت علی علیہ السلام سے ہی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ (ع) کو اپنے ہاتھوں سے عمامہ پہنایا اور عمامے کے کنارے آپ (س) کی پشت کی جانب اور آگے کی جانب لٹکا دیئے۔ اس کے بعد نبیؐ نے آپؑ سے فرمایا: پیچھے مڑ جاؤ۔ پس آپ مڑ گئے۔ پھر فرمایا: سامنے رخ کرو۔ پس آپ سامنے ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اصحاب کا رخ کیا اور آپؐ نے فرمایا:

فرشتوں کے تاج اس طرح کے ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (ع) کو سحاب پہنایا تو ان سے فرمایا:

اے علی (ع)! عمامے عرب کے تاج ہیں۔[3]

مروی ہے کہ عبداللہؓ ابن بشر نے کہا: غدیرخم کے دن نبی پاک (ص) علی (ع) کو بلا لائے پھر آپ نے انہیں عمامہ پہنایا اور عمامے کا کنارہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا۔ اس کے بعد فرمایا:

میرے رب نے جنگ حنین کے دن اس قسم کے عمامہ پوش فرشتوں کے ذریعے میری مدد کی جو عماموں کے کنارے لٹکائے ہوئے تھے۔

یہ (عمامہ) مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ایک دیوار ہے۔[4]

---

[1] الاصابہ ج ۲ صفحہ ۲۷۴ در حالات عبد اللہ بن بشر۔
[2] کنز العمال ج ۲۰ صفحہ ۴۵، مسند ابی داؤد طیالسی ج ا صفحہ ۲۳، السنن الکبری بیہقی ج ۱۰ صفحہ ۱۴
[3] کنز العمال ج ۲۰ صفحہ ۴۵۔
[4] الاصابہ ج ۲ صفحہ ۲۷۴ ترجمہ عبداللہ بن بشر نمبر ۴۵۹۹

گواہ طلبی

حضرت علی (ع) نے لوگوں کو مسجد کوفہ کے صحن میں جمع کیا پھر ان سے فرمایا:

میں ہر اس مسلمان مرد کو جس نے غدیرخم کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اپنے کانوں سے سنا تھا اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ صرف وہی لوگ کھڑے ہوں جنہوں نے وہ منظر دیکھا تھا۔

پس تیس افراد کھڑے ہو گئے۔ ایک روایت کے بقول بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے۔

عبدالرحمانؒ کا بیان ہے:

پس اصحاب بدر میں سے بارہ افراد کھڑے ہو گئے۔ گویا میں ان میں سے ایک کو دیکھ رہا ہوں۔

پھر ان لوگوں نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب علی (ع) کا ہاتھ پکڑا تو اس وقت لوگوں سے فرمایا:

کیا تم لوگوں کو علم ہے کہ میں مومنین کی جانوں پر خود سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں؟

وہ بولے:

ہاں اے اللہ کے رسول (ص)۔

تب آپؐ نے فرمایا:

من كنت مولاه فهذا علي مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه۔ وانصره من نصره واخذل من خذله۔

جس کا میں مولا ہوں اس کا علی (ع) مولا ہے۔ اے اللہ جو اس سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔ جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اس کی مدد نہ کرے تو بھی اس کی مدد نہ کر۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں:

سوائے تین آدمیوں کے باقی (گواہ) کھڑے ہو گئے۔ پس ان تینوں کو حضرت علی (ع) کی بددعا لگ گئی۔[1]

---

[1] مسند احمد ج ۴ صفحہ ۲۷۰، الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۶۹، البدایہ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۲۱۲۔

ایک اور روایت کے مطابق انصار کی ایک ٹولی حضرت علی(ع) کے پاس (مسجد کوفہ) صحن میں آئی اور کہنے لگے:

اے ہمارے مولا! آپ پر سلام ہو۔

فرمایا:

میں کیسے تمہارا مولا ہوں جبکہ تم قوم عرب ہو؟

انہوں نے کہا:

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غدیر خم کے دن یہ کہتے سنا ہے:

من كنت مولاه فهذا علي مولاه۔

راوی کہتا ہے: جب وہ لوگ چلے گئے تو مجھے ان کے بارے میں تجسّس ہوا اور پوچھا: یہ کون لوگ تھے؟ تو انہوں نے کہا: یہ کچھ انصاری تھے جن میں ایک ابو ایوب انصاریؓ تھے۔

ایک اور روایت کی رو سے امام(ع) نے فرمایا:

یہ لوگ کون ہیں؟

کہا:

اے امیر المومنینؑ یہ آپ کے دوست دار ہیں۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] مسند احمد ج۵ صفحہ ۴۱۹، البدایہ والنہایہ ج۵ صفحہ ۲۱۲

قرآن کریم میں ولایت اور اولوالامر کا بیان

الف۔ قرآن میں ولایت علی (ع)

گزشتہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں پر حضرت علی(ع) کی ولایت کا بیان ہوا تھا۔ بالکل یہی مفہوم قرآن کریم کی اس آیت کا بھی ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ۔[1]

تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت علی(ع) وغیرہ سے ایک روایت مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: مسلمان فقراء میں سے ایک فقیر مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا اور بھیک مانگنے لگا۔ اس وقت حضرت علی(ع) نماز میں مشغول تھے۔ سائل کی بات سے امام کا دل پسیجا۔ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے پیچھے اشارہ کیا۔ آپ کی انگلی میں سرخ عقیق یمنی کی ایک انگوٹھی تھی جسے آپ نماز کے دوران پہنتے تھے۔ آپ نے سائل کو اشارہ سے سمجھایا کہ وہ انگوٹھی اتار لے۔ پس اس نے انگوٹھی اتار لی، آپ کے لئے دعا کی اور چلا گیا۔ ابھی کوئی شخص مسجد سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام خدا کا پیغام: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ... لے کر اترے[2] اور حسان بن ثابت نے اس بارے میں اشعار کہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ابا حسن تفديك نفسي و مهجتي	و كل بطيء في الهدى و مسارع
فانت الذي اعطيت اذ انت راكع	فدتك نفوس القوم يا خير راكع
فانزل فيك الله خير ولاية	فاثبتها في محكمات الشرائع[3]

---

[1] سورۃ المائدہ۔ آیت ۵۵

[2] تفسیر طبری ج۶ صفحہ ۱۸۶، اسباب النزول للواحدی صفحہ ۱۳۳، شواھد التنزیل ج۱ صفحہ ۱۶۱، ۱۶۴، انساب الاشراف بلاذری صفحہ ۲۲۵ ج۱، غرایب القرآن نیشاپوری بر حاشیہ تفسیر طبری ج۶ صفحہ ۱۶۷، تفسیر در منثور ج۲ صفحہ ۲۹۳۔

[3] کفایۃ الطالب باب ۶۱ صفحہ ۲۲۸، البدایہ والنہایہ ج۷ صفحہ ۳۵۷

☆اے ابوالحسن میری جان اور روح آپ پر فدا ہوں نیز میدان ہدایت کا ہر تندور اور کندور شخص تجھ پر فدا ہو

☆کیونکہ تو ہی تھا جس نے حالت رکوع میں (انگشتری) عطا کی تھی۔ اے بہترین رکوع کرنے والے! تجھ پر ملت کی جانیں قربان ہوں۔

☆اللہ نے تیری شان میں سب سے بہترین ولایت اتاری اور اس کو قرآن کی محکم آیات میں ہمیشہ کے لئے درج کر لیا۔

اس آیت کی دلالت پر اعتراض

بعض لوگوں نے مذکورہ روایات کے مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ سابقہ آیت:

وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

میں جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ پس حضرت علی(ع) کے لئے جو واحد ہیں جمع کا صیغہ استعمال کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ اعتراض محض ایک توہم ہے اگر واحد کا صیغہ استعمال کیا جائے اور اس سے مراد جمع لی جائے تو یہ غلط ہے۔ لیکن اس کے برعکس (یعنی لفظ جمع استعمال کر کے واحد کو مراد لینا) درست ہے۔ اس کا استعمال بھی عام اور رائج ہے۔ قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ منافقین کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ......[1]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ۔[2]

اور اس کے علاوہ

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ

۱ سورۃ منافقون آیت ۱ ۲ سورۃ منافقون آیت ۵

لَا يَفْقَهُونَ ○ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔[1]

طبری نے اس سورۃ کی تفسیر میں کہا ہے:

ان تمام آیات میں مراد عبداللہ بن ابی سلول منافق ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اول سے آخر تک یہ پوری سورہ اتاری ہے اور ہم نے جو کچھ عرض کیا اہل تاویل نے بھی وہی کچھ کہا ہے نیز روایات بھی یہی کہتی ہیں۔

سیوطی نے ان آیات کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

سورہ منافقین میں اللہ نے جتنی بھی آیات اتاری ہیں ان سب میں عبداللہ بن ابی ہی مراد ہے۔[2]

تفاسیر و سیرت کی کتب کی روشنی میں خلاصہ کلام کچھ یوں ہے:

حضرت عمرؓ بن خطاب کے غلام صحابی رسول حضرت جہجاہ غفاریؓ کا غزوہ بنی مصطلق کے بعد بنی خزرج کے حلیف سنان جہنی کے ساتھ پانی پر جھگڑا ہوا اور ایک دوسرے سے لڑ پڑے۔ جہنی نے چلا کر پکارا:

اے انصاریو!

اور جہجاہ نے پکار کر کہا:

اے مہاجرو!

یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی اور اس قوم کے چند افراد غضبناک ہو گئے۔ ان لوگوں میں ایک جوان حضرت زیدؓ بن ارقم بھی تھے۔ عبداللہ نے کہا:

کیا یہ ان لوگوں کا کرتوت ہے؟ ان لوگوں نے ہماری سرزمین کے اندر ہمارے ساتھ نسب اور تعداد میں مقابلہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم ہم نے ان قریشی سانپوں کو اپنی آستینوں میں جس طرح پالا ہے

اس پر کسی کا یہ قول صادق آتا ہے:

اپنے کتے کو موٹا تازہ کرو تا کہ تجھے کھا جائے۔ خبردار رہو اللہ کی قسم اگر ہم واپس مدینہ پہنچ گئے تو عزت والا، ذلت والے کو ضرور نکال

۱ سورۃ منافقون آیات ۷-۸ ۲ تفسیر ابن جریر طبری ج۲۸ صفحہ ۷۰، درمنثور ج۶ صفحہ ۲۲۳

باہر کرے گا۔

اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے حاضرین کی طرف رخ کیا اور کہا:

یہ تمہارے اپنے کرتوت کا نتیجہ ہے۔ تو نے اپنی سرزمین ان کے لئے مباح کر دی۔ ان کے ساتھ اپنے اموال کو تقسیم کیا۔ جان لو اللہ کی قسم ! اگر تم انہیں محروم کر دو ان چیزوں سے جو تمہارے اختیار میں ہیں تو یہ تمہاری سرزمین سے چلے جائیں گے۔

یہ بات حضرت زیدؓ بن ارقم نے سنی۔ انہوں نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی اور آپ(ص) کو اس بات سے مطلع کیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ بن خطاب وہاں موجود تھے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ خطاب نے کہا:

یا رسول اللہ(ص) اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔

آپؐ نے فرمایا

اس صورت میں یثرب میں کافی خون خرابہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

یا رسول اللہ(ص)! اگر آپ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی مہاجر اسے قتل کرے تو سعدؓ بن معاذ اور سعد بن مسلمہؓ کو حکم دیں کہ وہ دونوں اسے قتل کر دیں۔

فرمایا:

یہ مجھے پسند نہیں کہ لوگ کہیں: محمد(ص) تو اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہے۔

پھر عبداللہ بن ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور قسم کھائی کہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس پر انصار نے حضرت زیدؓ کی ملامت کی اور عبداللہ سے کہا:

اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلے جاؤ تو وہ تمہارے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

یہ سن کر اس نے اپنا سر پھرا لیا اور کہا:

تم لوگوں نے حکم دیا کہ ایمان لے آؤں تو میں ایمان لے آیا۔ پھر تم لوگوں نے مجھے اپنے مال سے زکات دینے کے لئے کہا تو میں نے دے دی۔ اب بس یہی رہ گیا کہ میں محمد(ص) کو سجدہ کروں۔

تب اس کے بارے میں مذکورہ سورۃ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے قول:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى

يَنْفَضُّوْا[1]

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرنا یہاں تک کہ یہ بکھر جائیں۔

نیز اسی سورہ میں خدا کے قول:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ[2]

اور جب ان سے کہا جائے: آؤ کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت مانگے تو وہ سر جھٹک دیتے ہیں۔

سے مراد عبداللہ بن ابی ہی ہے۔

اس سورۃ میں عبداللہ بن ابی جو اکیلا بات کر رہا تھا اور واحد تھا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جمع کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور فرمایا ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ۔

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں:

نیز فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ۔

اور جب ان سے کہا جائے: آؤ کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت مانگے تو وہ سر جھٹک دیتے ہیں۔

یہاں بات کرنے والا بھی واحد ہے اور فاعل بھی جیسا کہ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور تمام روایات و احادیث یہی کہتی ہیں۔ ہم نے اسے فقط بطور مثال پیش کیا ہے ورنہ اس کی مثالیں قرآن مجید میں فراوان ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔[3]

اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نبی(ص) کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ کانوں کے کچے ہیں۔

نیز یہ ارشاد:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ[4]

جب کچھ لوگوں نے ان (مومنین) سے کہا: لوگ تمہارے خلاف جمع

---

[1] سورۃ منافقون آیت ۷ [2] سورہ منافقون آیت نمبر ۵ [3] سورۃ التوبہ آیت ۶۱
[4] سورہ آل عمران آیت ۱۷۳

ہوئے ہیں۔

اور قرآن کی یہ آیت:

يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ۔

وہ کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کچھ ملے گا؟

ان آیات میں اور اس قسم کی دیگر آیتوں میں جمع کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جبکہ ان سے مراد واحد ہیں۔ قرآن میں اس کی مثالیں وافر ہیں۔

ب۔ اولوالامر، حضرت علی (ع) اور ان کی اولاد سے بارہ امام ہیں۔

مذکورہ متواتر اور متظافر روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت علی (ع) مومنین کے مولیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے ولی امر ہیں۔ ان کے علاوہ یہ روایات قرآن کریم کی آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔[1]

میں اولی الامر کے مفہوم کی بھی تفسیر کرتی ہیں: اس کے علاوہ درج ذیل احادیث بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں:

الف۔ شواہد التنزیل میں حضرت علی (ع) سے مروی ہے کہ آپ (ع) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا اور کہا:

اے اللہ کے نبی (ص) وہ (اولوالامر) کون ہیں؟

فرمایا:

تم ان کے پہلے ہو۔

ب۔ مجاہد سے اولی الامر منکم کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے کہا:

اس سے مراد علی ابن ابی طالب (ع) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ (ص) کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب (ع) کو اس وقت ولی امر مقرر فرمایا جب آپ (ص) نے مدینہ میں انہیں اپنا جانشین بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی

[1] سورۃ نساء آیت ۵۹

اطاعت کرنے اور ان کی مخالفت سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔

ج۔ حضرت ابو بصیرؓ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے خدا کے قول:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔

کے بارے میں سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا:

یہ علی ابن ابی طالب (ع) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

میں نے عرض کیا:

لوگ کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی (ع) اور ان کے اہل بیت (ع) کے ناموں کا ذکر اپنی کتاب میں کیوں نہ کیا؟

آپؑ نے فرمایا:

تم لوگ ان سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول (ص) پر نماز کا حکم اتارا لیکن تین یا چار کا ذکر نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی اس کی تفسیر کی نیز قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حج کا حکم اتارا لیکن یہ نہیں بتایا کہ سات بار طواف کرو یہاں تک کہ آپ (ع) نے اس کی تشریح فرمائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ نازل فرمائی۔ یہ آیت حضرت علی (ع)، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بارے میں اتری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اوصیکم بکتاب اللہ و اھل بیتی انی سالت اللہ ان لا یفرق بینھما حتیٰ یردا علی الحوض فاعطانی ذالک۔ میں تمہیں کتاب خدا اور اپنے اہل بیت کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان دونوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے یہاں تک کہ یہ دونوں حوض پر میرے ہاں حاضر ہو جائیں۔ پس اللہ نے میری یہ دعا قبول کی۔

اہل بیتؑ کشتی نوح اور باب حطہ کی مثل ہیں

صحابہؓ اور اہل بیتؑ میں حضرت علی (ع)، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت

ابن عباسؓ اور انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مثل اهل بيتي كسفينة نوح من ركبها نجىٰ ومن تخلف عنها غرق

میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔

ان میں سے بعض نے نقل کیا ہے:

مثل باب حطة في بني اسرائيل۔

ان کی مثال بنی اسرائیل کے باب حطہ کی سی ہے۔

ان احادیث کے مآخذ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محبّ طبری کی ذخائر العقبیٰ ص ۲۰ طبع قاہرہ

۲۔ مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۳۴۳، ج ۳ ص ۳۰۶۔ طبع حیدر آباد دکن

۳۔ ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۶۔ طبع المطبعۃ السعادہ مصر

۴۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۲ ص ۱۹۔ طبع مدینہ منورہ

۵۔ ہیثمی کی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶۸۔ طبع بیروت

۶۔ سیوطی کی الدر المنثور (آیہ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ کی تفسیر میں)۔

۷۔ کنز العمال طبع اول ج ۶ ص ۱۵۳ اور ۲۱۶۔ طبع دکن

۸۔ صواعق محرقہ ابن حجر ص ۷۵۔ طبع قاہرہ (ابن حجر نے اسے دار قطنی، طبرانی، ابن جریر اور احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆

حضرت علی (ع) اور آپ (ع) کی معصوم اولاد رسول (ص) کے مشن کے مبلغ ہیں

قرآن کریم نے کئی ایک آیات میں رسولوں کی ذمہ داری کو تبلیغ (پہنچانے) کی حد تک محدود قرار دیا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیات میں:

☆ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ [1]

رسول اللہ (ص) کی ذمہ داری بس حکم پہنچا دینا ہے۔

☆ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ [2]

اور رسول (ص) کی ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ واضح انداز میں تبلیغ کریں۔

☆ اَنَّمَا عَلَى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ [3]

ہماری رسول کی ذمہ داری تو بس واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

☆ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ [4]

کیا رسولوں پر واضح انداز میں تبلیغ کے سوا کوئی اور ذمہ داری ہے؟

اسی طرح خاص طور سے خاتم الرسل کی ذمہ ذری کو بھی تبلیغ کے دائرے میں محدود کرتے ہوئے فرمایا ہے:

☆ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ [5]

آپ کی ذمہ داری تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔

☆ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ [6]

آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔

یاد رہے کہ تبلیغ کی کئی قسمیں ہیں:

---

[1] سرۃ المائدہ آیت ۹۹ [2] سورۃ النور آیت ۵۴، عنکبوت آیت ۱۸ [3] سورۃ المائدہ آیت ۹۲ فَاِنَّمَا سے شروع ہوتا ہے جبکہ سورۃ مائدہ ۹۲ اَنَّمَا سے [4] سورۃ النحل آیت ۳۵ [5] سورۃ آل عمران آیت ۲۰، سورۃ النحل آیت ۳۵ [6] سورۃ الشوری آیت ۴۸

۱۔ بلا واسطہ تبلیغ

۲۔ بالواسطہ تبلیغ

۳۔ اس چیز کی تبلیغ جس کا وقت عمل آ چکا ہو۔

۴۔ اس چیز کی تبلیغ جس کا وقت عمل ابھی نہ آیا ہو:

مثلاً! مومنوں کے ان دو گروہوں کا حکم جو ایک دوسرے سے لڑیں اور ظالم حکمران کے مقابلے میں مسلمانوں کی ذمہ داری۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں (جسے اللہ کی طرف سے پہنچاتے ہیں) وہ دو طرح کی ہیں:

الف۔ جو لفظاً اور معناً بذریعہ وحی نازل ہو۔ یہ کتاب اللہ سے عبارت ہے۔ کتاب اللہ کا نام اس امت کے ہاں قرآن کریم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ۔[1]

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں۔

ب۔ معناً بذریعہ وحی نازل ہو، لیکن لفظاً نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک الفاظ میں ان کو پہنچایا ہو۔ مثال کے طور پر احکام شریعت کی تفصیلات۔ اللہ فرماتا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔[2]

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ وموسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی رکعتوں کی تعداد، اذکار کی تعداد اور باقی احکام بیان کرتے ہیں نیز شریعت اسلامی کے دیگر احکام کی تشریح فرماتے ہیں یا سابقہ امتوں کے واقعات اور آئندہ کے غیبی حالات خواہ اس دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے بیان فرماتے ہیں تو گویا آپ اس وحی کی تبلیغ فرماتے ہیں جو قرآن میں نہیں ہوئی جیسا کہ فرمایا گیا:

---

[1] سورۃ انعام آیت ۱۹ [2] سورۃ شوریٰ آیت ۱۳

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ[1]

وہ خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

اس قسم کی تبلیغ کو امت مسلمہ کے ہاں حدیث نبوی (ص) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

گزشتہ آیات نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریوں کو تبلیغ کے ساتھ مختص کیا۔ بنابریں رسول (ص) کی امتیازی صفت تبلیغ قرار پائی۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص کے بارے میں فرمائیں: انہ منی ''وہ مجھ سے ہے'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تبلیغ کے کام میں مجھ سے منسلک ہے۔ ہم یہ دعویٰ بلاوجہ اور اپنی طرف سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض احادیث میں اس بات کی تصریح فرماتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ برأۃ کی آیات کی تبلیغ سے مربوط واقعے میں آپ (ص) نے فرمایا:

آیات برأۃ کی تبلیغ کا واقعہ

سورہ برأۃ کی تبلیغ کا واقعہ صحیح ترمذی، تفسیر طبری، خصائص نسائی، مستدرک علی الصحیحین اور دیگر کتب میں انس بن مالکؓ، ابن عباسؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، عبداللہؓ بن عمر، ابوسعید خدریؓ، عمرؓ بن میمون، حضرت علیؑ ابن ابی طالب اور ابوبکرؓ سے مروی ہے۔ یہاں ہم مسند احمد سے روایت نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اہل مکہ سے اظہار برائت کے لئے بھیجا (تاکہ یہ اعلان کیا جائے) کہ اس سال کے بعد سے کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا اور نہ ہی ننگے بدن طواف بیت اللہ کی اجازت ہوگی۔ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے اور جن لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ موقت ہے

ان لوگوں کے ساتھ مذکورہ مدت تک معاہدے کی پابندی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے بیزار ہیں۔ حضرت ابوبکر اس آیت کے ساتھ سوئے مکہ روانہ ہوئے۔

اس کے تین دن بعد حضور (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا:

جا کر ابوبکرؓ کو واپس میرے پاس بھیج دیں اور یہ اعلان آپؑ خود کریں۔

---

[1] سورہ نجم آیت ۳۔۴

حضرت علی علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب ابوبکرؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو روئے اور کہا:

اے اللہ کے رسول (ص)! کیا میرے بارے میں کوئی نئی بات نازل ہوگئی ہے؟

آپ (ص) نے فرمایا:

نہیں کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی۔ ہاں مجھے حکم ہوا ہے کہ ان لا یبلغه الا انا او رجل منی۔ اسے میں خود پہنچاؤں یا میرے اہل بیت (ع) کا کوئی شخص لے جائے۔

عبداللہ بن عمر کی روایت ہے:

لیکن مجھ (رسول) سے کہا گیا ہے: تیری طرف سے تبلیغ کو نہ جائے سوائے تیرے یا تیرے (گھر کے) ایک فرد کے۔

ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے:

قیل لی انه لا یبلغ عنك الا انت او رجل منك۔[1]

تیرا پیغام نہیں پہنچائے گا مگر تو خود یا تیرے گھر کا کوئی فرد۔

یہ واقعہ اور اس سے مربوط (آیات و روایات کے) الفاظ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان روایات نیز ان جیسی دیگر روایات میں مذکور تبلیغ سے مراد ان احکام کی تبلیغ ہے جن کو لوگوں تک پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ص) کو شروع شروع میں حکم دیا۔ اس قسم کے احکام کو میرا حبیب (ص) خود یا ان کی اہل بیت سے کوئی شخص پہنچا سکتا ہے۔ اس تبلیغ کے مقابلے میں تبلیغ کی وہ قسم ہے جسے وہ لوگ جو شریعت کی طرف سے ان احکام کے پابند ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان احکام سے آگاہی کے بعد انجام دیتے ہیں۔ اس وقت وہ دوسروں کے لئے ان چیزوں کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی تبلیغ کا جواز اور اس کا بہتر ہونا ہر جگہ اور سب کے ہاں جانی پہچانی چیز ہے۔ حکم شریعت سے آگاہ ہونے کے بعد کی جانے والی اس تبلیغ کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے جاری و ساری رہے گا۔ واضح ہو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: لا یبلغ عنی غیری او رجل منی۔ پیغام صرف میں پہنچاؤں گا یا ایسا آدمی جو مجھ سے ہو تو اس سے آپ کی مراد پہلی قسم کی تبلیغ تھی۔

مذکورہ بالا احادیث میں لفظ "منی" استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کی تشریح و تفسیر رسول اللہ

[1] مسند احمد ج ۱ صفحہ ۳ حدیث ۴، کنز العمال تفسیر سورۃ براۃ ج ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۷۰، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۶۹، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۵۱

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "حدیث منزلت" سے بھی ہوتی ہے جس کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نبی (ص) سے علی (ع) کی نسبت وہی ہے جو موسیٰؑ سے ہارونؑ کی ہے۔

صحیح بخاری، مسلم، مسند طیالسی، مسند احمد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب میں حدیث منقول ہے۔ وہ حدیث بخاری کے الفاظ میں یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (ع) سے فرمایا:

انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی

آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی ہاں بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

مسلم وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں:

الا انه لا نبی بعدی۔

طبقات ابن سعد میں حضرت براءؓ بن عازب اور حضرت زیدؓ بن ارقم سے مروی ہے کہ جب غزوہ جیش العسرۃ یعنی جنگ تبوک پیش آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب (ع) سے فرمایا:

لازم ہے کہ میں ٹھہر جاؤں یا آپ ٹھہر جائیں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے چلے تو کچھ لوگوں نے کہا:

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی (ع) کو کسی ناپسندیدہ بات کے سبب چھوڑا ہے۔

اس کی خبر علی (ع) کو مل گئی۔ چنانچہ وہ آنحضرت (ص) کے پیچھے چلے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ (ص) سے ملاقات ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا:

اے علی کیوں آئے؟

حضرت علی (ع) نے کہا:

میرے آنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ نے مجھے کسی ناپسندیدہ بات کی بنا پر چھوڑا ہے۔

یہ سن کر آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا:

اے علی(ع) کیا آپ کو منظور نہیں کہ آپ کی نسبت مجھ سے وہی ہو
جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی؟ ہاں آپ نبی نہیں ہیں۔

حضرت علی(ع) نے عرض کیا:

کیوں نہیں اے اللہ کے رسول(ص)۔ پس بات یہی ہے۔[1]

اس حدیث کے بعض الفاظ جنگوں کے دوران مدینہ میں رسول اللہ (ص) کی طرف سے جانشین بنائے جانے والوں کے تذکرے میں گزر چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث منزلت کو متعدد موقعوں پر بیان فرمایا ہے۔

احادیث رسول (ص) میں منّی سے کیا مراد ہے؟

متواتر حدیث انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ میں مذکور لفظ ''منی'' نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر احادیث میں بھی اس لفظ کے مفہوم ومقصود کی وضاحت ہو جاتی ہے۔
کیونکہ جب حضرت ہارونؑ نبوت میں موسیٰؑ کے شریک تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے وزیر بھی تھے۔
ادھر حضرت علی(ع) کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت حاصل تھی جو ہارون(ع) کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ علی(ع) نبی نہ تھے تو پھر حضرت علی(ع) کے لئے امر تبلیغ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وزارت باقی رہ جاتی ہے۔ بنابرایں آپ (ص) نے ان احادیث میں لفظ ''منی'' کے ذریعے مکمل طور پر اس بات کو واضح اور روشن کر دیا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں تک دینی تعلیمات کو پہنچانے کے سلسلے میں حضرت علی (ع) کا رسول (ص) کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ یہیں سے دیگر احادیث میں بھی حضرت علی(ع) کے حق میں بغیر وضاحت کے استعمال شدہ اس لفظ کا مقصود واضح ہو جاتا ہے مثال کے طور پر حضرت بریدہؓ سے مروی شکایت والی حدیث جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا۔ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہؓ سے فرمایا:

لاتقع فی علی فانه منی

علی (ع) کی برائی مت کرو کیونکہ وہ مجھ سے ہے۔

نیز عمرانؓ بن حصین کی روایت میں بھی فرمایا:

ان علیاً منی۔

علی (ع) مجھ سے ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۱۱

ان تمام روایات میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی(ع) اور آپ کی نسل کے گیارہ امام لوگوں کے لئے براہ راست تبلیغ دین کی سنگین ذمہ داری سنبھالنے کے معاملے میں رسول(ص) کے شریک ہیں نیز ان کی ذمہ داری وہی رسول (ص) والی ذمہ داری ہے۔
بنابرایں وہ سب رسول (ص) سے ہیں اور رسول (ص) ان سے ہیں نیز تبلیغ کے کام میں وہ ایک جیسے ہیں۔ البتہ فرق اس بات میں ہے کہ رسول (ص) وحی کے ذریعے احکام کو اللہ تعالیٰ سے لے کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور ائمہ اہل بیتؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ بنابرایں یہ ہستیاں امت کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبلغ ہیں۔ اللہ اور رسول(ص) نے تبلیغ کی سنگین ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے انہیں خصوصی طور پر تیار کیا ہے اور وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کی پلیدی و برائی سے محفوظ قرار دیا ہے اور انہیں اس طرح پاک کیا ہے جس طرح پاک کرنے کا حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت تطہیر میں اس کی خبر دی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر ہونے والی وحی کے اسرار و رموز سے حضرت علی(ع) کو خصوصی طور پر آگاہ کیا ہے۔ اس کے بعد یہ علوم حضرت علی مرتضیٰ(ع) سے باقی ائمہ کی طرف یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے چلے گئے جیسا کہ درج ہونے والی روایات میں اس نکتے کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

حضرت علی(ع) علوم رسول(ص) کے وارث ہیں

تفسیر رازی اور کنز العمال میں ہے کہ حضرت علی(ع) نے فرمایا:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے علم کے ہزار دروازے عطا کیے
جن میں سے ہر دروازے سے میرے لئے ایک ہزار دروازے اور
کھلے ہیں۔[1]

حضرت ابو طفیلؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی(ع) خطبہ دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

مجھ سے سوال کرو۔ اللہ کی قسم تم قیامت تک ہونے والی جس چیز
کے بارے میں مجھ سے سوال کرو گے میں اس کا جواب دوں گا۔
مجھ سے کتاب خدا کے بارے میں سوال کرو۔ اللہ کی قسم قرآن کی ہر

---

[1] تفسیر کبیر رازی زیر آیۃ ''ان اللہ اصطفیٰ آدم''، کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۹۲، ۳۰۵۔

ہر آیت کے بارے میں مجھے علم ہے کہ وہ رات کو اتری یا دن کو اتری۔ نیز میدان میں اتری یا پہاڑ پر....[1]

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی شان میں فرمایا: جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

انا مدينة العلم وعلى بابها فمن اراد المدينة فليأت الباب

میں علم کا شہر ہوں اور علی(ع) اس کا دروازہ ہیں۔ پس جو شخص شہر میں داخل ہونا چاہے وہ دروازے پر آئے۔

امام حاکم اس حدیث کے تحت کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح السند ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

من اراد العلم فليات الباب۔[2]

جو کوئی علم حاصل کرنا چاہے وہ اس دروازے پر آئے۔

ایک اور روایت میں یوں کہا گیا ہے: میں نے حدیبیہ کے واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی(ع) کا ہاتھ پکڑ کر یہ فرماتے ہوئے سنا:

هذا امير البررة وقاتل الفجرة منصور من نصره مخذول من خذله (يمدبها صوته) انا مدينةالعلم وعلى بابها فمن اراد المدينة فليأت الباب

یہ نیک لوگوں کا امیر اور بدکار لوگوں کا قاتل ہے۔ اس کی مدد کرنے والا کامیاب ہے اور اس کی مدد نہ کرنے والا بے یارومددگار ہے۔ (اپنی آواز کو کھینچتے ہوئے فرمایا:) میں علم کا شہر ہوں اور علی(ع) اس کا دروازہ ہے۔ پس جو علم کا طالب ہو وہ اس دروازے پر آئے۔[3]

حضرت ابن عباسؓ نے اسے یوں نقل کیا ہے:

انا مدينةالعلم وعلى بابها فمن اراد المدينة فليأتها من بابها۔

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۶ صفحہ ۱۱۶، طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۱۰۱، فتح الباری ج ۱۰ صفحہ ۲۲۱، حلیۃ الاولیاً صفحہ ۶۷، ۶۸، کنزالعمال ج ۱ صفحہ ۲۲۸،

[2] المستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷، تاریخ بغداد ج ۴ صفحہ ۳۴۸، ج ۷ صفحہ ۱۷۲، اسد الغابہ ج صفحہ ۲۲، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۱۴، فیض القدیر ج ۳ صفحہ ۴۶۔ کنزالعمال ج ۱۲ صفحہ ۲۰۱، الصواعق المحرقہ صفحہ ۷۳۔

[3] تاریخ بغداد لخطیب ج ۲ صفحہ ۳۷۷۔

خود حضرت علی(ع) کی روایت یوں ہے؛ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا مدينةالعلم وعلى بابها۔[1]

میں علم کا گھر ہوں اور علی(ع) اس کا دروازہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) کے حق میں فرمایا؛

انا مدينة الحكمة وعلى بابها فمن اراد الحكمة فليات الباب۔

میں حکمت کا شہر ہوں اور علی(ع) اس کا دروازہ ہے۔ پس جو طالب حکمت ہو وہ اس دروازے پر آئے۔

حضرت علی(ع) ہی سے ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛

انا دارالحكمة وعلى بابها۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) کے حق میں فرمایا؛

علی(ع) میرے علم کا دروازہ ہے اور میرے بعد میں میری امت کے لئے پیغام کو کھل کر بیان کرنے والا ہے۔

انس بن مالک کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت علی(ع) سے فرمایا:

انت تبين لامتى ما اختلفوا فيه بعدى

آپ میری امت کے لئے ان چیزوں کو کھول کر بیان کریں گے جن میں وہ میرے بعد اختلاف کریں گے۔

اس حدیث کے تحت امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔[2]

ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) سے فرمایا:

انت تؤدى عنى و تسمعهم صوتى و تبين لهم ما اختلفوا فيه بعدى

---

[1] کنز العمال ج ۱۲ صفحہ ۲۱۲، الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۹۳۔

[2] تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۲۰۴، سنن ترمذی ج ۱۳ صفحہ ۱۷۱ باب مناقب علی بن ابی طالب، کنزالعمال ج ۲ صفحہ ۱۵۶، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۲۲۔

آپ میری طرف سے (میری امانتوں کو) ادا کریں گے، لوگوں تک میری آواز پہنچائیں گے اور میرے بعد لوگ جن باتوں میں اختلاف کریں گے انہیں کھول کر بیان کریں گے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی(ع) کو ان کے بچپنے کے دوران ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی گھر میں اکٹھے ہونے کی توفیق دی۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی(ص) کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ اپنے ابن عم کو علم منتقل کریں۔ چنانچہ امام حاکم کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علی ابن ابی طالب(ع) کو جن نعمتوں سے نوازا ان میں سے ایک آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ کرم اور ارادہ تھا کہ ایک دفعہ قریش قحط کے بحران میں مبتلا ہوگئے۔ اس وقت حضرت ابوطالب(ع) کے اہل وعیال کی تعداد زیادہ تھی۔ پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ سے (جو بنی ہاشم میں سب سے زیادہ آسودہ حال تھے) فرمایا:

اے ابوالفضل! آپ کے بھائی ابوطالبؑ کثیر العیال ہیں۔ اس قحط نے لوگوں کا جو حال کردیا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ آیئے ان کے پاس چلتے ہیں اور ان کے بچوں سے ان کا بوجھ تھوڑا کم کرتے ہیں۔ ان کے بیٹوں میں سے ایک میں لے لوں گا اور ایک آپ لے لیں اور ہم ابوطالبؑ کے بدلے ان کی پرورش کریں گے۔

حضرت عباسؓ نے کہا:

ٹھیک ہے

وہ دونوں چلے یہاں تک کہ حضرت ابوطالبؑ کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے:

ہم آپ کے بال بچوں کا بوجھ کم کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ لوگ اس مشکل سے نکل آئیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان دونوں سے کہا:

عقیلؓ کو میرے پاس چھوڑو۔ پھر جو چاہو سو کرو۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی(ع) کو چنا اور اپنی طرف کرلیا۔ حضرت عباسؓ نے جناب جعفرؓ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کے بعد سے جناب جعفرؓ ہمیشہ حضرت عباسؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگئے اور عباسؓ سے بے نیاز ہوگئے۔[2]

زید بن علیؑ بن الحسینؑ اپنے والد اور اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۶۳۔ [2] مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۲۳۔

وآلہ وسلم نے ایک گھر سے جہاں آپ کے چچا عباسؓ اور حضرت حمزہؓ بھی ساتھ تھے حضرت علی(ع)، حضرت جعفرؓ اور جناب عقیلؓ کو دیکھا جو ایک زمین میں کام کررہے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں بھتیجوں سے کہا:

ان میں سے انتخاب کیجئے۔

ان دونوں میں ایک نے کہا:

میں جعفرؓ کو منتخب کرتا ہوں۔

دوسرے نے کہا:

میں عقیلؓ کو منتخب کرتا ہوں۔

تب آپؐ نے فرمایا:

میں نے آپ دونوں کو انتخاب کا موقع دیا اور آپ دونوں اپنا اپنا انتخاب کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے علی(ع) کو میرے لئے پسند کرلیا۔[1]

امامؑ بذات خود اس بارے میں فرماتے ہیں:

اور تم جانتے ہو کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قریبی رشتہ داری اور مخصوص قدر ومنزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بچپن میں مجھے اپنی گود میں بٹھاتے تھے۔ آپ مجھے اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے، بستر میں اپنے پہلو میں سلاتے تھے، اپنے بدن مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ آپ پہلے کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا۔ جو شب و روز انہیں عظیم خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے یوں لگا رہتا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ آپ(ص) ہر

---

[1] مستدرک امام حاکم ج ۳ صفحہ ۵۷۶، ۵۷۷

سال (کوہ) حرا میں کچھ دن قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے
علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چاردیواری
میں اسلام نہ تھا، البتہ ان کا تیسرا میں تھا۔ میں وحی رسالت کا نور
دیکھتا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (ابتدائی) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی چیخ سنی۔
تب میں نے پوچھا:

یا رسول اللہ (ص) یہ آواز کیسی ہے؟

فرمایا:

یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہوگیا ہے۔ (اے
علی (ع)) جو کچھ میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو کچھ میں دیکھتا
ہوں تم بھی دیکھتے ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ
میرے جانشین اور وزیر ہو اور بھلائی کی راہ پر ہو۔

حضرت علی علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

میں آپ کے پاس تھا کہ قریش کی ایک جماعت آپ (ص) کے
پاس آئی اور انہوں نے آپ (ص) سے کہا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے۔ ایسا دعویٰ
نہ آپ کے باپ دادا نے کیا اور نہ آپ کے خاندان میں سے کسی
اور نے۔ ہم آپ سے ایک امر کا مطالبہ کرتے ہیں اگر آپ (ص)
نے اسے پورا کرکے دکھا دیا تو ہم بھی یقین کریں گے کہ آپ نبی و
رسول ہیں۔ ورنہ ہم یہ جان لیں گے کہ آپ (نعوذ باللہ) جادوگر اور
جھوٹے ہیں۔

حضرت (ص) نے فرمایا:

تمہارا کیا مطالبہ ہے؟

انہوں نے کہا:

آپ ہمارے لئے اس درخت کو پکاریں کہ یہ جڑ سمیت اکھڑ کر آپ
کے سامنے ٹھہر جائے۔

آپؐ نے فرمایا:

بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر میں نے ایسا کر دکھایا تو کیا تم
ایمان لے آؤ گے اور حق کی شہادت دو گے؟

انہوں نے کہا:

ہاں!

فرمایا:

اچھا تو تمہارے مطالبے کو دکھائے دیتا ہوں اور میں یہ اچھی طرح
جانتا ہوں کہ تم بھلائی کی طرف پلٹنے والے نہیں ہو۔ تم میں سے کچھ
لوگ وہ ہیں جنہیں چاہ (بدر) میں جھونک دیا جائے گا اور کچھ وہ ہیں
جو (جنگ) احزاب میں جتھا بندی کریں گے۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

اے درخت اگر تو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یہ
یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا رسول (ص) ہوں تو تو اپنی جڑوں سمیت
اکھڑ اور بحکم خدا میرے سامنے ٹھہر جا۔

اس ذات کی قسم جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ
مبعوث کیا اور درخت اپنی جڑوں کے ساتھ اکھڑ آیا اور اس طرح
آیا کہ اس سے سخت کھڑکھڑاہٹ اور پرندوں کے پروں کی پھڑ پھڑا
ہٹ کی سی آواز آتی تھی یہاں تک کہ وہ جھومتا ہوا حضور کائنات صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر ٹھہر گیا۔ اس درخت نے اپنی
شاخیں آنحضرت (ص) پر اور کچھ شاخیں میرے کندھے پر ڈال
دیں۔ اس وقت میں آپ (ص) کے دائیں جانب کھڑا تھا۔ جب
قریش نے یہ دیکھا تو نخوت وغرور سے کہنے لگے:

اسے حکم دیں کہ آدھا آپ کے پاس آئے اور ادھا اپنی جگہ پر
رہے۔

چنانچہ آپ نے اسے یہی حکم دیا تو اس کا آدھا حصہ آپ (ص) کی
طرف آیا اس طرح سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ
جائے۔ پھر انہوں نے کفر اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

اچھا اب اس نصف حصے کو حکم دیں کہ اپنے دوسرے حصے کے پاس پلٹ جائے جس طرح پہلے تھا۔

چنانچہ آپ نے حکم دیا اور وہ پلٹ گیا۔ میں نے کہا: لا الہ الا اللہ اور میں سب سے پہلے اس بات کا اقرار کرنے والا ہوں کہ اس درخت نے بحکم خدا آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے اور آپ کے کلام کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ حقیقت ہے۔

یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے: یہ تو جادوگر اور پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ اس کا جادو عجیب اور اس میں بڑا چابکدست ہے۔ (پھر کہنے لگے) اس امر پر آپ کی تصدیق اس قسم کے لوگ ہی کر سکتے ہیں (ان کا اشارہ میری طرف تھا)۔[1]

یوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی (ع) کی کمسنی کے ایام میں ہر روز ان کے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے جاتے تھے اور انہیں اپنی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ نیز بڑا ہونے پر ان کو علم اس طرح عطا کرتے تھے جس طرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ کھلاتا ہے اور آپ حضرت علی (ع) کے ساتھ خصوصی سرگوشیاں کرتے تھے۔

سنن ترمذی وغیرہ میں ایک روایت مذکور ہے کہ جابرؓ نے کہا: طائف کے واقعے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (ع) کو بلایا اور ان کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں نے کہا:

اپنے ابن عم کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرگوشی طویل ہوگئی ہے۔

یہ سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ سرگوشی کی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: طائف کے واقعے میں آپ (ص) نے علی (ع) کو بلایا اور ان کے ساتھ طویل سرگوشی کی۔ آپ کے کسی صحابی نے کہا:..... الحدیث[2]

جندبؓ بن ناجیہ یا ناجیہؓ بن جندب کی روایت میں مذکور ہے کہ غزوہ طائف کے دن آنحضرت صلی

[1] نہج البلاغہ مع شرح مفتی الدیار محمد عبدہ المصری ج ۲ صفحہ ۱۸۲، ۱۸۴ خطبہ نمبر ۱۹۰

[2] سنن ترمذی باب مناقب علی بن ابی طالب (ع) ج ۱۳ صفحہ ۱۷۳، تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۴۰۲، اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۲۷

اللہ علیہ وآلہ وسلم علی (ع) کے ساتھ کافی دیر کھڑے رہے پھر چل پڑے۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

اے اللہ کے رسول (ص) آج علی (ع) کے ساتھ آپ کی سرگوشی طویل ہوگئی۔

فرمایا:

میں نے علی (ع) سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے سرگوشی کی ہے۔[1]

حضرت علی (ع) اس بات کے بہت دلدادہ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ فیض حاصل کریں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نَـٰجَيْتُمُ ٱلرَّسُولَ فَقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَةً ۔[2]

اے ایمان والو! جب تم رسول (ص) سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو۔

لوگوں کو صدقہ دیئے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی سے منع کیا گیا ہے پس کسی نے بھی آپ سے سرگوشی نہیں کی سوائے علی ابن ابی طالب (ع) کے۔

حضرت علی (ع) نے فرمایا:

میرے پاس ایک دینار تھا جسے میں نے فروخت کیا۔ پس جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرتا تو ایک درہم صدقہ دے دیتا یہاں تک کہ کچھ نہیں بچا۔[3]

ایک اور روایت میں ہے:

میرے پاس ایک دینار تھا جسے میں نے دس درہموں سے بدل لیا۔ پس جب بھی رسول (ص) کے پاس آتا تو......

علامہ زمخشری نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس بار سوالات کیئے اور ہر بار صدقہ دیا۔

ایک اور روایت میں حضرت علی (ع) سے مروی ہے:

[1] کنز العمال ج ۱۲ صفحہ ۲۰۰ حدیث نمبر ۱۱۲۲، الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۲۶۵

[2] سورہ مجادلہ آیت ۱۲ [3] تفسیر در منثور ج ۶ صفحہ ۱۸۵، تفسیر طبری ج ۲۸ صفحہ ۱۴، ۱۵، اسباب النزول صفحہ ۳۰۸

قرآن کی ایک آیت ایسی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں
کیا تھا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا۔ وہ ہے آیت نجویٰ:
یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ .....
میرے پاس ایک درہم تھا.....الخ

پھر فرمایا:

اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہوگئی اور پھر کسی نے اس پر عمل نہیں
کیا۔ اس کے بعد خدا کا یہ قول نازل ہوا:
ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقٰتٍ.....[1]
کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟[2]

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی (ع) یوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے اور آپ نے حضور (ص) کی زندگی کے آخری لمحے تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا:
میرے حبیب کو بلاؤ۔

کوئی شخص ابوبکرؓ کو بلا لایا۔ آپؐ نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا سر نیچے رکھ دیا اور فرمایا:

میرے حبیب کو بلاؤ۔

کوئی شخص حضرت عمرؓ کو بلا لایا۔ آپ (ص) نے اسے دیکھ کر اپنا سر نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد فرمایا:

میرے حبیب کو بلاؤ۔

اب کی بار علی (ع) کو بلا لائے۔ جب آپ (ص) نے علی (ع) کو دیکھا تو انہیں اپنی چادر میں داخل کیا اور انہیں اپنے پہلو میں لیے رہے یہاں تک کہ آپ (ص) کی روح نکل گئی جبکہ آپ کا ہاتھ حضرت علی (ع) کے اوپر تھا۔[3]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار ہو گئے۔ اس وقت آپ کے پاس عائشہؓ اور حفصہؓ موجود تھیں۔ اتنے میں حضرت علی (ع) داخل ہوئے۔ جب

---

[1] سورۃ مجادلہ آیت ۱۳ [2] الریاض النضرہ ج۲ صفحہ ۲۶۵، درمنثور ج۶ صفحہ ۱۸۵، تفسیر کشاف ج۵ صفحہ ۷۶ طبع بیروت
[3] الریاض النضرہ ج۲ صفحہ ۲۳۷ مطبعۃ دار التالیف مصر، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۷۲۔

آپ (ص) نے علی (ع) کو دیکھا تو اپنا سر اٹھایا اور فرمایا:
میرے قریب آؤ۔ میرے قریب آؤ۔

حضرت علی (ع) نے آپ کو ٹیک دی اور آپ کے پاس بیٹھے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔[1]

حضرت ام سلمہؓ نے کہا:

میں قسم کھا سکتی ہوں کہ حضرت علی (ع) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے قریبی تھے۔ ہم صبح کے وقت عیادت کے لیے گئے۔ آپؐ بار بار پوچھتے تھے: علی (ع) آگئے؟ علی (ع) آگئے؟ حضرت فاطمہ زہراء (ع) نے کہا: شاید آپ (ص) نے انہیں کسی کام سے بھیجا ہے۔ پھر حضرت علی (ع) آگئے۔

جناب ام سلمہؓ کہتی ہے:

میں نے اندازہ لگایا کہ شاید آپ (ص) کو حضرت علی (ع) سے کوئی کام ہے۔ ہم سب کمرے سے نکل کر دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ میں ان سب کی بہ نسبت دروازے کے زیادہ قریب تھی۔ پس آپ (ص) حضرت علی کے اوپر جھک گئے اور ان کے ساتھ راز کی باتیں اور سرگوشیاں کرنے لگے۔ پھر اسی دن آپ کی وفات ہوئی۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح السند ہے۔[2]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ میری طرح زندگی گزارے اور میری طرح دنیا سے جائے اور اس باغ عدن میں رہے جس کے درخت میرے رب نے لگائے ہیں تو وہ میرے بعد علی (ع) کی مدد کرے اور ان کے مددگار کی مدد کرے اور میرے بعد والے اماموں کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے خلق ہوئے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور علم عطا کیا ہے۔ وائے ہو میری امت کے ان لوگوں پر جو ان کی فضیلت کا انکار کرے اور ان

---

[1] مجمع الزوائد ج۹ صفحہ ۳۶
[2] مسند احمد ج۶ صفحہ ۳۰۰، خصائص نسائی صفحہ ۴۰، مستدرك علی الصحیحین ج۳ صفحہ ۱۳۸

کے معاملے میں میرا لحاظ نہ رکھے۔ خدا انہیں میری شفاعت نصیب نہ کرے۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج۱ صفحہ ۸۶

امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام کے بارے میں ارشادات رسول (ص)

گزشتہ مباحث میں ہم نے حضرت علی ابن ابی طالب (ع) کے بارے میں بعض نصوص کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم نواسہ رسول امام حسنؑ اور نواسہ رسول امام حسینؑ کے بارے میں بعض احادیث کا تذکرہ کریں گے۔ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان یہ ہے:

هذان مني۔ یہ دونوں مجھ سے ہیں۔

یاد رہے کہ گزشتہ بحث میں ہم منّی کا مفہوم بیان کر چکے ہیں۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ پیغمبر اسلام (ص) سے ہیں اور آپ (ص) کے نواسے ہیں

حضرت مقدامؓ بن معدی کرب سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسنؑ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا:

هذا مني۔[1] یہ مجھ سے ہے۔

حضرت براءؓ بن عازب کہتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؑ یا حسینؑ کے بارے میں فرمایا:

هذا مني۔[2]

یعلیٰؓ بن مرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حسين مني وانا من الحسين۔ احب الله من احب

---

[1] مسند احمد ج۴ صفحہ ۱۳۲، کنز العمال ج۱۳ صفحہ ۹۹، ج۱۶ صفحہ ۲۶۲، جامع الصغیر مع شرح فیض القدیر ج۳ صفحہ ۱۴۵

[2] کنز العمال ج۱۶ صفحہ ۲۷۰۔

حسیناً۔ حسین سبط من الاسباط۔

حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اُس سے محبت کرے جو حسینؑ سے محبت کرے۔ حسینؑ اسباط (اولاد) میں سے ایک نواسا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

الحسن والحسینؑ سبطان من الاسباط

''حسنؑ اور حسینؑ اولاد یا نواسوں میں سے دونواسے ہیں''۔[1]

ابورمثہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حسین منی وانا منه هو سبط من الاسباط۔

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں وہ نواسوں میں سے ایک نواسا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

الحسنؑ و الحسینؑ سبطان من الاسباط۔

حسنؑ اور حسینؑ نواسوں میں سے دونواسے ہیں۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ آپ(ص) نے فرمایا:

حسینؑ منی وانا منه احب اللّٰه من احبه۔ الحسنؑ والحسینؑ سبطان من الاسباط

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اللہ اس کو دوست رکھے جو اسے دوست رکھے۔ حسنؑ اور حسینؑ نواسوں میں سے دونواسے ہیں۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان روایات میں حسنینؑ کے لئے ''منی'' فرمایا: ان سب میں آپ کی مراد یہ ہے کہ اسلامی احکام کی تبلیغ میں وہ آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

اسی طرح ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ حضور (ص) کا امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بارے میں سبطان من الاسباط فرمانا اس نقطہ نظر سے نہیں کہ وہ آپ کے نواسے ہیں کیونکہ ان دونوں کے علاوہ باقی سارے انسان بھی کسی نہ کسی کے نواسے ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ وہ صرف نواسے ہیں ایک لغو

---

[1] صحیح بخاری باب معانقة الصبی حدیث ۳۶۴، سنن ترمذی ج ۱۳ صفحہ ۱۹۵، باب مناقب الحسن والحسین سنن ابن ماجہ باب ۱۱ حدیث ۱۴۴، مسند احمد ج ۴ صفحہ ۱۷۲، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۷۷، کنز العمال ج ۱۶ صفحہ ۲۷۰

[2] کنز العمال ج ۱۳ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۱، ۱۰۵ ج ۱۶ صفحہ ۲۷۰

اور بے فائدہ بات ہے جس سے رسول اللہ کی ذات منزہ ہے۔ بلکہ لفظ ''الاسباط'' میں الف اور لام (ال) قرآن میں ذکر شدہ ''اسباط'' کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ''عہد ذہنی''[1] ہے۔ بنابریں ان احادیث میں سبطان من الاسباط سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں قرآن میں ذکر شدہ اسباط میں سے دو سبط ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ[2]

(مسلمانوں) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کے اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا اور جو انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا (ان سب پر ایمان لائے)۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى[3]

کیا تم لوگ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟

ان کے علاوہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ ....[4]

کہہ دیجئے: ہم اللہ پر ایمان لائیں ہیں اور جو ہماری طرف نازل ہوا ہے اس پر بھی نیز ان (باتوں) پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی ہیں۔

---

[1] ذہن میں پہلے سے موجود کسی چیز کی یاددہانی

[2] سورۃ بقرۃ آیت ۱۳۶

[3] سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۰

[4] سورۃ آل عمران آیت ۸۴

نیز ارشاد ربانی ہے:

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ...[1]

(اے رسول) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی اور جس طرح ہم نے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، اولادِ یعقوب، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔

بنا بریں حسنینؑ کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث میں لفظ الاسباط کا الف اور لام (ال) مذکورہ آیات کے سبب سے مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ تصور کی طرف اشارہ ہے۔ اس قسم کے الف لام کو ''عہد ذہنی'' کہتے ہیں اور ان دونوں کے حق میں آپ(ص) کا فرمان ان دونوں کے پدر بزرگوار کے حق میں حضور(ص) کے اس فرمان کے مشابہ ہے جس کی رو سے علی(ع) کی رسول(ص) سے نسبت وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس نسبت کی وضاحت حضرت موسیٰؑ کے قول کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَٱجْعَل لِّى وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِى ۝ هَٰرُونَ أَخِى ۝ ٱشْدُدْ بِهِۦٓ أَزْرِى ۝ وَأَشْرِكْهُ فِىٓ أَمْرِى ۝ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَٰمُوسَىٰ ۝[2]

اور میرے کنبے میں سے میرا ایک وزیر بنا دے میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میرا پشت پناہ بنا دے اور اسے میرے امر (رسالت) میں شریک بنا دے تاکہ ہم تیری خوب تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ یقیناً تو ہی ہمارے حال پر خوب نظر رکھتا ہے۔ فرمایا: اے موسیٰ یقیناً آپ کو آپ کی مراد دے دی گئی۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَخِى هَٰرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّى لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِىٓ ۖ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ[3]

۱۔ سورة النسا آیت ۱۶۳
۲۔ سورة طٰہٰ آیت ۲۹ و ۳۶
۳۔ سورة قصص، آیت ۳۴، ۳۵

اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے لہٰذا اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ وہ میری تصدیق کریں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔ فرمایا: ہم آپ کے بھائی کے ذریعے آپ کے بازو مضبوط کریں گے۔

اس کے علاوہ اللہ نے فرمایا:

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَٰرُونَ ٱخْلُفْنِى فِى قَوْمِى وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ ٱلْمُفْسِدِينَ[1]

اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کا راستہ اختیار نہ کرنا۔

ایک جگہ موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے بارے میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْكِتَٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهُۥٓ أَخَاهُ هَٰرُونَ وَزِيرًا[2]

اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر ان کے ساتھ کر دیا۔

سورۃ مومنون میں فرمایا:

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَٰرُونَ بِـَٔايَٰتِنَا وَسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ[3]

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جناب ہارونؑ کو موسیٰؑ کا مددگار وزیر اور نبوت میں موسیٰ علیہ السلام کا شریک قرار دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو اپنی قوم میں اپنا جانشین بنایا۔ پھر جب خاتم الانبیاء نے صاف بتا دیا کہ حضرت علی(ع) اور آپ کی نسبت ہارون (ع) اور موسیٰ(ع) کی نسبت جیسی ہے اور اس نسبت سے صرف نبوت کو مستثنیٰ قرار دیا اور کہا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا تو پھر حضرت علی (ع) آپ کے لئے عہد رسول(ص) میں مددگار، وزیر اور شریک تبلیغ باقی رہ گئے اور حضور(ص) کی زندگی کے بعد آپ کے لئے رسول(ص) کی جانشینی اور تبلیغی ذمہ داریاں باقی رہ گئیں۔ یہی حال آپ کے بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کا ہے یعنی نبوت کے علاوہ اسباط کو حاصل ساری چیزیں ان دونوں کو حاصل ہیں۔ کیونکہ خاتم الانبیاء کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پس ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلامی احکام کی تبلیغ کی ذمہ داریاں باقی رہ جاتی ہیں۔

۱۔ سورة اعراف آیت ۱۴۲
۲۔ سورة الفرقان آیت ۳۵
۳۔ سورة مومنون آیت ۴۵

ظہور امام مہدیؑ کے
بارے میں نبی کریم (ص) کی بشارتیں

حضرت مہدی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہم نام ہوں گے۔

سنن ترمذی (امام مہدیؑ سے مربوط روایات کے باب میں) اور سنن ابوداؤد (کتاب المہدیؑ) میں نیز دیگر کتب میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

لا تذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من اهل بيتي يواطئ اسمه اسمي۔

دنیا کا خاتمہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک میرے اہل بیت کا ایک فرد جو میرا ہم نام ہوگا عرب پر حکمرانی نہ کرے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى تملاء الارض ظلماً و جوراً وعدواناً ثم يخرج من اهل بيتي من يملاء ها قسطاً وعدلا كما ملئت ظلماً و عدواناً۔[1]

قیامت سے پہلے زمین ظلم، جور اور زیادتی سے بھر جائے گی۔ اس کے بعد میرے اہل بیتؑ کے ایک فرد کا ظہور ہوگا جو اس کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھر چکی تھی۔

امام مہدی علیہ السلام اہل بیتؑ میں سے ہیں

ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

لو لم يبق من الدنيا الا يوم لطوله الله عزوجل حتى يملك

[1] سنن ترمذی ج ۹ صفحہ ۷۴، سنن ابی داؤد ج ۲ صفحہ ۷، مسند احمد ج ۱ صفحہ ۳۷۶، مستدرک امام حاکم ج ۴ صفحہ ۵۵۷

رجل من اهل بيتي يملك جبل الديلم و القسطنطينية۔

اگر دنیا کا خاتمہ ہونے میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تب بھی اللہ عزوجل اس ایک دن کو اس قدر لمبا کر دے گا کہ میرے اہل بیت کا ایک فرد حکومت کرے گا۔ وہ کوہ دیلم اور قسطنطنیہ پر حکومت کرے گا۔

حضرت علی (ع) سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

المهدى منا اهل البيت يصلحه الله في ليلة ۔[1]

مہدیؑ ہمارے اہل بیتؑ کا ایک فرد ہوگا۔ اللہ ایک ہی رات میں اس کے معاملے کو ٹھیک کر دے گا۔

اس روایت کو دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔

مستدرك علىٰ الصحيحين کی روایت کے مطابق ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

المهدى منا اهل البيت اشم الانف، اقنىٰ، اجلىٰ يملاء الارض قسطاً وعدلاً كماملئت جوراً وظلماً يعيش هكذا

یعنی مہدی ہمارے اہل بیتؑ کا ایک فرد ہوگا۔ اس کی ناک بلند، خوبصورت اور درمیان سے اوپر کو اٹھی ہوگی۔ اس کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ ہوں گے (یا وہ تابناک شکل کا مالک ہوگا)''۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

یہ فرما کر رسول اللہ (ص) نے اپنے بائیں ہاتھ (کی انگلیوں) اور دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو کھولا اور فرمایا:

وہ اتنا عرصہ رہے گا (یعنی سات سال)۔

صاحب مستدرک کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔[2] ان دونوں نے اسے نقل نہیں کیا۔ اسے ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے۔

[1] سنن ابن ماجہ جاب الخروج المھدی حدیث نمبر ۴۰۸۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ صفحہ ۱۷۷، مسند احمد ج ۱ صفحہ ۸۴، الدارمنثور للسیوطی ج ۶ صفحہ ۵۸، تفسیر سورہ محمد زیر آیت فهل ينظرون الا الساعة

[2] مستدرک حاکم ج ۴ صفحہ ۵۵۷، ابو داؤد ج ۲ صفحہ ۱۳۲، ج ۴ صفحہ ۱۰۷ حدیث نمبر ۴۲۸۵

امام مہدیؑ اولاد فاطمہؑ سے ہوں گے

ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

المهدی من عترتی من ولد فاطمة ۔

مہدیؑ میری عترتؑ سے اولاد فاطمہؑ سے ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

المهدی رجل منا من ولد فاطمة ۔

مہدی ہمارے اہل بیتؑ کا ایک مرد ہوگا فاطمہؑ کی اولاد سے۔[1]

امام مہدیؑ امام حسینؑ کی ذریت سے ہوں گے

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

یولد منهما یعنی الحسن والحسین علیهما السلام مهدی هذه الامة۔

اس امت کا مہدیؑ ان دونوں (یعنی حسن اور حسین علیہما السلام) کی اولاد سے ہوگا۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اگر دنیا کے ختم ہونے میں صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اس کو ایک دن لمبا کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اللہ میری ذریت سے ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو میرا ہمنام ہوگا۔

سلمانؓ نے پوچھا:

وہ آپ کے کس فرزند کی اولاد سے ہوگا اے اللہ کے رسول (ص)! ؟

فرمایا:

میرے اس بیٹے کی اولاد سے۔ یہ کہکر آپ نے حسینؑ کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ مارا۔[2]

حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی احادیث میں باقی آئمہ علیہم اسلام کی بہ نسبت حضرت

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب المہدی ج ۴ صفحہ ۷ حدیث ۴۲۸۴، کنز العمال ج ۷ صفحہ ۲۶۱ [2] ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۳۵ طبع قاہرہ

علی ابن ابی طالب (ع) کی امامت اور آخری امام مہدی (ع) کے ظہور کی بشارت اور اماموں کی تعداد کے بارہ ہونے پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے اور آخری امام کی معرفت ہو جائے اور تعداد کا بھی علم ہو جائے تو پھر اس بات میں شک و تردید کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ان بارہ اماموں سے کون مراد ہیں، جن کی ابتدا حضرت علی (ع) سے اور انتہا امام مہدیؑ پر ہے۔ (اللہ کا سلام ہو ان سب پر)

☆☆☆☆☆

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی امامت احادیث رسول (ص) کی روشنی میں

پیغمبر اسلام (ص) کے بعد امت مسلمہ کے درمیان اہل بیتؑ کی امامت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمودات زیادہ ہیں۔ ان میں سے کچھ آئمہ اہل بیتؑ کے بارے میں ہیں اور کچھ بعض اماموں کے ساتھ مختص ہیں۔ تمام آئمہ کے ذکر پر مشتمل احادیث میں سے ایک حدیث ثقلین ہے۔

حدیث ثقلین

الف۔ حجۃ الوداع کے موقع پر

حضرت جابرؓ نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حج کے دوران عرفہ کے دن دیکھا۔ آپؐ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سنا آپؐ فرما رہے تھے:

یا ایھا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللّٰہ و عترتی اھل بیتی۔

اے لوگو! بلاشبہ میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہل بیتؑ ہیں۔

ترمذی کہتے ہیں اس بارے میں ابوسعید خدریؓ، زیدؓ بن ارقم اور حذیفہؓ بن اسید کی روایات بھی منقول ہیں۔[1]

ب۔ غدیر خم میں

صحیح مسلم، مسند احمد، سنن درامی، بیہقی اور دیگر کتب میں ایک روایت مرقوم ہے جسے ہم صحیح مسلم کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان خم نامی مقام پر جہاں پانی تھا خطبہ دیا..... پھر فرمایا:

الا یا ایھا الناس فانما انا بشر یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب وانی تارك فیکم ثقلین اولھما کتاب للّٰہ فیہ الھدی والنور فخذوا بکتاب اللّٰہ واستمسکوا بہ.....[2] واھل بیتی....

اے لوگو آگاہ رہو کہ میں تو بس ایک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا فرستادہ آجائے اور میں (داعی اجل کو) لبیک کہوں۔ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ پہلی چیز تو اللہ کی کتاب ہے جو ہدایت نور پر مشتمل ہے۔ پس اللہ کی کتاب (کا دامن) پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو..... اور (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں...

سنن ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

انی تارك فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللّٰہ حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اھل بیتی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفوننی فیھما۔[3]

میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس سے جب تک تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک چیز دوسری سے بڑی ہے۔ ایک تو اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک کھینچی ہوئی (اللہ کی) رسی ہے اور (دوسری) میری عترت یعنی میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک حوض پر میرے ہاں حاضر نہ ہوں۔ اب سوچ لو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔

---

[1] سنن ترمذی باب مناقب اھل بیت النبی، کنز العمال ج ۱ صفحہ ۴۸

[2] صحیح مسلم باب فضائل علی بن ابی طالب، مسند احمد ج ۴ صفحہ ۳۶۶، سنن درامی ج ۲ صفحہ ۴۳۱، السنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ صفحہ ۱۸، مشکل الآثار طحاوی ج ۴ صفحہ ۳۶۸

[3] سنن ترمذی ج ۱۳ صفحہ ۲۰۱، اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۱۲۔

مستدرك الصحيحين میں ہے

كانى قد دعيت فاجبت انى تارك فيكم الثقلين احدهما اكبر من الاخر كتاب الله و عترتى فانظروا كيف تخلفونى فيهما فانهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض۔[1]

گویا میں داعی اجل کو لبیک کہنے والا ہوں۔ میں تمہارے ہاں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ وہ ہیں کتاب خدا اور میرا گھرانہ۔ پس سوچ لو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے۔ بیشک یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک حوض پر میری خدمت میں حاضر نہ ہو جائیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

ايها الناس انى تارك فيكم امرين لن تضلوا ان اتبعتموهما وهما كتاب الله و اهل بيتى عترتى۔

لوگو میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر ان دونوں کا اتباع کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ یہ دونوں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت یعنی میری عترت سے عبارت ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ یہی حدیث اس سے مختلف الفاظ میں مسند احمد، حلیہ الاولیاء اور دیگر کتب میں حضرت زیدؓ بن ثابت سے مروی ہے۔[2]

گزشتہ حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال یہ خبر دی کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا فرستادہ آجائے اور آپ(ص) داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے جوار پروردگار میں چلے جائیں۔ نیز آپ (ص) نے فرمایا:

میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس سے تمسک کی صورت میں میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک چیز

---

[1] مستدرک مع تلخیص ذہبی ج ۳ صفحہ ۱۰۹، مسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۷، طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲، کنز العمال ج ۱ صفحہ ۴۷، ۴۸

[2] مستدرك الصحيحين ج ۳ صفحہ ۱۰۹، ۱۴۸، مسند احمد ج ۴ صفحہ ۳۶، ۳۷۱، ج ۵ صفحہ ۱۸۱، تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۴۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۳۵۵، ج ۹ صفحہ ۶۴، اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۴۷، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۶۳۔

دوسری سے زیادہ عظیم ہے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی اللہ کی رسی ہے اور دوسری چیز میری عترت یعنی میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر میرے ہاں حاضر ہو جائیں۔ پس دیکھو کہ میرے بعد ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے؟

یہ بات حضور(ص) نے ایک دفعہ عرفات میں اور دوسری بار غدیر خم میں فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کے مرجع و رہبر کی تعیین کیلئے حضور(ص) کا یہ صریح فرمان آپ(ص) کی عترت کے تمام اماموں کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل روایات بھی سارے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو شامل ہیں۔

اماموں کی تعداد
احادیث رسول(ص) کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ(ص) کے بعد آنے والے اماموں کی تعداد بارہ ہوگی۔ جیسا کہ صحیح اور مسانید کے درج ذیل مولفین نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

الف۔ مسلم نے جابرؓ بن سمرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

لا يزال الدين قائماً حتى تقوم الساعة او يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم من قريش۔

دین اس وقت تک باقی رہے گا جب تک قیامت نہ آجائے یا تمہارے لئے بارہ جانشین نہ آجائیں جو سب کے سب قریشی ہوں گے۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے:

لا يزال امر الناس ماضياً....

لوگوں کا قافلہ زندگی چلتا رہے گا...الخ۔

ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہے:

الى اثنى عشر خليفة.... بارہ خلیفوں تک...

سنن ابوداؤد میں مروی ہے:

حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة

جب تک تمہارے لئے بارہ خلیفے نہ آجائیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

الی اثنا عشر (بارہ تک)[1]

بخاری کی روایت کے مطابق راوی کہتا ہے:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا:

بارہ امیر ہوں گے۔ اس کے بعد ایک لفظ فرمایا جو مجھے سنائی نہیں دیا۔ پس میرے باپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سب قریشی ہیں۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ فرمایا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پس میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ رسول(ص) نے کیا فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا: آپؐ نے فرمایا وہ سب قریش سے ہیں۔

ایک روایت ہے:

لاتضرھم عداوة من عاداھم

دشمنوں کی عداوت ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

ب۔ مروی ہے کہ اس امت کا معاملہ سدھرا رہے گا اور یہ دشمنوں پر غالب رہے گی یہاں تک کہ ان میں بارہ خلفاء گزر جائیں۔ یہ سب قریش سے ہوں گے۔ اس کے بعد گڑبڑ اور افراتفری کا دور ہوگا۔

ج۔ ایک روایت میں مذکور ہے

یکون لھذہ الامة اثنا عشر قیما لا یضرھم من خذلھم کلھم من قریش۔

اس امت کے بارہ سرپرست ہوں گے۔ انہیں چھوڑ دینے والے

---

[1] صحیح مسلم ج۲ صفحہ ۳،۴ باب الناس تبع لقریش، صحیح بخاری کتاب الاحکام ج۴ صفحہ ۱۶۵، سنن ترمذی باب ماجاء فی الخلفاء ج۲ صفحہ ۶۶، سنن ابی داؤد ج۴ کتاب المهدی صفحہ ۱۰۶ حدیث ۴۲۷۹، مسند الطیالسی حدیث ۷۶۷، ۱۲۷۸، مسند احمد ج۵ صفحہ ۸۶، کنز العمال ج۱۳ صفحہ ۲۶، فتح الباری ج۱۶ صفحہ ۳۳۸، مستدرک ج۳ صفحہ ۲۱۷، البدایہ والنہایہ ج۶ صفحہ ۲۴۹، تاریخ الخلفا صفحہ ۱۰، الصواعق المحرقہ صفحہ ۲۸

انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ وہ سب قریش سے ہوں گے۔

د۔ لا یزال امر الناس ماضیاً ماولیھم اثناعشر رجلاً

لوگوں کا کاروبار حیات چلتا رہے گا جب تک بارہ افراد ان کی سرپرستی کرتے رہیں۔

ہ۔ انسؓ سے منقول ہے:

یہ دین قائم و دائم رہے گا قریش کے بارہ افراد تک۔ جب یہ لوگ دنیا سے چلے جائیں گے تو دنیا اس میں موجود لوگوں کے ساتھ درہم برہم ہوکر رہ جائے گی۔

و۔ ایک اور روایت میں منقول ہے:

لایزال امر ھذہ الامة ظاھرا حتی یقوم اثنی عشر کلھم من قریش۔

اس امت کا بول بالا رہے گا یہاں تک کہ بارہ ہستیاں اس کی نگہبانی کریں جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

ز۔ احمد، حاکم اور دوسرے مورخین نے ایک روایت نقل کی ہے جو احمد کے الفاظ میں یوں ہے۔ مروی ہے کہ مسروقؒ نے کہا:

ہم ایک شب (عبداللہؓ ابن مسعود) کے پاس اکٹھے تھے اور وہ ہمیں قرآن پڑھا رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا: اے ابوعبدالرحمان! کیا لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں پوچھا کہ اس امت کے کتنے خلفاء ہوں گے؟

عبداللہ نے کہا: جب سے میں عراق آیا ہوں تجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ ہم نے حضور(ص) سے پوچھا تو فرمایا: وہ بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر یعنی بارہ ہوں گے۔[1]

ح۔ ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یکون بعدی من الخلفاء عدة اصحاب موسی۔

یعنی میرے بعد خلفاء کی تعداد اصحاب موسیٰ کے برابر ہوگی۔

---

[1] صحیح مسلم مع شرح نووی ج۱۲ صفحہ ۲۰۲، کنز العمال ج۱۳ صفحہ ۱۳ صفحہ ۲۷، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۸، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰، مسند احمد ج۱ صفحہ ۳۹۸، مستدرک ج۴ صفحہ ۱۰۵، فتح الباری ج۱۶ صفحہ ۳۳۹

ابن کثیر نے کہا ہے: اسی طرح کی روایت عبداللہؓ بن عمر، حذیفہؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔[1] شاید ابن عباسؓ کی روایت سے ابن کثیر کی مراد وہی روایت ہو جسے حاکم حسکانی نے ابن عباسؓ اور دوسروں سے نقل کی ہے۔

مذکورہ بالا احادیث نے صریحاً بتا دیا ہے کہ خلفاء کی تعداد بارہ ہے اور وہ سب قریشی ہیں۔ ادھر حضرت علی (ع) نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ قریش سے کیا مراد ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

ان الائمة من قريش غرسوا في هذا البطن من هاشم لا تصلح على سواهم ولا يصلح الولاة غيرهم۔

بلا شبہ امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کھیتی سے ابھریں گے۔ نہ امامت ان کے سوا کسی کو زیب دیتی ہے اور نہ ان کے سوا کوئی اس کا اہل ہوسکتا ہے۔

نیز حضرت علی(ع) نے ہی فرمایا:

ہاں زمین ایسے فرد سے خالی نہیں رہتی جو خدا کی حجت کو برقرار رکھتا ہے۔ خواہ وہ لوگوں کی نظروں میں ظاہر اور مشہور ہو یا خائف و پنہاں تاکہ اللہ تعالیٰ کے دلائل اور روشن نشانیاں مٹنے نہ پائیں۔[2]

ابن کثیر کہتے ہیں:

اہل کتاب کے ہاں موجود توراۃ میں یہ مطلب موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیلؑ کی بشارت دی اور یہ بشارت بھی دی کہ وہ ان کی نسل کو خوب پھیلائیں گے۔ خدا ان کی ذریت سے بارہ عظیم انسان پیدا کرے گا۔

ابن کثیر نے یہ بھی کہا ہے:

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ بن سمرہ کی حدیث میں جن لوگوں کی بشارت دی گئی ہے وہ یہی لوگ ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ یہ ہستیاں امت کے درمیان پراگندہ ہوں گی اور جب تک یہ لوگ نہ آئیں گے قیامت برپا نہیں ہوگی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج۶ صفحہ ۲۴۸، کنز العمال ج۱۳ صفحہ ۲۷، شواھد التنزیل حسکانی ج۱ صفحہ ۴۵۵ حدیث ۶۲۶۔

[2] نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲، ینابیع المودۃ صفحہ ۵۲۳، احیاء العلوم غزالی ج۱ صفحہ ۵۴، حلیۃ الاولیاء ج۱ صفحہ ۸۰

پھر کہتے ہیں:

بہت سے یہودی جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اس غلط نظریئے کا شکار ہو گئے کہ یہ ہستیاں وہی ہیں جن کی ترویج رافضی فرقہ کرتا ہے یوں وہ ان کے پیروکار ہو گئے۔[1]

مذکورہ بالا بشارت کا تذکرہ توراۃ کی کتاب التکوین[2] میں مذکور ہے۔

مذکورہ بالا احادیث کا ماحصل

گزشتہ احادیث کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ اس امت کے اماموں کی تعداد بارہ ہے اور بارہویں امام کے بعد اس دنیا کا خاتمہ ہوگا کیونکہ پہلی حدیث میں آیا ہے:

لا يزال هذا الدين قائماً حتى تقوم الساعة او يكون عليكم اثنا عشر خليفة۔

یہ دین قائم رہے گا تا آنکہ قیامت آ جائے یا بارہ خلیفے آ جائیں۔

یہ حدیث دین کی عمر کو معین کرتی ہے اور قیام قیامت کو اس کی آخری حد قرار دیتی ہے نیز اس امت کے اماموں کی تعداد بھی بارہ معین کرتی ہے۔

پانچویں حدیث کے مطابق بارہ قریشی ہستیوں تک یہ دین قائم رہے گا اور ان کی وفات کے ساتھ زمین اور اس کے مکین زیر و زبر ہو جائیں گے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک یہ بارہ ہستیاں ہیں، دین باقی رہے گا اور ان کے بعد زمین زیر و زبر ہو جائے گی۔

آٹھویں حدیث نے ائمہ کی تعداد کو بارہ معین کیا اور کہا:

يكون بعدي من الخلفاء عدة اصحاب موسى۔

میرے بعد خلفاء کی تعداد اصحاب موسیٰ جتنی ہوگی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بعد انہی بارہ ہستیوں کے علاوہ کوئی اور خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ ان احادیث کے الفاظ سے (جو واضح طور پر آئمہ کی تعداد کو بارہ ہستیوں میں محدود کرتی ہیں اور صریحاً کہتی ہیں کہ ان کے بعد ہرج و مرج ہوگا، زمین زیر و زبر ہوگی اور قیامت برپا ہوگی) بعض دیگر احادیث کے الفاظ کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے جو

---

[1] البدایہ والنہایہ ج۶ صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰۔

[2] الاصحاح ۱۷ آیت ۱۸ تا ۲۰

مذکورہ بالا احادیث کی طرح واضح اور صریح نہیں ہیں۔

بنابریں ان بارہ اماموں میں سے ایک کی عمر کا عام انسانوں کی عمروں کے مقابلے میں غیر معمولی طور پر طویل ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس وقت بارہویں امام اور وصی رسول (ص) کی عمر اس حقیقت کی شاہد ہے۔

مذکورہ احادیث کی تفسیر میں مکتب خلفاء کی پریشانی

مکتب خلفاء کے علماء مذکورہ احادیث میں ذکر شدہ بارہ کی تعداد کی وضاحت کے معاملے میں پریشانی اور کشش و پنج کا شکار ہوئے ہیں۔ اس مسئلے میں ان کے اقوال متضاد ہیں۔

چنانچہ ابن عربی سنن ترمذی کی شرح میں کہتے ہیں:

> ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ خلفاء کو شمار کرنا چاہا تو یہ نظر آئے: ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؑ، حسنؑ، معاویہ، یزید، معاویہ بن یزید، مروان، عبدالملک بن مروان، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، مروان بن محمد بن مروان، سفاح....

ان کے بعد ابن عربی اپنے دور کے ستائیس عباسی خلفاء کو گنواتے ہیں اور کہتے ہیں:

> اگر ہم ان تمام میں سے بارہ کا عدد پورا کرنے کی کوشش کریں تو ظاہری طور پر سلیمان پر ختم ہو جاتا ہے اور اگر ہم معنوی نقطہ نظر سے گننا شروع کریں تو ان سب میں ہمارے پاس پانچ رہ جاتے ہیں اور وہ ہیں خلفاء اربعہ اور عمرؓ بن عبدالعزیز۔ یوں حدیث کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔[1]

قاضی عیاض اس اعتراض کے جواب میں کہ بارہ سے زیادہ لوگوں نے امارت سنبھالی ہے، کہتے ہیں:

> یہ اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ فقط بارہ افراد خلافت سنبھالیں گے اور بارہ نے خلافت سنبھالی بھی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔[2]

---

[1] شرح سنن ترمذی لابن عربی ج۹ صفحہ ۶۸

[2] شرح نودی علی مسلم ج۱۲ صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲، فتح الباری ج۱۶ صفحہ ۳۳۹۔

ادھر سیوطی نے یہ جواب نقل کیا ہے:

> مقصود یہ ہے کہ قیامت تک اسلام کے پورے دور میں حق کے مطابق عمل کرنے والے بارہ خلفاء ہوں گے اگرچہ وہ پے در پے نہ آئیں۔

فتح الباری میں مرقوم ہے:

> ان میں سے خلفاء اربعہ گزر چکے ہیں اور قیامت سے پہلے اس تعداد کا مکمل ہونا ضروری ہے۔

ابن جوزی کہتے ہیں:

> بنابرایں ثم یکون الهرج ''اس کے بعد افراتفری ہوگی''۔ سے مراد خروج دجال وغیرہ کے بعد رونما ہونے والے فتنے ہیں جو گویا قیامت برپا ہونے کا اعلان ہیں۔[1]

سیوطی کہتے ہیں:

> بارہ میں سے چار خلفاء، حسنؑ، معاویہ، ابن زبیر اور عمرؓ بن عبدالعزیز جو مجموعی طور پر آٹھ بنتے ہیں آ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کے ساتھ مہدی عباسی بھی ملحق ہو کیونکہ اس کی مثال عباسیوں میں اس طرح ہے جس طرح امیوں میں عمرؓ بن عبدالعزیز کی۔ نیز شاید طاہر عباسی بھی اپنی عدالت کے باعث ان سے ملحق ہو۔ اس حساب سے دو امام بن جاتے ہیں جو ابھی نہیں آئے۔ ان میں سے ایک مہدی ہیں، کیونکہ وہ اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان بارہ ہستیوں سے مراد وہ ہیں جو اسلام کی شان وشوکت اور خلافت کی بالادستی کے دور میں آئیں اور جن کے دور میں اسلام کو طاقت ملے اور سارے مسلمان ان پر اتفاق کریں۔[2]

ابن کثیر اپنی تاریخ میں بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ان صفات کی حامل مذکورہ تعداد ولید بن یزید بن عبدالملک تک

---

[2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲، فتح الباری ج۱۶ صفحہ ۳۴۱

[3] الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲، نووی شرح مسلم ج۱۲ صفحہ ۲۰۲،

پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد افراتفری اور زبردست فتنہ وفساد کا دور آیا اور پھر عباسیوں کی حکومت بنی۔ کچھ لوگ حدیث میں مذکور تعداد کو اس صورت میں بڑھا دیتے ہیں بشرطیکہ مذکورہ صفت کو حذف کر لیا جائے یا مذکورہ افراتفری کے بعد آنے والوں کو بھی شمار کیا جائے۔[1]

یہ حضرات کہتے ہیں کہ جن خلفاء پر سب کا اتفاق ہو وہ ان سے پہلے تو خلفائے ثلاثہ ہیں اور پھر علی (ع)۔ جب جنگ صفین میں حکمین کا واقعہ پیش آیا تو اس دن سے معاویہ بھی خلفاء کی صف میں شامل ہوگیا اور پھر امام حسنؑ کے ساتھ صلح کے بعد معاویہ پر اتفاق ہوگیا پھر اس کے بیٹے یزید پر اتفاق ہوگیا لیکن امام حسینؑ کی حکومت کا معاملہ نہ سدھر سکا اور وہ اس سے قبل قتل ہو گئے۔ معاویہ کے بعد اختلاف کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان پر عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد اتفاق ہوگیا۔ عبدالملک کے بعد اس کے چار بیٹوں ولید، سلیمان، یزید اور ہشام پر بھی یکے بعد دیگرے اتفاق ہو گیا۔ البتہ سلیمان اور یزید کے درمیان عمرؓ بن عبدالعزیز آئے۔ بارہواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک ہے جس پر ہشام کے بعد لوگوں نے اتفاق کر لیا۔ ولید نے چار سال حکومت کی۔[2]

بنا برین ان بارہ افراد کی خلافت صحیح اور درست تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بشارت دی تھی کہ لوگ آپ کے جانشین بن کر اسلام کو لوگوں تک پہنچائیں گے۔

ابن حجر اس نقطہ نظر کے بارے میں کہتے ہیں:

یہ سب سے زیادہ قابل قبول صورت ہے۔

ابن کثیر کا بیان ہے: بیہقی نے جو نظریہ پیش کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس کی موافقت کر لی ہے اور رکھا ہے کہ (بارہ سے) مراد ولید بن یزید بن عبدالملک (وہی فاسق ولید جس کی مذمت میں ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں) تک یکے بعد دیگرے آنے والے خلفاء ہیں وہ قابل اعتراض ہے کیونکہ ولید بن یزید بن عبدالملک تک آنے والے خلفاء ہر صورت میں بارہ ہی بنتے ہیں۔ اس کی اصل دلیل یہ ہے کہ پہلے چار خلفاء یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؑ کی خلافت مسلم ہے ان کے بعد حسنؑ بن علیؑ کی خلافت کا بھی یہی حال ہے کیونکہ وہ علیؑ کی وصیت سے خلیفہ بنے اور اہل عراق نے ان کی بیعت کی (یہاں تک کہ ان کے اور معاویہ کے درمیان صلح ہوگئی)۔

---

1 البدایہ والنہایہ ج ۶ صفحہ ۲۴۹۔ 2 تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹، فتح الباری ج ۱۶ صفحہ ۳۴۱

معاویہ کے بعد اس کے بیٹے یزید اور اس کے بعد یزید کے بیٹے معاویہ پھر مروان بن حکم اور اس کے بعد عبدالملک بن مروان پھر اس کے بیٹے ولید پھر سلیمان بن عبدالملک پھر عمرؓ بن عبدالعزیز، پھر یزید بن عبدالملک اور پھر ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنے۔ یہ کل پندرہ ہوئے۔ ان کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک کا دور آیا۔ اگر ہم عبدالملک سے پہلے عبداللہ بن زبیر کو بھی شامل کر لیں تو اس کی تعداد سولہ بنتی ہے۔ بہرحال عمرؓ بن عبدالعزیز سے قبل ان کی تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے ان بارہ افراد میں یزید بن معاویہ شامل ہوتا ہے اور عمرؓ بن عبدالعزیز شامل نہیں ہوتے حالانکہ عمرؓ بن عبدالعزیز کی خوبیوں کے سب ہی معترف ہیں اور سبھی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگ انہیں خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ وہ عادل تھے اور ان کا دور حکومت عدل و انصاف کا سب سے سنہری دور تھا۔ یہاں تک کہ رافضی لوگ بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگر بیہقی یہ کہے: میرے نزدیک صرف وہی خلیفہ معتبر ہے جس پر امت کا اجماع قائم ہوا ہو تو پھر اس قول کی رو سے یہ بات لازم آئے گی کہ علی (ع) ابن ابی طالب اور ان کے بیٹے کو شمار نہ کیا جائے کیونکہ ان دونوں پر سارے مسلمانوں نے اتفاق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ شامیوں میں سے کسی نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ معاویہ، اس کے بیٹے یزید پھر اس کے بیٹے معاویہ کو بھی شمار کرتے ہیں لیکن مروان اور ابن زبیر کو شمار نہیں کرتے کیونکہ امت نے ان دونوں پر اتفاق نہیں کیا تھا۔ اس قول کی رو سے ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ ان کی مراد خلفائے ثلاثہ پھر معاویہ پھر یزید پھر عبدالملک پھر ولید پھر عمر ابن عبدالعزیز پھر یزید اور ہشام ہیں جو دس بنتے ہیں۔ ان کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک فاسق کو شمار کرنا ہوگا۔ لیکن اس قول کی رو سے علی (ع) اور ان کے بیٹے حسنؑ کو خارج کرنا پڑے گا حالانکہ یہ بات اہل سنت کے اماموں کی صریحی بیانات کی نفی کرتی ہے اور شیعوں کے نظریئے کی بھی۔[1]

ابن جوزی نے کشف المشکل میں درج ذیل دو جواب نقل کئے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث میں اپنے اور اپنے اصحاب کے دور کے بعد آنے والے خلفاء کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے بعد والی امارتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ بنی امیہ کے خلفاء کی تعداد کی طرف تھا اور آپ (ص) کا یہ فرمانا: لا یزال الدین

---

1 البدایہ والنہایہ ج ۶ صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰

.....الخ۔ دین اس وقت تک باقی رہے گا۔ سے مراد یہ ہے کہ بارہ خلفاء تک امارت باقی رہے گی اس کے بعد پہلے سے زیادہ سخت صورت اختیار کر جائے گی۔ بنی امیہ کا پہلا خلیفہ یزید بن معاویہ ہے اور آخری مروان الحمار۔ ان کی تعداد تیرہ بنتی ہے۔ عثمانؓ، معاویہ اور ابن زبیر کا شمار ان میں نہیں ہو گا کیونکہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اگر ہم مروان بن حکم کو اس کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف کی بنا پر یا لوگوں کی طرف سے عبداللہ بن زبیر کی حمایت کے باوجود اس سے زبردستی حکومت چھیننے کی بنا پر خلفاء کی صف سے نکال لیں تو پھر تعداد پوری ہو جاتی ہے۔ نبی امیہ کے ہاتھوں سے خلافت نکلتے وقت عظیم فتنوں نے سر اٹھایا اور زبردست جنگیں ہوئیں یہاں تک کہ عباسیوں کی حکومت قائم ہو گئی پھر سابقہ حالات میں واضح تبدیلی آگئی۔[1]

ابن حجر نے فتح الباری میں اس استدلال کو رد کیا ہے۔ ابن جوزی نے امام مہدیؑ کے بارے میں ابوالحسین بن منادی کی تالیف سے دوسری صورت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

ممکن ہے کہ مہدیؑ آخرالزمان کے بعد ایسا ہو کیونکہ میں نے دانیالؑ کی تحریر میں دیکھا ہے کہ جب امام مہدیؑ کی وفات ہو گی تو بڑے نواسے کی اولاد سے پانچ افراد حکومت کریں گے اور پھر چھوٹے نواسے کی اولاد سے پانچ حکومت کریں گے پھر ان کا آخری فرد بڑے نواسے کی ذریت میں سے کسی کو خلافت کی وصیت کرے گا جس کے بعد اس کا بیٹا حکومت کرے گا۔ یوں بارہ حکمرانوں کی تعداد پوری ہو جائے گی۔ ان میں سے ہر ایک امام مہدی ہو گا۔

پھر کہتے ہیں:

ایک روایت ہے کہ پھر اس کے بعد بارہ افراد حکومت کریں گے! چھ حسنؑ کی اولاد سے اور پانچ حسینؑ کی ذریت سے اور ایک شخص ان کے علاوہ بھی حکومت کرے گا پھر وہ مر جائے گا اور زمانہ بگڑ جائے گا۔

---

[1] ... باری ج ۱۶ صفحہ ۳۴۰ نقل از ابن جوزی از کتاب ''کشف المشکل'' تالیف ابن جوزی

ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس آخری روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

یہ روایت نہایت ضعیف ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔[1]

کچھ لوگوں نے کہا ہے:

گمان غالب یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے (اس حدیث میں) اپنے بعد رونما ہونے والے حیرت انگیز فتنوں کی خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ان فتنوں کے نتیجے میں لوگ بیک وقت بارہ مختلف حکمرانوں کی قیادت میں بٹ کر رہ جائیں گے۔ اگر حضور (ص) کی مراد کچھ اور ہوتی تو فرماتے کہ بارہ امراء آئیں گے اور وہ ایسا ایسا کریں گے۔ لیکن چونکہ آپ (ص) نے ان کے بارے میں ایسا نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب ایک ہی دور میں آئیں گے۔[2]

یہ حضرات کہتے ہیں:

پانچویں صدی ہجری میں ایسا ہی ہوا کیونکہ صرف اندلس میں چھ افراد ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کو خلیفہ کہا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ہی مصر کے حکمران اور بغداد کی عباسی حکومت کو بھی خلافت کا دعوی تھا۔ ان کے علاوہ دنیا کے مختلف حصوں میں علوی حضرات اور خوارج بھی خلافت کے دعویدار تھے۔[3]

ابن حجر کا بیان ہے:

یہ اس شخص کی بات ہے جسے بخاری کی ایک روایت کے سوا کسی حدیث کی سند سے کوئی سروکار نہ رہا ہو اسی طرح....

پھر کہا ہے:

ان لوگوں کا ایک ہی عصر میں موجود ہونا بذات خود افتراق کا باعث ہے۔ بنابریں حدیث سے مراد یہ صورت نہیں ہو سکتی۔[4]

گزشتہ احادیث اور اس طرح کی دیگر احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد امت کے سربراہ کی واضح طور پر نشاندہی فرمائی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ ہستیاں آپ کی

---

[1] فتح الباری ج ۱۶ صفحہ ۳۴۱، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹
[2] فتح الباری ج ۱۶ ص ۳۳۸
[3] شرح النووی ج ۱۲ ص ۲۰۲۔ فتح الباری ج ۱۶ ص ۳۳۹
[4] حوالہ سابق ص ۳۳۸۔ ۳۳۹

عترت اور اہل بیتؑ ہیں اور ان کی تعداد بارہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مکتب خلفاء کے علماء مذکورہ حدیث کی تفسیر میں ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے۔ معلوم نہیں ان میں سے کسی نے یہ کیوں نہیں کہا کہ مکتب اہل بیت اس حدیث کے مصادیق سے آگاہ ہے اور اہل بیت رسول(ص) سے بارہ اماموں کی صورت میں مذکورہ تعداد پوری کرنے کے لئے ان کے پاس حل موجود ہے اور یہ تعداد ان کے علاوہ دوسروں کے ذریعے پوری نہیں ہوتی جیسا کہ ہم اوپر ملاحظہ کر چکے۔ لہذا یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بعد حدیث ائمہ اثنا عشر کے حقیقی مصداق یہی بارہ ائمہ اہل بیتؑ ہی ہیں۔

-----☆-----

فہرست

☆☆☆☆☆